جلد ششم

خطیب پاکستان

حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی نور اللہ مرقدہ

مرتب

مولانا محمد فیاض حیدر قاسمی

ادارہ تالیفات اشرفیہ

بیرون بوہڑ گیٹ ملتان۔ فون: 540513

باہتمام .... محمد اسحٰق عفی عنہ

نام کتاب .... خطبات احتشام

طباعت .... [illegible] پریس چوک شہیداں ملتان

ملنے کے پتے

☆ ادارہ تالیفات اشرفیہ۔ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

☆ طیب اکیڈمی۔ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

☆ مکتبہ امدادیہ۔ بیت الاشرف باغ حیات سکھر

☆ مکتبہ العارفی۔ جامعہ اسلامیہ امدادیہ۔ فیصل آباد

☆ ادارہ اسلامیات۔ انارکلی لاہور

☆ مکتبہ رحمانیہ۔ اردو بازار لاہور

☆ مولانا محمد اقبال نعمانی۔ مکی مسجد کراچی

﴿اجمالی فہرست﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

حصہ اول

صبر کے تقاضے

صبر کا صلہ

پیری مریدی کی حقیقت

حقیقت شرک

الله

صبر و تقویٰ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ؛

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا ۖ قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا ۖ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۲۴۶﴾ سورۃ البقرۃ

صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

حضرات علماء کرام، بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! آج مجھے آپ کے اس مشہور شہر میں حاضر ہو کر اور آپ سب حضرات سے ملاقات کر کے بڑی خوشی ہوئی۔ میں آپ تمام حضرات کا خاص طور پر انجمن تقیب الاسلام کا بہت ممنون ہوں کہ انہوں نے میرے لئے یہ موقع فراہم کیا کہ میں آپ سے دین کی باتیں کر سکوں۔

دین کے ہر شعبہ میں کشش و جاذبیت ہے اس موقع پر آپ کی خدمت میں کون سی بات عرض کروں۔ ہر اس شخص کے لئے جس کو کبھی خطاب کرنے کا موقع ملتا ہے، جسکو کبھی تقریر اور بیان کا موقع ملتا ہے یہ فیصلہ کرنا مشکل اور دشوار ہوتا ہے۔ اس وجہ سے کہ شریعت اسلامیہ اور دین اسلام اس حسین مجسمہ کی طرح ہے کہ جس کا ہر ایک

اور یہ دعوت دیتی ہے کہ میری طرف متوجہ ہو کر مجھے دیکھو۔ میرے اندر کیا کیا خوبیاں ہیں اور کیا کیا کمالات اور کیسے کیسے حسن ہیں! ظاہر ہے کہ ایک مجلس میں کسی ایک ہی مضمون اور کسی ایک ہی پہلو کی طرف توجہ دی جا سکتی ہے۔ فارسی کے ایک شاعر نے اپنے محبوب کی تعریف کی ہے۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہ تعریف در حقیقت اسلام کی تعریف ہے۔ فرمایا کہ:

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

فرق کے معنی آتے ہیں مانگ۔ یعنی سر سے لیکر پاؤں تک ہر ادا مجھے یہ دعوت دے رہی ہے کہ تم میری طرف متوجہ ہو جاؤ۔ لیکن بعض اوقات انتخاب میں مشکلات اور دشواریاں بھی ہوتی ہیں۔

الف لیلیٰ کی ایک حکایت ایک کتاب ہے جسکا نام "الف لیلیٰ" ہے۔ الف کے معنی ہیں ہزار اور لیلیٰ کے معنی ہیں رات۔ یعنی اس میں ایک ہزار راتوں کی ایک ہزار الگ الگ کہانیاں ہیں۔ اس کتاب میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ سندباد نامی ایک سیاح دنیا کی سیاحت کے لئے نکلا۔ اور دنیا بھر میں اس نے سیاحت کی، ملکوں کو دیکھا، اس کے عجائبات کو دیکھا، اور ایک کافی مدت کے بعد جب وہ واپس ہونے لگا تو اسکو دور سے ہی جنگل میں ایک سفید سی چیز نظر آئی۔ اس نے سوچا کہ شاید یہ کسی بادشاہ، کسی حاکم کا محل ہے۔ اور جب اتنی مدت میں نے سیاحت میں خرچ کیا ہے تو چلو اس بادشاہ سے بھی ملاقات کرتا چلوں۔ وہ اس محل کے طرف چل پڑا۔ وہ کہتا ہے کہ میں جتنا جتنا قریب ہوتا جاتا تھا وہ چیز بڑی ہو کر مجھے نظر آ رہی تھی۔ جب میں اس کے بالکل قریب پہنچا تو مجھے اس بات کی تلاش ہوئی کہ اس کا پھاٹک کہاں ہے؟ اسکا صدر دروازہ کہاں ہے؟ اس میں داخلے کی جگہ کونسی ہے؟ اسی تلاش و جستجو میں چکر کاٹتے کاٹتے میں تھک گیا لیکن مجھے کوئی دروازہ نہیں ملا

کوئی کھڑکی نہیں ملی کوئی سوراخ نہیں ملا۔ میں پریشان تھا کہ یا اللہ یہ اتنا بڑا محل ہے لیکن اس میں داخل ہونے کا راستہ کونسا ہے؟ ایک راہ گیر ملا اس سے پوچھا کہ میاں یہ بتاؤ کہ اس محل میں داخل ہونے کا راستہ کونسا ہے؟ اس نے محسوس کر لیا۔ آپ یہاں اجنبی اور مسافر معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے کہا جی ہاں میں مسافر ہوں۔ اس نے کہا حضور والا آپ کو بڑی غلط فہمی ہوئی ہے۔ یہ کسی بادشاہ کا محل نہیں ہے جو آپ اس میں دروازہ تلاش کر رہے ہیں یہ تو اہرام کا اہرام ہے اس کے دروازے اور کھڑکی کہاں؟ لہٰذا آپ کی کوشش بیکار ہے۔ مجھے یاد آ گیا بڑی ندامت ہوئی اور وہ سمجھ گیا کہ میں نے جتنی کوشش کی تھی وہ سب غلط اور بیکار تھیں۔

آج ایک خطیب کیلئے اور ایک عالم کے لئے سب سے بڑا مسئلہ یہی ہے کہ اس دین کی کونسی بات کہوں؟ کس طریقے سے اور کس دروازے سے ان لوگوں کے دل و دماغ میں اتاروں۔

اسوہ نبوی سے دوری باعث خسران ہے

حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری فرمایا کرتے تھے کہ بھائی میں نے چالیس برس تک قبرستان میں اذان دی ہے لیکن کوئی مردہ نہیں اٹھا۔ یعنی ایک طویل تجربے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہماری ساری کی ساری ملت اور ہماری پوری قوم اہرام کا اہرام بنی ہوئی ہے۔ دین میں داخل ہونے کا نہ تو کوئی پھاٹک ہے نہ کوئی کھڑکی ہے اور نہ ہی کوئی دروازہ ہے۔ صرف ایک ہی راستہ کھلا ہوا ہے جس کے ذریعے دین میں داخل ہو سکتے ہیں۔ اور وہ وہی راستہ ہے جس کے متعلق لوگ کہتے ہیں کہ مولانا دین و آخرت کی باتیں تو پھر کریں گے پہلے پیٹ کے متعلق کوئی بات بتائیے کوئی ایسا نسخہ تجویز فرمائیے کہ جس سے ہماری دولت و ثروت میں اضافہ ہو لیکن یاد رکھئے یہ راستہ سرکار دو عالم ﷺ نے ہمیں نہیں بتایا۔ اور جو لوگ تبلیغ دین کیلئے ایسا راستہ اختیار کرتے ہیں وہ غلط کرتے ہیں۔ انہیں بعد میں شرمندگی

اٹھانی پڑتی ہے۔

ایک دلچسپ حکایت ایک مولوی صاحب نے کسی بستی میں وعظ میں کہا کہ اگر تم لوگ چالیس دن تک پابندی کے ساتھ نماز پڑھو گے تو اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ تمہیں بھینس عطا فرمائیں گے۔ یہ سن کر ایک دیہاتی نے سوچا کہ پانچ سات سو روپے خرچ کر کے بھینس خریدوں، اس سے بہتر ہے کہ چالیس دن پابندی سے نماز پڑھ لوں، بھینس مل جائے گی۔ تو اس نے پابندی کے ساتھ نماز پڑھنی شروع کر دی۔ اور جب دن قریب آنے لگے تو اس نے بھینس باندھنے کیلئے جگہ بھی بنالی، کھونٹا بھی گاڑ دیا اور رسی بھی لا کر رکھ لی۔ چالیس دن پورے ہو گئے لیکن بھینس نہیں ملی۔ مولوی صاحب کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ صاحب چالیس دن پورے ہو گئے۔ بھینس کہاں ہے؟ مولوی صاحب نے کہا ارے بے وقوف میں نے تو یہ اس لئے کہا تھا کہ اگر تو چالیس دن تک پابندی کے ساتھ نماز پڑھتا رہے گا تو تو نماز کا عادی ہو جائے گا۔ تجھے بھینس تھوڑی ہی ملنی تھی۔ اس دیہاتی نے کہا جی میں تو جب ہی سمجھ گیا تھا کہ آپ کا وعدہ کچا ہے، اس لئے میں نے بھی چالیس دن تک بلا وضو ہی نماز پڑھی ہے۔

یہ مسئلہ بھی بڑا اہم ہے میرے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ مسئلہ بھی بڑا اہم ہے کہ کونسی بات کہی جائے اور کس طرح کہی جائے۔ میں نے قرآن کریم کی چند آیتیں تلاوت کی ہیں۔ مجھے تو صرف ایک آیت ہی پڑھنی تھی لیکن ایک صاحب نے پرچہ لکھ کر بھیجا تھا کہ تلاوت کچھ لمبی کی جائے۔ میں نے پورے ایک رکوع کی تلاوت کی۔ اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے ایک واقعہ بیان فرمایا ہے، ایک قصہ بیان فرمایا ہے۔

مضامین قرآن کریم قرآن کریم قصص یا پندوں کی کتاب ہے، اسکو اگر آپ مضامین کے اعتبار سے تقسیم کریں تو یہ تین حصوں پر تقسیم ہوتا ہے۔ ایک حصہ وہ ہے کہ جس میں جائز و ناجائز، حلال و حرام کے احکام نہیں ہیں۔ ایسی بھی سورتیں ہیں مگر شریعت کا کوئی

حکم اس کے بعد بیان نہیں کیا گیا ہے۔ صرف جزا و سزا، جنت و جہنم، قرب قیامت و مناظر قیامت کا ذکر ہے۔ یہ دس پاروں کے برابر ہے۔ دراصل قرآن کریم نے جو طرز اور طریقہ تعلیم اختیار کیا ہے اس سے اس دین کا بر حق ہونا واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے۔

ایک گھڑی ہوئی کہانی بمبئی سے ایک ہریجن اخبار نکلتا تھا، وہ گاندھی جی کا آرگن (ORGAN) کہلاتا تھا۔ اس میں ایک ہندو نے یہ مضمون لکھا کہ یہ بات مشہور ہے کہ ابتداء اسلام میں شراب مسلمانوں کے گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ مگر جیسے ہی قرآن کا یہ حکم آیا کہ شراب حرام ہو گئی تو نہ کسی پولیس کی ضرورت پڑی۔ نہ کسی فوج کی ضرورت پڑی خود لوگوں نے شراب کو نالیوں میں بہا دی، اس کے برتن بھی توڑ دیئے۔ اس نے لکھا کہ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ حکومتیں ہمیں احکام دیتی رہتی ہیں لیکن اس طرح ہم تو اس پر کوئی بھی عمل نہیں کرتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے یہ کہانی گڑھ لی ہے۔

اسلامی اور ملکی قوانین میں فرق ہے اس مضمون نگار کو یقین نہ آنے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اسلامی قوانین کو حکومت کے قوانین پر قیاس کیا، جبکہ دونوں قوانین میں بہت بڑا فرق ہے۔ اس زمانے کی حکومتیں حکم تو دیتی ہیں لیکن اس حکم پر عمل کرنے کا ذہن پیدا نہیں کرتی ہیں۔ حالانکہ جب تک کسی قوم کا ذہن تعلیم و تربیت کے ذریعے ان احکام و قوانین کے مطابق نہ بنا دیا جائے اس وقت تک وہ قوم ان احکام و قوانین پر کبھی عمل نہیں کر سکتی۔ اور ذہن بنا دیا جاتا ہے تو پھر صرف حکم دینے کی دیر ہوتی ہے۔

اسلام کا نظام اصلاح اسلام نے اس سلسلہ میں جو طریقہ اختیار کیا ہے۔ وہ نہایت حکیمانہ طریقہ ہے۔ پہلے نماز کا حکم نہیں دیا، روزے کا حکم نہیں دیا، زکوٰۃ کا حکم نہیں دیا، جہاد اور حج کا حکم نہیں دیا۔ سب سے پہلے قرآن کریم کی جو آیتیں نازل ہوئیں وہ انسانوں کو

یہ بتا رہی ہیں کہ جو کچھ تم اس دنیا میں کر رہے ہو اسکا رد عمل اور اسکا نتیجہ آخرت میں نکلنے والا ہے۔ بڑی بڑی سورتیں نازل ہوئیں جن میں قیامت اور مناظر قیامت بیان کئے گئے۔ جن کے اندر جزا و سزا بیان کی گئی۔

شراب کی حرمت بتدریج ہوئی جس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ شراب گھٹی میں پڑی ہوئی تھی مگر قرآن کریم نے سب سے پہلے ذہن بنایا۔ اور اس کی ممانعت کے لئے نہایت حکیمانہ طرز اور طریقہ اختیار کیا۔ اس کے لئے تین منزلیں اور تین درجے اختیار کئے۔ پہلی منزل پر کچھ ذہن بنایا، دوسری منزل پر کچھ اور زیادہ ذہن بنایا، پھر تیسری منزل پر ممانعت کا حکم آیا۔

پہلا مرحلہ سب سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا.

آپ سے لوگ شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ ان میں کچھ فوائد بھی ہیں اور نقصانات بھی ہیں۔ لیکن ان کے نقصانات فائدے سے زیادہ ہیں۔

دنیا میں کوئی چیز آپ کو ایسی نہیں ملے گی کہ جس کے اندر فائدہ اور نقصان دونوں پہلو موجود نہ ہوں لیکن شریعت یہ دیکھتی ہے کہ ان میں فائدہ کی مقدار زیادہ ہے یا نقصان کی مقدار۔ اگر فائدہ کا پہلو غالب ہے تو اسکو حلال اور جائز قرار دیتی ہے ورنہ حرام قرار دیتی ہے۔ شراب کے متعلق قرآن کریم نے کہا کہ اس میں کچھ فوائد بھی ہوں گے مگر نقصانات زیادہ ہیں۔ پہلے پہل صرف اتنی سی بات کی گئی جس سے مسلمانوں نے یہ اندازہ لگایا کہ شراب اللہ اور اس کے رسول کی نظر میں اور دین و مذہب کی نظر میں پسندیدہ نہیں ہے۔ اتنا ذہن بن گیا۔

دوسرا مرحلہ | دوسری مرتبہ قرآن کریم میں یہ حکم آیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ

اے مسلمانو جب نماز کے لئے آیا ہو تو شراب مست نہ ہو کیونکہ نماز اللہ کے دربار میں حاضری کا نام ہے اور اس وقت یہ کیفیت اللہ کو پسند نہیں ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب کوئی بندہ نماز میں سجدہ کرتا ہے تو اس وقت اسکا سر اللہ کے قدموں میں ہوتا ہے۔ تو ابھی شراب کے حرام ہونے کا حکم نہیں آیا بلکہ اس دوسری منزل پر صرف یہ اتنی بتایا گیا کہ نماز کی حالت میں شراب پینا درست نہیں ہے۔

تیسرا مرحلہ | جب دوسری منزل پر آ گئے پھر تیسری منزل پر یہ حکم آیا:

إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔

یعنی شراب جوا، بت اور پانسے یہ سب شیطان کے گندے کام ہیں اس سے بچتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ یہ قرآن کریم کی وہ آیت ہے کہ جس نے شراب کو صرف حرام نہیں قرار دیا ہے بلکہ اسکو بدترین قسم کا گناہ اور نہایت گندا اور ناپاک قسم کا عمل بتلایا ہے۔

روشن خیالوں کی روشن خیالی | ہمارے بعض دوست فرمایا کرتے ہیں کہ مولانا! شراب کے بارے قرآن کریم میں کہیں لفظ حرام تو موجود نہیں ہے۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ شراب کو حرام کہتے ہیں تو لفظ حرام قرآن کریم میں کہاں ہے؟ اور جب قرآن میں لفظ حرام نہیں ہے تو آپ حرام کیوں کہتے ہیں؟ ہم میں جو لوگ بھولے بھالے ہیں اور واقف کار نہیں ہیں وہ شیطان کے جھانسے میں آ جاتے ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہوں گے کہ حقیقتاً یہ کوئی ایسی کمی اور کمزوری کی بات ہے جو رہ گئی ہے

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں | لیکن یاد رکھئے یہ بات صحیح نہیں ہے۔ اگر

ممانعت کی بنیاد یہ ہے کہ لفظ حرام سے منع کیا جائے تب تو حرام ہے ورنہ حرام نہیں ہے تو یہ بات آپ مجھے لکھ کر دیں۔ اور جب آپ مجھے لکھ کر دیں گے تو پھر میں آپ سے یہ پوچھوں گا کہ زنا حرام ہے یا نہیں؟ یقیناً آپ کہیں گے کہ زنا حرام ہے؛ لیکن میں آپ کو چیلنج کر کے بتاتا ہوں کہ پورے قرآن کریم کے تیس پاروں میں کہیں کوئی ایسی آیت آپ کو نہیں ملے گی کہ جس میں زنا کی ممانعت کو لفظ حرام کے ساتھ بیان کیا گیا ہو۔

جسکا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ یہ بنیاد بنالیں کہ اگر لفظ حرام ہو تو حرام ہے اور اگر حرام نہ ہو تو حرام نہیں ہے تو چلئے! آپ نے شراب کو حلال قرار دی۔ زنا کے بارے میں میں کہے دیتا ہوں کہ یہ بھی حلال ہے کیونکہ لفظ حرام سے منع نہیں کیا گیا ہے۔

ختنہ کیوں کراتے ہیں؟ بعض لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ مولانا! یہ داڑھی رکھنے کا جو حکم آپ دیتے ہیں یہ قرآن کریم میں کہاں ہے؟ میں نے کہا، اچھا بھائی، یہ حکم قرآن میں موجود نہیں ہے اور جو حکم قرآن میں موجود نہیں ہے وہ قابل عمل نہیں ہے تو پھر آپ اپنی اولاد کا ختنہ کیوں کراتے ہیں؟ یہ حکم بھی تو قرآن میں کہیں موجود نہیں ہے؟

تاریخ تدوین فقہ میں یہ بات اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ اس سلسلے میں لوگوں کے اندر بڑی غلط فہمی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ قرآن کریم کے نازل ہونے کے تقریباً ایک سو سال کے بعد اسلامی قانون بنایا گیا اور جب اسلامی فقہ کی تدوین کی گئی اس وقت لفظ حرام و مکروہ وغیرہ قانون کا اصطلاح مقرر ہوا۔ تو یہ الفاظ قرآن کریم کی زبان نہیں ہیں بلکہ جن چیزوں سے قرآن کریم نے منع کیا ہے۔ اور منع کرنے کے لئے چاہے جو الفاظ استعمال کئے گئے ہوں ان چیزوں کو قانون کی زبان میں حرام کہا جاتا ہے۔

اسباب تدوین فقہ ان اصطلاحات کو مقرر کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ ابتداء اسلام میں سب لوگ اسلام پر مکمل طور پر عمل کرتے تھے۔ پھر ایک زمانہ ایسا آیا کہ کچھ چیزیں چھوٹنے لگیں۔

مثال کے طور پہلے لوگ تہبند باندھتے تھے پھر اس کی جگہ پاجامہ پہننے لگے، اسی طرح سے بعض اور سنتیں بھی تھیں جنکو ترک کیا جانے لگا۔ تو سوال یہ پیدا ہوا کہ ایک مسلمان کی زندگی سے اسلام کی باتیں یہ جو کم ہوتی چلی جارہی ہیں۔ آیا یہ بنیادی باتیں ہیں یا بنیادی باتیں نہیں ہیں؟ اگر یہ باتیں بنیادی ہیں تو اس مسلمان کی شہادت اسلامی عدالت میں قابل قبول اور معتبر نہیں ہوگی۔ کیونکہ وہ فاسق کہلائے گا۔ اور اگر باتیں بنیادی نہیں ہیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کی شہادت اسلامی عدالت میں قابل قبول ہوگی وہ فاسق نہیں کہلائے گا۔ چنانچہ ان کے درجہ قائم کئے گئے۔ اسلام میں جتنے کام کرنے کے ہیں ان کے چار درجے اور جتنے کام نہیں کرنے کے ہیں ان کے بھی چار درجے مقرر کئے گئے۔

معمولات کے چار درجات چنانچہ جس کام کو اسلام نے کرنا ضروری قرار دیا ہے اور اسکا ثبوت قرآن کریم (نص قطعی) سے ہے تو قانون کی زبان میں اس کو فرض کہتے ہیں خواہ لفظ فرض کے ذریعہ سے حکم دیا گیا ہو یا کسی اور لفظ کے ذریعہ سے، جیسے روزہ فرض ہے لیکن قرآن کریم میں کہیں بھی اس کے لئے لفظ فرض موجود نہیں ہے فرمایا کہ

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ

یعنی اے مومنو! تم پر روزے لکھ دئے گئے ہیں۔ فرض کا لفظ نہیں ہے۔

اور جن کاموں کا کرنا اسلام میں ضروری تو ہے مگر وہ قرآن سے ثابت نہیں ہیں، سنت رسول ﷺ سے ثابت ہیں، اور ان کی تاکید بھی وارد ہے اور اس کا چھوڑنے والا فاسق شمار ہوتا ہے تو اس کو قانون کی زبان میں واجب کہیں گے، اسی طریقہ سے اگر کوئی عمل حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے اور زیادہ تر آپ ﷺ نے اس کی پابندی کی ہے تو اسکو قانون کی اصطلاح میں سنت کہتے ہیں۔ اور اگر آپ ﷺ نے کبھی اس عمل کو کیا ہے اور کبھی چھوڑ بھی دیا ہے تو اسے مستحب کہتے ہیں۔ یہ چار کام تو کرنے کے ہوئے قانون کی زبان میں اس کو فرض، واجب، سنت اور مستحب کہتے ہیں۔

ممنوعات کے چار درجات اس طرح جن باتوں سے اسلام نے منع کیا ہے ان کے بھی چار درجات ہیں۔ اگر ممانعت قرآن کریم سے ثابت ہے اگرچہ حرام کا لفظ نہ ہو تو قانون کی زبان میں اسکو حرام کہتے ہیں۔ جیسے ناحق قتل کرنا حرام ہے مگر لفظ حرام کے ساتھ قرآن کریم میں کہیں مسئلہ ذکر نہیں ہے۔ لَا تَقْتُلُوا کا لفظ ہے۔ فرمایا کہ

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ

اسی طرح زنا حرام ہے۔ اس کی ممانعت کے لئے بھی حرام کا لفظ ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ اس کی ممانعت کے الفاظ یہ ہیں

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا

یعنی زنا ہی چھوڑ دینے کا تو سوال ہی نہیں ہے یہ تو ایسی بری چیز ہے کہ تم اس کے قریب بھی مت جاؤ۔ شراب کی ممانعت بھی بجائے لفظ حرام کے ان الفاظ سے کی گئی ہے کہ یہ نجاست ہے یہ گندگی ہے یہ شیطانی عمل ہے اس سے بچتے رہنا اس سے تم الگ رہنا یعنی چار پانچ طریقوں سے اس کو منع کیا گیا ہے۔ لہذا قانون کی زبان میں یہ بھی حرام کہلائے گا۔ کیونکہ اس کی ممانعت بھی قرآن سے ثابت ہے اگرچہ ممانعت کے لئے حرام کا لفظ نہیں کہا گیا ہے۔

اور جو ممانعت قرآن سے ثابت نہیں ہے حدیث سے ثابت ہے اور حدیث میں اس پر تاکید بھی آئی ہے تو اس کو حرام نہیں کہتے اسکو مکروہ تحریمی کہتے ہیں۔ اور جس کی ممانعت پر تاکید نہیں آئی بلکہ حضور نے کبھی کبھی اس سے منع کیا ہے تو قانون کی زبان میں اس کو مکروہ تنزیہی کہتے ہیں۔ اور جو چیز ایسی ہے کہ اگر آپ اسے چھوڑ دیں تو بہتر ہے لیکن اگر کرلیا تب بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ اصطلاح فقہ میں اسکو خلاف اولیٰ کہتے ہیں۔ یہ چار درجے ممانعت کے ہوئے۔ حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ۔
جسکا مطلب یہ ہے کہ یہ دھوکہ دیا جاتا ہے کہ لفظ حرام قرآن کریم میں موجود نہیں ہے۔

رہے یقین محرم کے معنی تو یہ ہیں کہ اسکی ممانعت قرآن سے ثابت ہے

آمدم برسر مطلب تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ قرآن کریم نے پہلے دو مرحلوں پر شراب کی ممانعت کے لئے ذہن سازی کی۔ اور جب ذہن بن گیا تو تیسرے پر آخری آیت نازل ہوئی تو تمام کے تمام مسلمانوں نے شراب کو نالیوں میں بہادیا۔ اس کے برتن توڑ دیئے پھر کبھی اسکو اپنے قریب نہیں آنے دیا۔ اس ہندو مضمون نگار کو اس بات پر یقین نہیں آتا کہ وہ اسلام کے احکام و قوانین کو دنیوی حکومتوں کے احکام و قوانین کی طرح سمجھتا ہے۔ حالانکہ دنیاوی حکومتیں احکامات تو دیتی ہیں مگر اس کے مطابق قوم کا ذہن نہیں بناتی ہیں۔

قصص قرآن اور اسکی مقدار بہرحال اسلام نے سب سے پہلے جو چیزیں ہمیں دی ہیں جن کی امداد انسانی ذہن بنایا گیا ہے ان کے اندر جزا وسزا، جنت، جہنم، قیامت اور آخرت کا تذکرہ ہے اور یہ دس سپاروں کے برابر ہے۔ دوسرا حصہ قرآن کریم کا وہ ہے کہ جس میں پیغمبروں کے حالات، پچھلی قوموں کے واقعات، قارون و فرعون جیسے نافرمانوں کے قصے اور امت کے نیک بندوں اور بندیوں کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔ یہ حصہ بھی دس پارے یعنی ایک ثلث اور ایک تہائی کے بقدر ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ محترمہ حضرت مریم علیہا السلام اگرچہ نبیہ نہیں ہیں صدیقہ ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے نام پر ایک سورۃ نازل فرمائی ہے جس میں ان کے حالات و واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام پر بھی ایک سورۃ نازل فرمائی ہے۔ جس میں انکا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

قصص قرآن اور اسکا مقصود ہمارے بعض دوست حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کو ایسے مزے سے لے کر پڑھتے ہیں کہ گویا وہ "ہیر رانجھا" یا "لیلیٰ مجنوں" کا قصہ پڑھ رہے ہیں بڑے شوق سے پڑھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ زلیخا کے عشق و محبت کا واقعہ

تعالیٰ نے ہمارا دل بہلانے کے لئے نازل کیا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جتنے قصے اور واقعات بیان فرمائے ہیں انکا مقصد یہ ہے۔ فرمایا کہ

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ

آپ نے مقصد غلط سمجھا قصے کا مقصد لوگوں کو سبق دینا ہے۔ آپ اخلاقیات سے متعلق کتابیں اٹھا کر دیکھیں خواہ وہ دنیا کی کسی زبان میں لکھی گئی ہو۔ آپ کو یہ بات معلوم ہوگی کہ اخلاق کی تعلیم قصوں سے دی جاتی ہے۔ کہانیوں سے دی جاتی ہے۔

علامہ اقبال کی کتابوں میں آپ نے پہاڑ اور گلہری کا قصہ پڑھا ہوگا۔ اتنا بڑا حکیم اور اتنا بڑا شاعر۔ لیکن پہاڑ اور گلہری کا قصہ سنا رہا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ انسانوں کو اخلاقیات کا سبق دینے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ اس کے سامنے کوئی واقعہ بیان کرو۔ اس واقعہ میں بھی علامہ اقبال نے کتنا اچھا سبق دیا ہے۔

پہاڑ اور گلہری کا سبق آموز قصہ انہوں نے لکھا ہے کہ ایک بڑے اونچے پہاڑ کے سامنے ایک گلہری بیٹھی اپنے دانتوں سے کچھ کتر رہی تھی اور پھدک پھدک کر ادھر سے ادھر جا رہی تھی۔ پہاڑ نے یہ دیکھ کر کہا کہ ارے گلہری! تجھے شرم نہیں آتی کہ میرے اتنے بڑے وجود کے سامنے تو اتنی شوخیاں کر رہی ہے؟ گلہری نے جواب دیا کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت بڑا وجود عطا فرمایا ہے اور اس اعتبار سے واقعی آپ قابل تعظیم ہیں لیکن آپ یہ بھی سمجھ لیں کہ ہنر اور کمال سے میں بھی خالی نہیں ہوں۔ یہ چھالیہ کا ٹکڑا ہے جسے میں آسانی سے کتر رہی ہوں۔ آپ کا اتنا بڑا وجود ہے مگر آپ کتر نہیں سکتے۔ اس واقعہ کے آخر میں علامہ اقبال نے یہ سبق دیا فرمایا کہ "

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں

کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

یعنی کسی کو حقارت کی نگاہ سے مت دیکھو۔ یہ سب اللہ کی مخلوقات ہیں اور ہر

مخلوق میں اللہ نے کوئی نہ کوئی کمال رکھا ہے۔ کسی کو وجود کا کمال دیا ہے تو کسی کو کترنے کا کمال عطا فرمایا ہے۔

اور جب علامہ اقبال نے انسان کو غیرت و خودداری کا سبق دینے کا ارادہ کیا تو شمع اور پروانہ کا قصہ بیان کیا اور اس کے آخر میں یہ سبق دیا۔ فرمایا کہ

اللہ کا سو شکر کہ پروانہ نہیں میں
دریوزہ گر آتش بیگانہ نہیں میں

اللہ نے مجھے خوددار بنایا ہے۔ میں کسی کے سامنے بھیک مانگنے کے لئے اپنا پیالہ نہیں پھیلاتا ہوں۔

دوسری مثال میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم نے قصے کیوں بیان کئے؟ اس لئے بیان کئے کہ انسان ان قصوں کو سن کر فوراً سبق حاصل کرلے۔ مثال کے طور پر میں نے آپ سے کہا کہ دیکھو بھائی یہ زہر ہے اسے مت کھاؤ ورنہ مر جاؤ گے۔ اگر تمہیں یقین نہیں آتا ہے تو چلو اسپتال کے اندر ہم تمہیں ایسے لوگوں کی لاشیں دکھا دیتے ہیں جنہوں نے زہر کھایا اور مر گئے۔ جب آپ لاشیں دیکھ لیں گے تو آپ کو یقین آجائے گا۔ اور اگر پہلے سے کچھ یقین تھا تو اس میں اضافہ ہو جائے گا۔ قرآن کریم میں قوموں کے واقعات اور قصے اللہ تعالیٰ نے اس لئے بیان فرمائے ہیں کہ ہمیں اور آپ کو یقین آجائے کہ جن قوموں نے خدا کی مخالفت کی۔ جنہوں نے نبیوں اور رسولوں کی مخالفت کی۔ جنہوں نے قیامت و آخرت کا انکار کیا۔ اس دنیا نے زمین پر ان کا کیا حشر ہوا؟ ان مری ہوئی قوموں کی لاشیں موجود ہیں۔ آؤ تم انہیں دیکھو اور دیکھ کر سبق حاصل کرو۔

زبان میری ہے بات ان کی جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم نے کوئی قصہ اس لئے بیان نہیں کیا کہ ہماری معلومات میں اضافہ ہو۔ ہمارے بعض نوجوان جو دوسرے کے ذہن سے سوچتے ہیں جن کے پاس اپنا ذہن نہیں ہے دوسروں سے مانگا ہوا ذہن ہے تمام

طور پر ان کے منہ سے وہ باتیں نکلتی ہیں جو دوسروں کی ہوتی ہیں البتہ زبان ان کی اپنی ہوتی ہے۔ علامہ اقبال نے کیا خوب فرمایا کہ۔

انہیں کے مشرب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات انکی
انہیں کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات انکی (امانت نمبر ۔ ص ۱۰۱)

یہ لوگ سوچتے ہیں کہ بائبل اتنی چھوٹی سی ہے کہ پاکٹ میں آجاتی ہے۔ تو قرآن کو بھی چھوٹا کیوں نہ بنا دیا جائے جو ہماری پاکٹ میں آجائے۔ اچھا۔ لیکن کہنے لگے کہ یہ سینکڑوں جگہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے اس کی کیا ضرورت ہے؟ سب جگہ سے نکال دو اور ایک جگہ باقی رکھو اسی طرح صبر سے متعلق قرآن کریم میں پچاس (۵۰) آیتیں آئی ہیں ۴۹ آیتیں نکال دو اور ایک باقی رکھو۔ جب آپ قرآن کریم کے تمام مکررات کو نکال دیں گے تو قرآن خود بخود چھوٹا اور مختصر ہو جائے گا اور بائبل کی طرح پاکٹ میں رکھنے کے قابل ہو جائے گا۔

حضرت تھانویؒ کا مشورہ ایسے لوگوں کے بارے میں حضرت مولانا تھانویؒ نے بڑی اچھی بات کہی ہے۔ فرمایا کہ آپ کے سوچنے کا انداز تو بہت اچھا ہے لیکن کیا کبھی آپ نے اللہ میاں سے یہ شکایت کی کہ اے اللہ آپ نے دیکھنے کے لئے ہمیں دو آنکھیں عطا فرمائی ہیں۔ اس فضول خرچی سے کیا فائدہ ہے؟ ایک آنکھ واپس لے لے ہم ایک ہی آنکھ سے دیکھا کریں گے؟ اور جن لوگوں کے پاس ایک آنکھ ہے آپ کو معلوم ہے کہ وہ کیا غضب ڈھاتے ہیں؟ مشہور ہے کہ جن کو ایک آنکھ سے نظر آئے وہ ضرور کوئی نہ کوئی فتنہ پیدا کرے گا۔

لطیفہ ہمارے یہاں پاکستان میں ایک وزیر تھے نام بتانے کی ضرورت نہیں ہے ان کی ایک آنکھ خراب تھی صرف ایک آنکھ سے نظر آتی تھی ان کے پاس وزارت داخلہ کے ساتھ امور کشمیر کا بھی انچارج (INCHARGE) تھا۔ ایک مرتبہ ایک عوامی جلسہ میں

جو آج سے تیرہ سو سال پہلے مسلم قوم کی دھاک دنیا میں بیٹھی گئی، شعار نے لکھ دیا ہے اسے بلند یاد رکھئے! جس قوم کو دنیا میں اپنے قومی نصب العین کی خاطر مرنا نہیں آتا، اس قوم کو دنیا میں جینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ جینے کا حق صرف اس قوم کو ہے جو اپنے قومی نصب العین کی خاطر جان و مال کی قربانی دینے پر تیار ہو۔ دنیا میں عزت، حیات صرف اسی قوم کیلئے ہے۔

نبی کی نافرمانی کا انجام چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ایک زمانہ آیا، حضرت شموئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام بنی اسرائیل کے نبی اور پیغمبر ہیں۔ انہوں نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تم لوگ ذلت کے گڑھے میں گرتے ہوئے اتنے نیچے گر گئے ہو کہ اب نیچے گرنے کی بھی کوئی جگہ باقی نہیں رہی۔ تمہاری ذلت اور پستی کی حد ہو گئی ہے۔ اور یہ ذلت و پستی اس وقت تک عروج میں تبدیل نہیں ہو سکتی جب تک کہ مقصد کی خاطر اور اللہ تعالیٰ کے لئے جان دینے کا اپنے اندر حوصلہ نہ پیدا کر لو۔ قوم نے کہا، نہیں پکڑ کر جیل میں بند کر دو! حضرت شموئیل علیہ السلام کو جیل میں بند کر دیا گیا۔ اللہ نے ان پر ایک ظالم بادشاہ (بخت نصر) کو مسلط کر دیا۔ اس نے آ کر بنی اسرائیل پر حملہ کر دیا۔ اور بہادر قتل اور مرد کیا، ایسا قتل و غارت کیا کہ بیت المقدس خون سے بھر گیا۔ اور ان کے پاس جو تبرکات تھے جنکو وہ تابوت سکینہ کہتے تھے وہ بھی لے گیا۔ اس تابوت کے اندر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عصا تھا، ان کا نعل تھا اور توریت کی وہ تختیاں تھیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر عطا فرمائی تھیں۔ اس تابوت کے متعلق ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ہمیں اب عمل کرنے کی تو کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اگر کوئی عذاب یا مصیبت آئی تو اس صندوق کو سر پر اٹھا کر لے جائیں گے اور اس کے ذریعے سے تبرک حاصل کر لیں گے۔

نزول قرآن کا مقصد ایک بات جو قابل یادداشت ہے وہ یہ کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب سے تبرک بھی حاصل کر سکتے ہیں، مگر قرآن کریم کی

آیت پڑھ کر کسی پر دم کیا جائے تو یہ کوئی شریعت کے خلاف نہیں ہے۔ اگر اسکا تعویذ لکھ کر کسی کے گلے میں ڈال دیا جائے تو یہ دین کے خلاف نہیں ہے مگر یہاں دوری سے بتانا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم اسی لئے نازل فرمایا ہے کہ اگر ہمارے گھر میں کوئی بیمار ہو جائے تو اس کے اوراق کی ہوا دیا کریں گے؟ اور اگر ضرورت پڑی تو تعویذ لکھ دیا کریں گے؟ دم کر دیا کریں گے؟ کیا قرآن کے نازل کرنے کا یہی مقصد ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔

جن بھوت گھر تک نہیں آئے گا

ہاں! اگر قوم یہ سمجھتی ہے کہ قرآن کریم پر عمل کرنا ہے، اور اس کے ذریعہ دنیا میں بھی کامیابی ہے، آخرت میں بھی نجات ہے، پھر عمل بھی کرتے ہیں تو اب اگر اوراق کی ہوا دیں، الحمد للہ باعث برکت ہے۔ تعویذ دیں باعث برکت ہے، پڑھ کر دم کریں باعث برکت ہے۔ لیکن اگر اس سے صرف تبرک کا کام لیا جائے تو یہ درست نہیں ہے۔ جیسا کہ ہمارے یہاں جب لڑکیوں کی شادی کرتے ہیں تو انکو قرآن شریف کا ایک نسخہ دیتے ہیں۔ میں نے ایک صاحب سے کہا، بھائی! لڑکی کو قرآن پڑھایا بھی تھا یا نہیں؟ انہوں نے کہا، جی! پڑھایا تو نہیں تھا لیکن اچھا ہے دے دیا، الماری میں رہے گا کوئی جن بھوت گھر تک نہیں آئے گا۔ کیا قرآن کو نازل کرنے کا یہی مقصد ہے؟

قوم بنی اسرائیل بخت نصر کے حملے کے بعد

تو بس غرض یہ کہ رہا تھا کہ بخت نصر تابوت سکینہ کو اٹھا کر لے گیا جس میں تبرکات تھے۔ اب اس قوم کے پاس نہ تو ریت ہے نہ عصائے موسیٰ ہے اور نہ مشعل ہے۔ فرمایا کہ

فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ

اس میں حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما الصلوٰۃ والسلام کے تبرکات تھے، وہ سب اٹھا کر لے گئے۔ اب اس قوم کو احساس ہوا اور حضرت شموئیل علیہ السلام کے پاس گئی

اور جاکر کہا کہ اب ہم توبہ کرتے ہیں اب ہمیں احساس ہو گیا۔ ہم نے یہ تعیین کر لیا کہ جب تک ہم باہر نہیں نکلیں گے اپنے اندر مجاہدانہ خصوصیات پیدا نہیں کریں گے اس وقت تک ہماری ذلت و رسوائی کے دن ختم نہیں ہوں گے۔ آپ نبی وقت پیغمبر ہیں، آپ اللہ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے کسی لیڈر اور بادشاہ کا انتظام کر دے۔ ہم اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر جہاد کریں گے۔ فرمایا کہ

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

حضرت شمویل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا

قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا

یعنی اس قوم کی تاریخ تو یہ بتاتی ہے کہ جب جب وقت آتا ہے یہ گھروں میں گھس کر بیٹھ گئی ہے اب ہم کیسے یقین کر لیں کہ یہ لوگ لڑیں گے۔

قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا

انہوں نے کہا آپ کی بات تو صحیح ہے لیکن اس سے زیادہ ذلت و رسوائی کا تو اب کوئی وقت نہیں آئے گا کہ ہم کو کان پکڑ کے ہمارے گھروں سے نکال دیا گیا۔ باپ کو بیٹے سے اور بیٹے کو باپ سے جدا کر دیا گیا۔ اب ایسا نہیں ہو سکتا۔ اب ہم ضرور بالضرور جہاد کریں گے ہمیں صرف ایک بادشاہ اور امیر چاہئے۔ حضرت شمویل نے اللہ سے یہ دعا کی کہ اے اللہ! اب یہ قوم شرمندہ ہے اور تیری راہ میں جہاد کرنا چاہتی ہے ان کے لئے ایک امیر اور بادشاہ مقرر فرما۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی۔ فرمایا کہ

إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا

حضرت شمویل نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت طالوت کو تمہارا لیڈر

مقرر کر دیا ہے بادشاہ مقرر کر دیا ہے۔

جہل کر دو جبلت نہ کر دو جب حضرت طالوت کو لیڈر مقرر کر دیا گیا تو یہ قوم پھر نافرمانی پر اتر آئی اور کہنے لگی کہ ہم نے یہ تو ضرور کہا تھا کہ ہم جہاد کے لئے تیار ہیں۔ لیکن بات یہ ہے کہ حضرت طالوت کو ہمارا لیڈر بنا دیا گیا ہے۔ یہ تو ہماری قوم کے آدمی نہیں ہیں۔

قَالُوْا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ

دو چیزیں بیان کیں طالوت کے بارے میں۔ ایک تو خاندانی طور پر ہمارا آدمی نہیں ہے اور دوسرے یہ کہ یہ غریب آدمی ہے اس کے پاس مال و دولت نہیں ہے ہم ایسے آدمی کی اطاعت نہیں کر سکتے۔ جو ہمارے خاندان کا بھی نہیں ہے اور غریب بھی ہے۔ حضرت شموئیل علیہ السلام نے فرمایا۔

قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَاۗءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ

شرائط حکمرانی اب وہ بات آ رہی ہے جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو دو جواب دیئے۔ ایک حکیمانہ اور دوسرا حاکمانہ۔ قرآن کا طرز اور اسلوب بیان حکیمانہ بھی ہے اور حاکمانہ بھی ہے۔ اللہ حکیم بھی اور احکم الحاکمین بھی ہے۔ حکیمانہ جواب یہ ہے کہ دیکھو میاں، جس بات میں تم اختلاف کر رہے ہیں وہ دراصل اختلاف کی بات ہے ہی نہیں۔ تم یہی تو کہہ رہے ہو کہ طالوت ہمارے خاندان کا شخص نہیں ہے اور یہ غریب ہے۔ تو یہ بتاؤ کہ جس کو بادشاہ مقرر کیا جائے کیا اس میں خاندان کا ہونا بھی ضروری ہے؟ کیا اس میں یہ صفت ہونا بھی ضروری ہے کہ وہ دولت مند ہو؟ نہیں، تمہارا یہ خیال غلط ہے، تم یہ اعتراض چھوڑ دو۔ اور یہ سمجھ لو کہ جس کو امیر مقرر کیا جاتا ہے اس میں

دو صلاحیتوں کا ہونا ضروری ہے۔ اور طالوت میں دونوں صلاحیتیں موجود ہیں فرمایا کہ

قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ

ایک تو یہ کہ وہ حکمرانی کا طریقہ معلوم ہے۔ وہ سیاست سے واقف ہے۔ اس کے پاس علم ہے۔ دوسرا یہ کہ قوم کے اندر اسکا وقار ہے۔ قوم اسکی عزت کرتی ہے۔ تو بادشاہ بنانے کیلئے یہ دو کوالیفکیشن (QUALIFICATION) کی ضرورت تھی یہ دونوں کوالیفکیشن اس کے اندر موجود ہے علم بھی اس کے پاس موجود ہے۔ قوم اس کی عزت بھی کرتی ہے اور قوم کے اندر اسکا وقار بھی ہے۔ لہٰذا یہی مناسب تھے اس لئے ہم نے انہیں کو مقرر کیا۔

خدا جسے چاہتا ہے حکمرانی سے نوازتا ہے یہ تو اللہ تعالیٰ نے پوری حکمت سے ان لوگوں کو سمجھایا۔ آگے حاکمانہ جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ

وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ

اللہ نے طالوت کو جو سلطنت دی ہے، کیا وہ تمہاری ملکیت ہے؟ کیا تمہاری جیب سے چھین کر دی ہے؟ اللہ کی حیثیت یہ ہے کہ وہ جسکو چاہتا ہے صاحب سلطنت بناتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے اقتدار دیتا ہے۔ تمہیں اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

طالوت بادشاہ مقرر ہو گئے۔ اب یہ قوم ان کے جھنڈے تلے جمع ہو کر کفار سے جہاد کرنے کے لئے روانہ ہوئی۔ لڑنے کیلئے جا رہی ہے جب کچھ آگے بڑھے تو طالوت نے کہا۔ آگے ایک نہر آرہی ہے یہاں تمہارے دو امتحان ہوں گے۔ فرمایا کہ

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ

وہ امتحان یہ ہوگا کہ ایک آزمائش ہوگی تمہاری نہر کے ذریعہ۔ تم تھکے ہوئے ہو

چنانچہ جب کھانے کا وقت ہوا تو وہ مولانا کے ساتھ کھانا کھانے کیلئے بیٹھے، مولانا نے زور سے اپنی ناک صاف کی۔ نواب صاحب نے تو زندگی میں کبھی یہ منظر نہیں دیکھا تھا فوراً لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہہ کر کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے، میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ مولانا اپنا سر جھکائے کھاتے رہے۔ کھانے سے فراغت کے بعد ساتھیوں سے کہا کہ دیکھو یہ نواب صاحب بھوکے ہیں، انہیں کھانا نہیں کھلانا، میرے ہی ساتھ کھائیں گے دوسرے وقت جب کھانے پر بیٹھے تو مولانا نے زور سے کھنکھار کر ادھر تھوک دیا۔ نواب صاحب پھر چونک کر کھڑے ہوگئے۔ کہنے لگے لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ یہ آپ کیا کرتے ہیں؟ مجھ سے تو کھایا نہیں جا رہا ہے۔ مولانا پھر سر جھکائے ہوئے کھاتے رہے۔ دو وقت کے بھوکے نواب صاحب تیسرے وقت جب کھانے پر بیٹھے تو مولانا نے پھر کھنکھارا۔ نواب صاحب فرمانے لگے۔ مولانا اب اگر آپ پاخانہ بھی کر دیں گے تو بھی میں کھانا کھائے بغیر نہیں اٹھوں گا۔ میں دو وقت کا بھوکا ہوں۔

عشق نہیں آساں مولانا نے کہا نواب صاحب۔ معاف کیجئے گا، میرا مقصد آپ کو پریشان کرنا نہیں تھا، مجھے تو صرف یہ بتانا تھا کہ آپ جہاد کرنے کے لئے آئے ہیں، پھولوں کی سیج پر لیٹنے نہیں آئے ہیں، جو اللہ کی راہ میں نکلتا ہے اسے نزاکتیں چھوڑنی پڑتی ہیں، آپ کی یہ نزاکتیں وہاں نہیں چل سکتی تھیں اس لئے میں نے آپ کے ساتھ ایسا معاملہ کیا۔ فرمایا کہ ؎

ناز پروردہ تنعم نبرد راہ بعشق
عاشقی شیوۂ رندانِ بلاکش باشد

جو مصیبتوں پہ صبر کرنا نہیں جانتا اسکو یہ لفظ زبان سے نکالنا نہیں چاہئے کہ میں عاشق ہوں۔ یہ عشق کی توہین ہے۔ فارسی کا ایک بڑا اچھا شعر ہے۔ فرمایا کہ ؎

دکان عاشقی را بسیار مایہ باید

دماغے ہمچوں آتش چشماں چوں ابر و بادے

عاشقی کی دوکان چھوٹی موٹی پونجی سے نہیں چلتی، اس کے لئے بڑے سرمایہ کی ضرورت ہے اور وہ آگ کی بھٹی کی طرح سلگتا ہوا دل اور برسات کے بادلوں کی طرح بھیگی ہوئی آنکھیں ہیں۔

صبر اور تقویٰ خصلت اول ہے میں عرض کر رہا تھا کہ قوم کی کامیابی اور کامرانی کی ضمانت دو جوہروں پر ہے۔ حضرت طالوتؑ نے فرمایا کہ آج تم نہر کے اوپر آتے ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ تمہیں پیاس لگی ہوئی ہے مگر ایک تو تمہیں یہ دکھانا ہے کہ ہم پانی پر صبر کر سکتے ہیں، دوسرے یہ دکھانا ہے کہ ہم خدا کے حکم کا احترام کرتے ہیں۔ اگر یہاں کامیاب ہو گئے تو یہ سمجھنا کہ ساری کامیابیاں تمہارے لئے ہیں۔

میرے دوستو: تاریخ کے اوراق ذرا الٹ کر دیکھئے۔ ہندوستان میں سینکڑوں سال ہماری حکومت رہی۔ مگر جب ہمارے اندر سے خدا کا خوف جاتا رہا اور اس کے احکامات سے ہم روگردانی کرنے لگے۔ بطن پرستی، شہوت رانی اور عیش کوشی ہمارا مقصد حیات بن گیا تو اللہ تعالیٰ نے ہم سے حکومت چھین کر ہمارے اوپر ظالموں کو مسلط کر دیا۔

رنگیلے شاہ کا رنگیلا دور رنگیلے شاہ کا دور ہے اور اس کے رنگیلا پن کی یہ حالت تھی کہ وہ چلہ میں جاتے تھے جیسا کہ عورتیں چلہ میں جاتی ہیں اور باقاعدہ یہ ڈرامہ ہوتا تھا کہ ان کو بچہ پیدا ہوتا تھا پھر وہ چلہ میں جاتے تھے، گانے بجانے والے، طبلے اور سارنگی کے ساتھ ان کے ارد گرد رہتے تھے۔ ایک دفعہ کسی نے آکر کہا کہ حضور والا! ملک پر حملہ ہونے والا ہے۔ تو انہوں نے اپنے گانے بجانے والوں سے پوچھا کہ بھائی، سنا ہے کہ ہمارے ملک پر حملہ ہونے والا ہے تو انہوں نے کہا کہ حضور! یہ سب جھوٹ بولتے ہیں، کوئی حملہ نہیں ہونے والا ہے۔ ویسے اگر حملہ ہو بھی گیا تو حضور! یہ طبلے اور تو سارنگی کا سینگڑ پنا

(MAGAZINE) کس دن کام آئے گا؟ اسی سے لڑتے لڑتے دشمنوں کو بھگا دیں گے۔

چنانچہ نادر شاہ نے افغانستان سے آکر حملہ کر دیا۔ دلی میں قتل عام ہو رہا ہے۔ لوگوں نے بادشاہ رنگیلے شاہ سے آکر کہا کہ حضور ملک تو ہاتھ سے گیا مگر اتنا کر قتل عام تو رکوا دیجئے۔ انہوں نے کہا اچھا! اب نادر شاہ سے ملنے کیلئے رنگیلے شاہ کی سواری جا رہی ہے لیکن کس طرح؟ پالکی سجائی جا رہی ہے۔ خس کے پردے ڈالے جا رہے ہیں۔ سڑکیں صاف ہو رہی ہیں اور دونوں طرف سقے چھڑکاؤ کر رہے ہیں۔ نادر شاہ یہ سب دیکھ کر حیران ہو رہا ہے کہ یا اللہ تیری بڑی شان ہے ہیجڑوں اور عورتوں کو بھی حکومت دیتا ہے۔ اور یہ لکھا ہے کہ جب وہ نادر شاہ کے پاس پہنچے تو دونوں آپس میں گلے ملے۔

فاتح اور مفتوح قوم کی غذا نادر شاہ نے تمام عمر عطر کی خوشبو نہیں سونگھی تھی اور رنگیلے شاہ نے کبھی پسینہ کی بدبو نہیں سونگھی تھی۔ چنانچہ وہ پسینے کی بو سے بے ہوش ہو گیا۔ نادر شاہ یہ تماشہ دیکھ رہا ہے۔ رنگیلے شاہ نے کہا حضور! آپ قلعہ کے اندر تشریف لائیے۔ نادر شاہ گئے، دیکھا کہ وہاں بڑے بڑے امراء دربار میں موجود ہیں۔ بہترین سے بہترین قسم کے کھانے کی ڈشیں رکھی ہوئی ہیں۔ ہر قسم کے الوان نعمت دسترخوان پر موجود ہیں اور نادر شاہ حیران بیٹھا ہوا یہ دیکھ رہا ہے کہ اے اللہ! تو ایسے عیش پرستوں کو بھی حکومت دیتا ہے۔ رنگیلے شاہ نے کہا حضور بسم اللہ فرمائیے۔ نادر شاہ نے اپنے ملازم کو آواز دی۔ اور مصافی! نان من بیار۔ میری روٹی بھی لیتے آؤ۔ لوگ حیران ہیں کہ یا اللہ! اتنے الوان نعمت دسترخوان پر رکھے ہوئے ہیں اور یہ نادر شاہ کیا کھاتا ہے جو اپنے ملازم کو لانے کے لئے کہا ہے؟ کیا مذاق ہے یہ؟ ملازم ایک تھیلی لیکر آیا۔ نادر شاہ نے اس کے اندر سے سوکھی ہوئی روٹیوں کے ٹکڑے سب کے سامنے نکالے اور نکال کر ایک جملہ کہا کہ اے لوگو جو دسترخوان پر بیٹھے ہوئے ہو۔ یہ غذا جو میں کھا رہا ہوں یہ فاتح قوم کی غذا

ہے اور جو خدا کو نہ کہا رب ہو وہ غلام قوم کی غذا ہے۔ میرے دوستو! اگر یہ دین مسلمان حاکموں کی ہوتی تو کبھی ہم سے ہندوستان کا اقتدار نہ چھنتا۔ علامہ اقبال نے صحیح کہا ہے فرمایا کہ۔

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

جب قوم برسر اقتدار آتی ہے تو وہ جنگجو ہوتی ہے اس کے ہاتھ میں نیزے اور تلواریں ہوتی ہیں، بندوقیں ہوتی ہیں اور جب قوم کے تنزل کا وقت آتا ہے تو پھر اس کے بغل میں طبلہ اور سارنگی نظر آتی ہے۔

بزدلی حکمرانوں کا لازمہ ہے۔ میرے دوستو! جب یہ قوم نہر پر پہنچی تو انہیں پانی پینے سے منع کیا گیا تھا، انہیں خدا کے حکم کا احترام کرنے کیلئے کہا گیا تھا لیکن کیا ہوا؟ قرآن کریم کی زبان سے سنئے، فرمایا کہ۔

فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ

لوگوں نے خوب چھک چھک کر پانی پیا۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ مخلص نہیں تھے۔ حضرت طالوت کے قیادت پر ہی اعتراض کر چکے تھے وہ صحیح تربیت یافتہ نہیں تھے۔ انہوں نے یہ ظاہر کر دیا کہ نہ ہم صبر کر کے دکھا سکتے ہیں، نہ خدا کے حکم کا احترام کر کے دکھا سکتے ہیں۔ لیکن اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی تھے جنہوں نے کہا نہیں، دم نکل جائے گا مگر ہم پانی نہیں پئیں گے ہم پانی پر صبر کر کے دکھائیں گے ہم خدا کے حکم کا احترام کر کے دکھائیں گے۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ وہ تھوڑے تھے۔

فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ

بات ہو گئی۔ اب یہ قوم آگے جاری ہے۔ فرمایا کہ۔ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ

وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ

میدان جنگ میں پہنچے۔ دشمنوں کو دیکھا ان کے لمبے لمبے قد کو دیکھ کر مرعوب ہوگئے۔ حضرت طالوت سے کہنے لگے: بڑا ہم تو جالوت سے، یاد آنے لگے ہمیں ہمارے گھر چاہیے۔ جالوت کی لشکر سے لڑنے کی تاب ہمارے اندر نہیں ہے۔ چنانچہ بھاگ گئے۔

ملک الموت کو مکان نمبر اور گلی کا پتہ معلوم ہے

جب یہ لوگ میدان چھوڑ کر بھاگ رہے تھے تو وہی چند آدمی جنھوں نے تھوڑا پانی پیا تھا انھوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: خبردار! ٹھہر جاؤ! بھاگنے والوں کو روکے؟ انھوں نے کہا کہ بھاگ جانے میں کوئی حکمت اور مصلحت ہے۔ ہم تو ابھی بھاگیں گے۔ یہ کیوں بھاگ رہے ہیں؟ یہ موت کے ڈر سے بھاگ رہے ہیں۔ تو کیا ملک الموت کو ان کے شہر کا، ان کی گلی کا اور مکان کے نمبر کا پتہ معلوم نہیں ہے؟ اگر کوئی آدمی یہ سوچتا ہے کہ اسے میدان میں موت آئے گی گھر پر موت نہیں آئے گی وہ کتنا بڑا بے وقوف ہے؟

میں نے آدھی گنوائی آپ نے پوری گنوا دی

ایک بہت بڑا حکیم تھا، وہ کشتی میں بیٹھ کر کہیں جا رہا تھا، اس نے ملاح سے پوچھا کہ میاں! تم نے کچھ حکمت پڑھی ہے؟ اس نے کہا: جی حضور میں نے تو حکمت نہیں پڑھی ہے۔ انھوں نے کہا: ارے بے وقوف! تو نے تو آدھی عمر اپنی ضائع کر دی۔ اس نے کہا: ہاں، کر دی ہوگی۔ آگے چل کر دریا کے اندر طغیانی آگئی۔ ملاح نے حکیم صاحب سے پوچھا کہ حکیم جی! تیرنا آتا ہے؟ انھوں نے کہا: مجھے تیرنا تو نہیں آتا۔ تو اس ملاح نے کہا: میں نے تو اپنی آدھی عمر گنوائی تم نے تو ساری عمر گنوا دی۔

ایک مولوی اور سائنسدان کا واقعہ

اسی طرح ہمارے بعض تعلیم یافتہ حضرات بھی علماء کو پریشان کیا کرتے ہیں۔ ایک بڑے سائنس دان تھے۔ انھوں نے ایک مولانا صاحب سے پوچھا کہ ذرا یہ تو بتائیے کہ آسمان پر کتنے ستارے ہیں؟ انھوں نے کہا: بھائی! ہمارے مولوی صاحب (استاذ) نے تو ہم کو یہ نہیں بتایا۔ انھوں نے کہا: آپ کیسے ہیں

توم ہیں؟ آپ کو یہ بھی نہیں معلوم ہے؟ مولانا نے کہا: بھائی! مجھے تو نہیں معلوم ہے۔ اچھا خود مہربانی کر کے آپ مجھے یہ بتا دیجئے کہ سمندر میں کتنی مچھلیاں ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ تو ہم کو بھی ہمارے پروفیسر نے نہیں بتایا ہے۔ مولانا نے کہا: ابھی تو فرشِ زمین کا بھی واسطہ آپ سے طے نہیں ہوا تو عرش کی باتیں آپ کہاں سے کرتے ہیں؟

آپ مجھ سے بھی زیادہ بے حیا ہیں

تو اس احمق نے کہا: جناب والا! میں نے تو آدھی عمر ضائع کر دی، آپ نے پوری عمر ختم کر دی۔ حکیم صاحب کہنے لگے کہ ارے ملاح! تجھ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ اس سے پہلے بھی کبھی ایسا کوئی حادثہ پیش آیا ہے؟ اس نے کہا: جی، روزانہ اسی قسم کے حادثے ہوتے رہتے ہیں: میرا باپ مرا، میرا چچا مرا اور میرا بھائی مرا، سب اسی حادثے میں مرے ہیں۔ حکیم صاحب کہنے لگے: پھر تو تو بڑا بے حیا ہے کہ تو نے اس پیشے کو نہیں چھوڑا۔ اس نے کہا: جی بالکل صحیح ہے۔ اچھا ذرا یہ بتایئے کہ آپ کے والد بزرگوار بقیدِ حیات ہیں؟ حکیم صاحب نے کہا: نہیں، ان کا انتقال ہو گیا۔ پوچھا: کہاں پر انتقال ہوا؟ کہنے لگے: اپنے مکان پر ہی چارپائی پر لیٹ کر مرے۔ کہا: ماشاء اللہ! آپ کے دادا؟ انہوں نے کہا: وہ بھی اسی مکان میں انتقال ہوئے۔ چچا؟ آپ کے فلاں؟ انہوں نے کہا: وہ بھی اسی مکان میں انتقال ہوئے۔ تو اس نے کہا: آپ مجھ سے بھی زیادہ بے حیا ہیں کہ ابھی تک آپ نے اس مکان کو نہیں چھوڑا ہے۔

دراصل ملاح یہ بتانا چاہتا تھا کہ حضرت والا! موت کا تعلق کشتی اور مکان سے نہیں ہے۔ موت کا تعلق وقت سے ہے۔ جب کسی کا وقت آجاتا ہے تو کشتی میں ہو تو وہیں بھی موت آتی ہے، گھر پر ہو تو وہاں بھی موت آتی ہے اور میدانِ جہاد میں ہو تو وہاں بھی موت آتی ہے۔

مددِ خداوندی حق پرستوں کے ساتھ ہے

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ سارے لوگ میدانِ جہاد چھوڑ کر بھاگ گئے۔ ایک چھوٹی سی جماعت رہ گئی، انہوں نے اپنے ساتھیوں

سے کہا بھاگنے والوں کو بھاگنے دو قرآن کا ساتھ مت دو فرمایا کہ۔

قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُو اللَّهِ كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً
بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ

اس چھوٹی سی جماعت کا جنہوں نے صرف صبر اور تقویٰ اختیار کر رکھا تھا جب جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ ہوا تو اس چھوٹی سی لشکر نے جالوت کے لشکر کو تباہ و برباد کر دیا۔ تعداد میں کم ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح و نصرت عطا فرمائی۔ لیکن کیوں؟ اس لئے کہ جس قوم کے اندر صبر اور تقویٰ موجود ہو وہ قوم اگرچہ تھوڑی ہو لیکن اللہ اس کو دنیا کے انسانوں پر غالب کر دیتا ہے۔

اقبال کی نظر میں قوم کو ڈبونے والے علامہ اقبال کا مشہور قول ہے ہمارے علماء حضرات ناراض نہ ہوں ہم بھی انہیں میں سے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ہماری قوم کو دو طبقوں نے خراب کیا ہے۔ ایک بزدل متقی۔ یعنی نماز، روزہ اور تہجد پڑھنے میں بہت آگے آگے۔ اور اگر پٹاخہ بھی چھوٹ جائے تو گھر میں گھس کر دروازہ بند کر لیتے ہیں۔ تو ایک بزدل متقی۔ اور دوسرا ہے بے دین بہادر۔ یعنی جان دینے کو تو ہر وقت تیار ہے لیکن اگر اس سے کہا جائے کہ خدا کا حکم مان تو اس کے لئے تیار نہیں۔ یاد رکھئے! وہ بہادری جو بے دینی کے ساتھ ہو اور وہ تقویٰ جو بزدلی کے ساتھ ہو یہ دونوں باتیں قوم کو کبھی پنپنے نہیں دیتیں۔ قوم اس وقت پنپتی ہے جب اس میں تقویٰ بھی ہو اور بہادری بھی ہو۔

صبر کی حقیقت صبر کے کیا معنی ہیں؟ معاف کیجئے، آج عام طور سے صبر کے معنی یہ سمجھے جاتے ہیں کہ کوئی تمہیں مارے اور تم پٹتے رہو مار کھاتے رہو تو کہو بھئی ہم کیا کریں ہمیں صبر کرنا ہے۔ یعنی مجبوری کا نام صبر ہے۔ یہ بڑا ذلیل معنی ہے اسلام کبھی آپ کو ایسے معنی کی تلقین نہیں کرتا۔ صبر کا بڑا اونچا مفہوم ہے۔ صبر کے معنی یہ ہیں کہ پہلا ایک نصب العین مقرر کرو اور جب یہ نصب العین مقرر ہو جائے تو چاہے کچھ ک

تکلیف ہو، چاہے بدن کی تکلیف ہو یا مال کی تکلیف ہو، ساری تکلیفیں ہنسی خوشی سے برداشت کرنا مگر اپنے نصب العین سے قدم پیچھے نہ ہٹانا۔ صبر کے معنی ہیں اس نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے بڑھتے چلے جاؤ تکلیفیں اٹھاتے چلے جاؤ۔ صبر کے معنی یہ نہیں ہیں کہ کوئی مارے تو پٹتے رہو اور یوں کہو کہ بھاگ کیا کریں۔ سلے اور بھی مارے۔ مجبوری کا نام صبر ہے۔ یہ معنی غلط ہے۔

کامیابی کی ضمانت اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ دونوں چیزیں [صبر اور تقویٰ] قوم کے عروج اور اس کی ترقی کی ضمانتیں ہیں۔ یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں۔ خود قرآن کریم کہتا ہے۔

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا

اگر تم صبر اور تقویٰ اختیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ضمانت دیتا ہے کہ اے مسلم قوم ہم تمہارے ذمہ دار ہیں دشمن تمہارا بال بھی بیکا (ٹیڑھا) نہیں کر سکے گا۔ دشمن کی چالیں تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکیں گی۔ تو صبر کے معنی یہ ہوئے کہ ہم مزا کتنی چھوڑ دیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ آرام نہ اٹھائیں۔ بلکہ آپ ضرور آرام اٹھائیں۔

حضرت تھانویؒ کی نکتہ سنجی حضرت مولانا تھانویؒ کے یہاں سبحان اللہ کیا طرز کی نصیحت ہوتی تھی؟ فرمایا کہ چار چیزیں ہیں۔ ایک ہے آسائش دوسری ہے زیبائش۔ تیسری ہے آرائش اور چوتھی ہے نمائش۔ ان چاروں میں سے دو کی اجازت ہے اور دو کی اجازت نہیں ہے۔ فرمایا کہ صرف دکھانے کیلئے نمائش اور دکھاوا اختیار کرنا، اس کی مسلمانوں کو اجازت نہیں ہے۔ آرائش کے معنی بھی یہی ہیں کہ آپ ایک قسم کی بناوٹی خوبصورتی پیدا کریں اس کی اجازت نہیں ہے۔ آسائش، جو آپ کے آرام اور راحت سے متعلق ہے۔ اور زیبائش جس سے لطافت اور پاکیزگی پیدا ہوتی ہے۔ کپڑے صاف ہوں مکان صاف ستھرا ہو، اس کے اندر کی ہر چیز صاف ستھری ہو، فرمایا کہ ان

دونوں کی اجازت ہے۔ آرائش و نمائش کی اجازت نہیں ہے۔

خلاصہ | تو صبر کی زندگی اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم قناعت اختیار کریں اور جب ہم یہ دو چیزیں اپنے اندر پیدا کر لیں گے، ایک تو جوہر صبر اور دوسری جوہر تقویٰ تو ان شاء اللہ ہم بھی عظمت رفتہ کو واپس لے آئیں گے۔

آخر میں ایک شعر پڑھ کر ختم کرتا ہوں۔ فرمایا کہ

دست قدرت ہے تو کس بل نہیں ہے کم ترا || جاگنے کی دیر ہے پھر ہے وہی دم خم ترا
ہے اگر جوہر نے زندگی خیمہ کا قائم ترا || پھر سے عالم میں لہرانے لگے پرچم ترا

اگر مسلم قوم یہ دو جوہر، خصوصیت اپنے اندر پیدا کرے تو مسلمانوں کی عظمت رفتہ واپس آ سکتی ہے۔ قرآن کریم کا یہ واقعہ ہم مسلمانوں کو یہی درس اور یہی سبق دیتا ہے۔ اور اسی میں کامیابی کا راز ہے۔ اسی میں متوں اور قوموں کے عروج کا راز ہے

اب میں آپ حضرات سے معذرت چاہتا ہوں۔ دعا کیجئے اللہ تعالیٰ ہم کو، آپ کو سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ دعا کیجئے کہ اے اللہ! یہ اجتماع، عظیم اجتماع ہے اس میں تیرے نیک اور مخلص بندے بھی ہوں گے ان کی بدولت اے اللہ! تو ہم سب کی دعاؤں کو قبول فرما۔ اے اللہ! ہمارے دلوں میں حضور کریم ﷺ کی محبت پیدا فرما۔ اے اللہ! تو اپنے دین کو زندہ اور قائم کرنے کی اور اس پر عمل کرنے کی ہمیں توفیق عطا فرما۔ تمام مشکلات اور پریشانیوں سے نجات عطا فرما۔ اسلام کا بول بالا ہو اور مسلم قوم کو عزت و سربلندی عطا فرما۔ اے اللہ! ہماری دعاؤں کو قبول فرما۔ آمین

اللھم

ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ

وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد

وآلہ واصحابہ اجمعین برحمتک

یا ارحم الراحمین

والحمد للہ رب العالمین

تحسین

اسلام نے جنگ کیلئے جو اصول و قوانین مرتب کئے ہیں ان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جنگ سے اسلام کا مقصد خون بہانا نہیں ہے۔ یا ملکوں کو فتح کرنا نہیں ہے۔ بلکہ جنگ و جہاد سے اسلام کا ایک اہم ترین مقصد اور مطمح نصب العین یہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ زمین پر امن و امان قائم کرکے اللہ کی مخلوق کو اللہ کے قوانین کے مطابق چلانا ہے۔ ظلم و جور کی بیخ کنی کرنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ کے موقع پر آپ ﷺ نے علی الاعلان یہ فرمایا کہ عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کرنا، بوڑھوں اور معذوروں کو قتل نہ کرنا دوسرے مذاہب کے راہب جو اپنی عبادت گاہوں میں بیٹھے عبادت کر رہے ہوں تو باوجود اس کے کہ وہ مخالف اسلام ہیں مگر ان کو بھی کچھ نہ کرنا۔ ہاں اگر انہوں نے صومعت خانوں میں اسلحہ وغیرہ چھپا رکھا ہے تو وہ راہب قابل گردن زدنی ہے اس لئے کہ وہ بھی لڑنے والوں میں شمار ہے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ فرمایا کہ کوئی شخص سایہ دار درختوں کو نہ کاٹے کوئی شخص کھڑی ہوئی زرخیز فصلوں کو تباہ نہ کرے اس لئے کہ ان سے انسانوں اور مویشیوں کا رزق وابستہ ہے۔ فرمایا کہ ان سب کی حفاظت کی جائے گی۔ اسی وجہ سے سبحان اللہ سرکار دو عالم ﷺ جس علاقے کی طرف قدم بڑھاتے تھے جس علاقے میں تشریف لے جاتے تھے تو وہاں کے لوگوں کو یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ جنگ کی آگ آرہی ہے بلکہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ اللہ کی رحمت آرہی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ
وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ
اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ
وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا
وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى
عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ
وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

بتائیں گذشتہ قوموں کے واقعات سنائیں اس سے ایک مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ جب نبی اور پیغمبر کی زبان سے عہد ماضی کے واقعات سنے جاتے ہیں تو دنیا یہ سمجھتی ہے کہ انہوں نے نہ تاریخ کی کوئی کتاب دیکھی ہے اور نہ کسی مؤرخ سے ان کی ملاقات ہوئی ہے پھر بھی یہ عہد ماضی کے واقعات بیان کر رہے ہیں تو یقیناً ان کو اللہ کی وحی کے ذریعہ یہ واقعات بتائے گئے ہیں، یہ اللہ کے نبی اور پیغمبر ہیں۔

فطرت انسانی اور دوسرا مقصد یہ ہوتا ہے کہ فطری طور پر انسان جب عہد ماضی کے واقعات سنتا ہے تو اس کے اندر موعظت، پند و نصیحت حاصل کرنے کا جذبہ بیدار ہوتا ہے اور وہ اس سے سبق حاصل کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں حضور اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے بھی اللہ تعالیٰ نے بہت سے نبیوں اور پیغمبر کی قوموں کے واقعات بیان فرمائے ہیں۔

اندازہ لگایئے کہ جب دوسری قوموں کے واقعات سے ہمیں اور آپ کو سبق مل سکتا ہے تو کیا حضور اکرم ﷺ کے واقعات اور ان میں سے بھی خاص کر وہ واقعات جو آپ ﷺ کے غزوات و جہاد سے متعلق ہیں سے سبق نہیں مل سکتا ہے؟ یقیناً مل سکتا ہے، اسی لئے جمعہ کے بیان میں اس سلسلہ کو شروع کیا گیا ہے۔

غزوہ احزاب، منظر اور پس منظر اور گذشتہ جمعہ میں نے غزوہ احزاب کے متعلق عرض کیا، احزاب کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے خلاف کافروں کی تمام جماعتوں نے آپس میں گٹھ جوڑ کر لیا تھا اور سب مل کر مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کیلئے آئے تھے، اس غزوہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو فتح عطا فرمائی اور قرآن کریم میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے ایسی ہوا بھیجی کہ کافروں کا سارا لشکر تہ و بالا ہو گیا۔ اسی طرح سے ہم نے اپنے لشکر کو بھیج کر بھی تمہاری مدد کی جن کو تم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھتے تھے۔ اللہ نے ملائکہ اور فرشتوں کو مسلمانوں کی مدد کیلئے بھیجا۔ یہ غزوہ احزاب تاریخ کے

اعتبار سے پانچ ہجری کے اندر پیش آیا۔

صلح حدیبیہ

۶ ہجری میں ہوا: اب چھٹی ہجری کا آغاز ہوتا ہے۔ اس سنہ میں صرف ایک ہی واقعہ پیش آیا جس کو صلح حدیبیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ آج مجھے اس کے بارے میں عرض کرنا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے کل زندگی میں تو کئی عمرے کئے لیکن جب مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے اور یہاں آکر تقریباً پانچ سال بیت چکے تھے تو یہاں کی صورت حال ایسی تھی کہ کفار قریش سے برابر مقابلہ ہو رہا ہے اس لئے مکہ جا کر عمرہ کرنے کی یا طواف کرنے کی کوئی شکل پیش نہ آئی۔

حضور ﷺ جامع الکمالات ہیں

۶ ہجری میں حضور اکرم ﷺ نے ایک خواب دیکھا۔ اور اس میں یہ دیکھا کہ بالکل امن و عافیت کا زمانہ ہے اور میں اپنے رفقاء اور ساتھیوں کے ساتھ امن و امان کی حالت میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہا ہوں۔ آپ ﷺ نے اپنا یہ خواب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بیان کیا۔ لیکن یہاں یہ بات یاد رکھیں کہ آپ نے یہ خواب صحابہ سے تعبیر لینے کیلئے نہیں بیان کیا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے علوم انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو الگ الگ عطا فرمائے ہیں وہ سارے علوم مجموعی طور پر حضور اکرم ﷺ کو بدرجہ کمال عطا فرمایا ہے۔ تعبیر خواب کا فن حضرت یوسف علیہ السلام کو بطور معجزہ کے دیا گیا تھا؟ یہ علم حضور اکرم ﷺ کو بھی اللہ تعالیٰ نے بدرجہ کمال عطا فرمایا۔ تو آپ ﷺ کا مقصد صحابہ سے تعبیر لینا نہیں تھا بلکہ واقعہ کا اظہار کرنا مقصود تھا کہ میں نے اس طریقے سے خواب میں دیکھا ہے۔

نبی کا خواب سچا ہوتا ہے

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا خواب ایسا ہوتا ہے جیسے کہ وحی۔ وہ وحی اس اعتبار سے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے خواب میں ایک فیصد بھی کسی غلطی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی، کذب کا کوئی احتمال نہیں ہوتا

کا خواب ہمیشہ سچا ہوتا ہے جیسا کہ دن کی روشنی ہوتی ہے۔ اور علماء نے تو یہاں تک لکھا
ہے کہ جس شخص کی زندگی حضورؐ کی زندگی سے قریب ہوگی اس مسلمان کا خواب اس
کے تقویٰ کی مناسبت سے اتنا ہی سچا ہوگا۔ اگر اسکی زندگی حضورؐ کی زندگی سے اس کا عمل
حضورؐ کے عمل سے زیادہ قریب ہے تو اس شخص کا خواب بالکل سچا ہوگا۔ اور اگر وہ تھوڑا
دور ہے تو اس کے خواب میں بھی تھوڑے سے کذب کا احتمال ہوگا۔ جو شخص اپنی زندگی
کو حضورؐ کی زندگی سے جتنا زیادہ قریب رکھے گا اس کا خواب اتنا ہی سچا ہوگا۔ اور محدثین
کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے خواب کے بارے میں لکھا ہے اور روایتوں میں بھی آتا
ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ کسی
روایت میں آتا ہے پچاسواں حصہ ہے۔ کسی روایت میں چھتیسواں کسی روایت
میں سترواں اور کسی روایت میں پچھترواں حصہ بھی آتا ہے۔

تطبیقِ حدیث اور وہ لوگ جو حضور اکرم ﷺ کے ارشادات کو سن کر نعوذ باللہ
پروپیگنڈہ (PROPOGANDA) کرتے ہیں کہ دیکھئے صاحب ان کے قول میں
سے یا تو پہلا قول سچا ہوگا یا دوسرا سچا ہوگا یا تیسرا سچا ہوگا سب تو سچے نہیں ہو سکتے
لیکن اس قسم کے تمام اقوال کو جمع کر کے علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث درست ہے۔ لیکن
انہیں سمجھ لینا چاہئے کہ حضور اکرم ﷺ سے جتنے اقوال بھی ثابت ہیں وہ سب صحیح
ہیں اور آپ ﷺ نے اسے جو الگ الگ بیان فرمایا ہے اس سے آپ کا مقصود
خواب دیکھنے والے کے تقویٰ کے درجے کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ فرمایا کہ اگر خواب
دیکھنے والا کم درجہ کا متقی ہے تو اس کا خواب اتنا ہی سچا ہوگا جیسے چھیالیس اور اگر
کسی کے تقویٰ کا درجہ اس سے اونچا اور بڑھا ہوا ہے تو اس کا خواب اتنا سچا ہوگا جیسے کہ
سو میں ستر۔ اور اگر تقویٰ کا درجہ اور بڑھا ہوا ہے تو اتنا سچا ہوگا جیسے کہ سو میں پچھتر۔
لیکن یہ دیکھئے کہ صالحین کا جو خواب ہے وہ اس بات کی ضمانت سمجھا ہے کہ وہ ہمیشہ

سچا اور صادق ہوتا ہے اور کبھی کبھی اس میں غلطی بھی ہوتی ہے۔ لیکن بالخصوص انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا خواب ہمیشہ اسی طرح سے سچا ہوتا ہے جیسے کہ وحی سچی ہوتی ہے۔ اس میں کذب کا کوئی احتمال نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں کبھی کوئی جھوٹ یا غلط بات نہیں ہوتی۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ جو حالت بیداری میں سب سے زیادہ سچا ہوگا سونے کی حالت میں اسکے خواب بھی سب سے زیادہ سچا ہوگا۔

صحابہ کرام حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ عمرہ کے لئے نکل پڑے

بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضور اکرم ﷺ نے خواب دیکھا کہ میں حالت امن وامان میں اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ کرنے کیلئے جا رہا ہوں۔ صحابہ کرام رضی اللہ علیہم اجمعین نے جب اس خواب کو سنا تو بے قرار ہوگئے اور کہنے لگے کہ یا رسول اللہ آپ عمرہ کا ارادہ فرمائیے: چنانچہ آپ ﷺ نے عمرہ کا ارادہ فرمالیا۔ اور جب آپ نے اس کا اعلان فرمایا تو تقریباً چودہ سو صحابہ تیار ہوگئے۔ سب مل کر عمرہ کی نیت سے مدینہ منورہ سے چلے۔ کسی کے پاس ہتھیار نہیں تھا۔ بلکہ آگے چل کر تمام صحابہ نے احرام باندھا اس لئے کہ خانہ کعبہ کے طواف کی نیت سے حدود حرم کے اندر داخل ہونے کا ارادہ تھا۔ لڑنے اور جہاد کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اس لئے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے احرام کی حالت خود یہ بتلا رہی تھی کہ ان کا مقصد لڑنا نہیں ہے کیونکہ حالت احرام میں بہت سی وہ باتیں جائز نہیں جو بغیر احرام کے جائز ہیں۔ احرام باندھنے کے بعد آدمی پر بہت سی پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں جن سے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ اس کا مقصد عبادت کرنا ہے۔ لڑنا اور جہاد کرنا نہیں ہے۔

چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے احرام بھی باندھا اور قربانی کا جانور جس کو ہدی کہا جاتا ہے ان کو بھی ساتھ لے لیا۔ چودہ سو کی یہ جماعت روانہ ہوئی۔

آگے جا کر حضور اکرم ﷺ کی اونٹنی جس کا نام قصویٰ تھا ایک مقام پر بیٹھ گئی اس کو ہر چند اٹھانے کی کوشش کی گئی مگر وہ اٹھی نہیں۔ بعض صحابہ نے کہا۔ یا رسول اللہ کیا بات ہے کہ آج آپ کی اونٹنی نافرمانی کر رہی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میری اونٹنی کی نہ یہ عادت ہے کہ وہ نافرمانی کرے اور نہ وہ نافرمانی کر رہی ہے بلکہ اس کو اس ذات نے روک دیا ہے جس نے ہاتھیوں کے لشکر کو روک دیا تھا۔ اس کو اللہ کی طرف سے یہ حکم ہوا ہے جس کی وجہ سے یہ آگے نہیں جاتی۔ اور آپ نے فرمایا کہ جب تک ہم سب مل کر یہ عہد نہیں کر لیں گے کہ ہم وہ تمام پابندیوں کو اختیار کریں گے جو اس مقدس سرزمین کے اندر داخل ہونے کے بعد کرنی چاہئے یعنی حرم محترم کا احترام۔ آپ کا مطلب یہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم براہ راست مکہ میں داخل ہو جائیں اور وہاں جا کر لڑائی ہو جائے جس کی وجہ سے حرم کا احترام باقی نہ رہے۔ فرمایا کہ جب تک ہم سب مل کر یہ تہیہ نہ کر لیں کہ ہم اس ارض مقدس اور حرم محترم کا احترام اور اس کی تکریم کو باقی رکھیں گے اس وقت تک یہ اونٹنی یہاں سے آگے نہیں بڑھے گی۔ اس لئے کہ جو علاقہ جتنا زیادہ محترم ہوتا ہے اس کیلئے اتنا ہی زیادہ ادب و تعظیم کی ضرورت ہوتی ہے۔

مثلاً یہ کہ ہو سکتا ہے کہ گلی کوچوں کے اندر آپ سے کوئی ایسی بات ہو جائے جو تقویٰ کے خلاف ہو لیکن یاد رکھئے کہ گلی کوچے اور بازار مقدس نہیں ہیں قابل احترام نہیں ہیں البتہ اگر وہی کوتاہی مسجد میں سرزد ہو جائے تو اللہ کی نظر میں زیادہ ناگواری کی بات ہے۔ اسی لئے حدیث میں آتا ہے کہ قبرستان کے اندر ہنسنا اور قہقہہ لگانا اللہ کی نظروں میں بہت زیادہ برا ہے۔

قہقہہ کی تحقیق اور اسکا حکم اندازہ لگائیے کہ قہقہہ جو زور سے منہ کھول کر ہنسنے کو کہتے ہیں اس کو اردو میں بھی قہقہہ ہی کہتے ہیں۔ اور غالباً ہنسنے کے تین درجے ہیں۔ ایک درجہ

وہ ہے کہ جس میں ہنسنے اور خوش ہونے کا اظہار صرف آپ کے چہرے سے ہوتا ہے۔ جسکو عربی میں تبسم اور اردو میں مسکراہٹ کہتے ہیں۔ اور دوسرا درجہ وہ ہے کہ جس کو ہنسنا کہتے ہیں۔ اس میں یہ ہوتا ہے کہ انسان کے دانت نظر آتے ہیں، منہ کھل جاتا ہے مگر اس میں ہنسنے کی آواز نہیں ہوتی۔ اس کو اردو میں ہنسنا اور عربی میں ضحک کہتے ہیں۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ انسان اس طریقہ پر ہنسے کہ اس کا منہ بھی کھل جائے، دانت بھی نظر آجائیں اور ساتھ ہنسنے کی آواز بھی پیدا ہو۔ اس کو عربی اور اردو دونوں زبانوں میں قہقہہ کہتے ہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے تمام عمر قہقہہ نہیں لگایا۔ معلوم ہوا کہ قہقہہ اسلام میں کوئی پسندیدہ فعل نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی اگر کسی نے قہقہہ لگایا تو اسلام کی نظر میں کوئی بڑا جرم اور عیب نہیں ہے مگر اللہ کے رسول نے فرمایا کہ اگر یہی قہقہہ کسی نے قبرستان کے اندر لگایا تو اللہ کی نظروں میں وہ سب سے زیادہ برا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ قبرستان کی فضا یہ ہے کہ وہاں کے قبروں کے نشانات کو دیکھ کر آنکھوں سے آنسو بہنا چاہئے۔ پھر بھی اگر کسی کو وہاں ہنسی آتی ہے تو تعجب کی بات ہے اور اسکا مطلب یہ ہے کہ اس کا دل انتہائی سخت ہو گیا ہے۔ اسی لئے میں نے عرض کیا کہ بعض اوقات کسی سرزمین اور کسی مقام اور جگہ کا تقاضہ ایسا ہوتا ہے کہ بعض باتیں دوسری جگہوں کی بہ نسبت وہاں زیادہ بری ہوتی ہیں۔ مثلاً اگر آپ اپنے گھر میں جھوٹ بولیں تو یہ بھی برا ہے لیکن وہی جھوٹ اگر خدا کے گھر میں بولیں تو اور زیادہ برا ہے۔ اسی طریقہ سے کسی کی غیبت کرنا، کسی سے لڑنا اور گالی گلوچ کرنا یہ باتیں ایسی ہیں کہ بازاروں کے اندر بھی اسلام نے کبھی ان کو پسند نہیں کیا لیکن اگر یہی باتیں کسی نے مسجد کے اندر کیا تو اس نے دوسرا گناہ کیا۔ ایک تو یہ کہ اس نے خود فعلِ گناہ کا ارتکاب کیا اور دوسرا گناہ یہ کہ اس نے مسجد کے احترام کو پامال کیا۔

آپ نے فرمایا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اچانک مکہ کے اندر داخل ہوں جس کی وجہ سے وہاں خون ریزی اور قتل و قتال کی نوبت آ جائے اور خدا کے گھر کا احترام باقی نہ رہے۔ اس لئے احتیاط کا تقاضہ یہی ہے کہ ہم یہیں پر ٹھہر جائیں اور کسی آدمی کو بھیج کر یہ معلوم کریں کہ مکہ والوں کے اندر ہماری طرف سے کوئی غلط فہمی وغیرہ تو نہیں ہے اور ساتھ ساتھ انکو ہمارے ارادہ کی بھی خبر ہو جائے گی۔ اور یہ اقدام آپ ﷺ نے صرف احتیاطاً کیا ورنہ موافق، مخالف ہر قبیلے کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ مکہ جائے اور جا کر خدا کے گھر کا طواف کرے واپس آ جائے، عمرہ کر کے چلے آئے مگر حضور اکرم ﷺ نے یہ احتیاط اس لئے فرمائی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ خدا کے مقدس گھر کا احترام فوت ہو جائے۔ اس لئے آپ ﷺ نے حدیبیہ میں ٹھہر کر مکہ کی حالات معلوم کرنے کیلئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ وہ وہاں گئے جہاں ان کے کچھ رشتہ دار اور قرابت دار بھی موجود تھے۔ اور کچھ ایسے بھی مسلمان تھے جو مکہ مکرمہ میں تھے وہ ہجرت نہیں کر سکے تھے یہ وہ مسلمان تھے جو بیچارے کمزور و بے سہارا تھے۔ ان کے ساتھ کوئی ایسی مجبوری تھی جس کی وجہ سے وہ مکہ چھوڑ کر نہیں جا سکتے تھے۔ فرمایا کہ۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ

یہ لوگ مستضعفین اور کمزور قسم کے لوگ ہیں۔

حضرت عثمان غنیؓ قاصد بن کر

حضور اکرم ﷺ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو یہ کہہ کر بھیجا کہ آپ وہاں جائیں اور جا کر کفار قریش سے بات کریں کہیں کہ ہم لوگ صرف عمرہ کرنے کیلئے آئے ہیں، عمرہ کر کے پھر واپس چلے جائیں گے۔ حضرت عثمان غنیؓ جب وہاں تشریف لے گئے تو کفار قریش نے ان سے کہا کہ ہم آپ کو تو اجازت دیتے ہیں کہ آپ بیت اللہ کا طواف کریں اور عمرہ کر کے چلے جائیں لیکن دوسروں کو ہم ابھی اجازت نہیں دے سکتے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا

نہیں، میں ایسا نہیں کر سکتا۔ میں حضور اکرم ﷺ اور آپ کے چودہ سو صحابہ کے ساتھ ہی عمرہ کروں گا۔ اور یاد رکھو! اگر تم نے ہمیں عمرہ کرنے سے روکنے کی کوشش کی تو وہ وقت بہت قریب آ رہا ہے کہ جب مکہ کے اوپر اسلام کا غلبہ ہو جائے گا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا۔ تو کفار قریش نے کہا کہ اچھا اگر آپ اتنی بڑھ چڑھ کر باتیں کرتے ہیں تو ہم تم کو واپس جانے ہی نہیں دیں گے چنانچہ انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو روک لیا۔ ادھر حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کی حالت یہ تھی کہ وہ برابر یہ کوشش کر رہے تھے کہ کسی کو بھیج کر مکہ کے حالات معلوم کئے جائیں اس لئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جیسی ذمہ دار شخصیت کو بھیجا گیا تھا۔ جب وہ واپس نہیں آئے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اندر ایک قسم کا جوش پھیل گیا، شاید ان کو یہ محسوس ہوا کہ کفار مکہ نے حضرت عثمان غنیؓ کو شہید کر دیا ہے۔

ایک تاریخی نکتہ یہاں ایک بات یہ بھی غور کرنے کی ہے کہ یہی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں کہ جب ان کے بارے میں افواہ کے طور پر ایک غلط بات مشہور ہو گئی کہ ان کو شہید کر دیا گیا ہے تو حضور اکرم ﷺ اور چودہ سو برگزیدہ اور منتخب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اتنے بے چین و بے قرار ہو گئے کہ سب نے لڑنے اور جہاد کرنے کیلئے تیاریاں کر لیں اور یہی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں کہ خود انہیں کے خلافت کے زمانے میں بعض لوگ نعوذ باللہ یہ دعویٰ کر کے کہ ہم نبی اور خانوادۂ نبی سے محبت کرنے والے ہیں حضرت عثمان غنیؓ کو اس بے دردی کے ساتھ شہید کر رہے ہیں کہ گویا ان کی شہادت سے حضور اکرم ﷺ خوش ہو جائیں گے۔ آپ کو کوئی تکلیف اور کوئی دکھ نہیں پہنچے گا۔ حالانکہ حدیبیہ کے اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر حضور اکرم ﷺ حضرت عثمان غنی کی شہادت کے موقعہ پر

باحیات ہوتے تو آپ اس رنج اور تکلیف کا ضرور اظہار فرماتے جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت سے آپ کو پہنچی ہوگی۔

حضرت عثمان غنیؓ کا مقام حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ذوالنورین ہیں۔ یکے بعد دیگرے حضور اکرم ﷺ کی دو صاحبزادیاں آپؓ کے نکاح میں آئیں اور جب دوسری صاحبزادی کا انتقال ہوگیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس کوئی تیسری بیٹی نہیں ہے اگر ہوتی تو اس کو بھی عثمان غنیؓ کے نکاح میں دے دیتا۔ اور فرمایا کہ عثمان غنیؓ کے اندر اتنی حیاء ہے کہ فرشتے اور ملائکۃ اللہ بھی ان سے حیاء کرتے ہیں۔

بیعت رضوان کیوں اور کیسے؟ بہرحال! حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ ان کو شہید کردیا گیا ہے۔ اب حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہ محسوس کرلیا کہ دراصل ہم لوگ تو لڑنے کیلئے نہیں آئے تھے لیکن شاید اس واقعہ کی وجہ سے اب لڑائی ہوجائے گی، چنانچہ آپ ﷺ نے تمام صحابہ کرام کو ایک درخت کے نیچے جمع کرکے سب سے جہاد پر بیعت لی۔ اس بیعت کو تاریخ اسلام کے اندر بیعت رضوان کہا گیا ہے۔ رضوان کے معنی ہیں اللہ کی خوشنودی، اور یہ بیعت آپ ﷺ نے اس طرح لی کہ ہر صحابی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر یہ عہد لیا کہ اگر اس وقت مشرکین مکہ سے لڑائی ہوگئی تو تم جہاد کیلئے تیار رہو اور اللہ کو حاضر و ناظر جان کر اللہ کی راہ میں جان دینے کیلئے وعدہ کرو۔ تمام کے تمام جو وہاں موجود تھے آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ پر بیعت لی اور سب نے اس بات پر بیعت کی اور وعدہ کیا کہ ہم اللہ کی راہ میں جان دینے کیلئے تیار ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کے اس بیعت لینے کے بعد ایسا معلوم ہونے لگا کہ وہی لوگ جو دراصل عبادت کے مقصد سے آئے تھے اب اتنا بڑا لشکر اور اتنی بڑی فولادی قوت

وہ شرف ہی تھے کہ دنیا کی کوئی طاقت بھی انہیں مسخر نہیں کر سکتی۔ فرمایا کہ

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرما دیا کہ اللہ ان سب مسلمانوں اور ایمان والوں سے راضی ہو گیا ہے جنہوں نے ایک درخت کے نیچے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اسی لئے اس بیعت کو بیعت رضوان کہتے ہیں۔ یعنی وہ بیعت کہ جس پر اللہ نے اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا ہے۔ اور حضور سرور عالم ﷺ نے بیعت کرنے والے مسلمانوں کو یہ بشارت دی کہ جتنے لوگوں نے سرکار دو عالم ﷺ کے ہاتھ پر اس درخت کے نیچے بیعت کی وہ سب کے سب جنتی ہیں۔ اللہ نے ان تمام کے اوپر دوزخ کو حرام کر دیا ہے

اب جب حضور اکرم ﷺ کے ہاتھ پر ان چودہ سو آدمیوں نے بیعت کی تو ایک بجلی سی گر گئی دشمن پر۔ جوش و خروش ہوا کہ سب نے مکہ کو فتح کرنا ہے اور یہ کہہ دیا کہ اب تو مقابلہ کریں گے۔ اور یہ مسلمان عثمان غنیؓ کی شہادت کی خبر سن کر بالکل دیوانے ہو گئے ہیں۔ جب انہوں نے یہ خبر سنی تو پریشان ہو گئے پھر آپس میں مشورہ کر کے فوراً حضرت عثمان غنیؓ کو ان کے پاس بھیج دو۔ جب حضرت عثمان غنیؓ وہاں سے واپس آئے جب تھے تو آتے ہی انہوں نے مسلمانوں کو یہ خوشخبری بھی سنا دی کہ تم لوگ خوش ہو جاؤ چند دنوں کے اندر مکہ کے اندر اسلام کا غلبہ ہونے والا ہے۔

کفار مکہ کی پریشانی و بے قراری

ادھر کفار مکہ نے جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا تو وہ خود آپس میں یہ مشورہ کرنے لگے کہ ہم میں سے بھی دو چار سردار جائیں اور جا کر مسلمانوں کے جوش و خروش کو ٹھنڈا کریں اور یہ کہیں کہ ہمارا مقصد آپ سے لڑنا نہیں ہے۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ آپ لوگ اپنے ملک واپس چلے جائیں اور یہ بات ہمیں پسند نہیں ہے۔ آپ شوق سے آئیے لیکن اطلاع کر کے آئیے۔ اعلان کر کے آئیے۔ لہٰذا اس مرتبہ آپ لوگ واپس چلے جائیں۔

اگلے سال آ کر ہم بڑی خوشی سے عمرہ کریں۔ چنانچہ ان میں کا ایک سردار آیا اور وہ آ کے
حضور اکرم ﷺ کے پاس پہنچ گیا۔ صحابہ کو یہ بات پسند نہیں آتی تھی وہ مصالحت کیلئے تیار
نہیں تھے اس وقت ان کے اندر جو جوش و خروش اور جو جذبہ پیدا ہو گیا تھا اس کی وجہ
سے ان کا جی یہ چاہتا تھا کہ حضور اکرم ﷺ ہمیں اجازت دے دیں کہ ہم ان کفار
کو چورا چورا کر دیں اور جا کر خانہ کعبہ کا طواف کریں۔ مگر حضور اکرم ﷺ نے ان سے
تو مصالحت کی گفتگو شروع کر دی۔

صلح حدیبیہ کے چند دفعات

اس گفتگو کے اندر کفار کی طرف سے سب سے
پہلی بات یہ آئی کہ اس مرتبہ آپ لوگ کسی طریقے سے عمرہ نہیں کر سکیں گے اس مرتبہ
آپ لوگ واپس چلے جائیں باقی آئندہ سال یا چھ مہینے کے بعد آپ آ جائیں آ کر اپنے
طے کر لیجئے لیکن اس مرتبہ آپ کو واپس جانا ہے یہ بنیادی شرط ہے جسے آپ کو ماننا
پڑے گا۔ اس کے بعد کی جو شرائط ہیں وہ ہم ابھی آپ کو لکھ کے دیتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ
نے اس کو مان لیا۔ فرمایا کہ ٹھیک بات ہے اس مرتبہ ہم واپس چلے جائیں گے اور باقی
جو شرائط ہیں وہ سب کی سب طے کر کے لکھی جائیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ جب وہ شرائط لکھی گئیں تو آپ ﷺ نے لکھوایا
من محمد رسول الله ﷺ تو اس کافر نے کہا کہ آپ نے جو رسول اللہ ﷺ
لکھوایا ہے اسے مٹا دیا جائے کیوں۔ اگر ہم آپ کو رسول اللہ مان لیتے تو پھر ہمارا اور
آپ کا کوئی جھگڑا ہی نہیں ہوتا سارا جھگڑا تو یہی ہے کہ آپ رسول اللہ ہیں یا نہیں لہٰذا
ایسا خط لکھا جائے جو دونوں فریق کیلئے قابل قبول ہو۔ حضور اکرم ﷺ نے لکھنے والے
صحابی سے کہا کہ کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر یہ کہتے ہیں تو لفظ رسول اللہ مٹا دو۔ صحابی نے
کہا یا رسول اللہ! کس کی مجال ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے اس لفظ کو مٹا دے۔ تو حضور اکرم
صلی اللہ نے فرمایا کہ مجھے بتاؤ یہاں یہ لفظ لکھا ہوا ہے۔ پھر آپ نے اس کو اپنے ہاتھ سے

ہے اور میری خواہش یہ ہے کہ آپ اسے قبول فرمالیں۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہ عائشہ صدیقہ بھی میرے ساتھ جائیں گی۔ انھوں نے کہا نہیں یا رسول اللہ ﷺ تو آپ نے فرمایا پھر تمہاری خوشی ہے۔ تیسری مرتبہ پھر آئے اور دعوت دی تو حضور نے بھی پھر اپنی شرط پیش کی۔ انھوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر عائشہ صدیقہ کو ساتھ لے کر ہی آپ کا دل خوش ہوتا ہے تو پھر ہماری خوشی بھی اسی میں ہے۔ ان کو بھی لے چلئے۔

یہاں یہ بھی عرض کر دوں کہ اس واقعہ سے کوئی صاحب یہ دلیل نہ نکالیں کہ شاید ام المومنین کیلئے پردہ کا حکم نہیں تھا۔ اس لئے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پردے کی حالت میں بھی جا سکتی ہیں۔ اور امہات المومنین کے پردہ کیلئے وہ واقعہ کافی ہے جو اس سے پہلے بھی میں نے آپ کے سامنے عرض کیا ہے کہ جب سرکار دو عالم ﷺ کا وصال ہوا اور ازواج مطہرات آپ کے جنازہ کے اردگرد بیٹھی ہوئی تھیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وہاں تشریف لائے ان کے آتے ہی سوائے حضرت عائشہ صدیقہ کے تمام ازواج مطہرات نے اپنا چہرہ ڈھک لیا۔

اندازہ لگایئے کہ وہ وقت بھی ایسا ہے کہ سب کے دل ٹوٹے ہوئے ہیں۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے ہیں جن سے زیادہ نبی کے بعد امت کے اندر کوئی برگزیدہ نہیں۔ پھر وہ ازواج مطہرات تھیں جو سب کی سب ہماری مائیں ہیں مگر اس کے باوجود سب نے چہرہ ڈھک لیا۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ صحابی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ کی خوشی اسی میں ہے تو ہماری خوشی بھی آپ ہی کی خوشی میں ہے۔ آپ حضرت عائشہ کو بھی لے چلئے۔ دراصل صحابی کا مقصد صرف یہ تھا۔ حضور اکرم ﷺ کی خواہش پر انکار کرنا نہیں تھا۔ صحابی کی شان یہ ہو ہی نہیں سکتی۔ بات اصل میں یہ تھی کہ وہ زمانہ غربت کا زمانہ تھا۔ انھوں نے حلوے کی اتنی تھوڑی سی مقدار تیار کی تھی کہ ایک آدمی کیلئے بھی وہ کافی

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ کیا کہ میں نے دو دفعہ مسلمانوں سے کہا کہ تم اپنے اپنے جانوروں کو ذبح کر دو لیکن کسی نے بھی اپنے جانور کو ذبح نہیں کیا۔ مجھے اس افسوس ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اس وقت مسلمان ذہنی دباؤ کے اندر ہیں۔ ان کے دلوں میں ابھی بھی یہ امید باقی ہے کہ کسی طرح ہم یہیں سے عمرہ ادا کر لیں گے اور آگے بڑھیں اور مکہ جا کر طواف کریں گے۔ اس لئے بہتر یہ ہے اس وقت آپ ان سے کچھ نہ کہیں اپنی زبان سے کوئی خطاب نہ فرمائیے بلکہ سب سے پہلے آپ خود خیمہ سے باہر جا کر اپنا جانور ذبح کر کے احرام کھول دیجئے تو آپ کو دیکھ کر سارے صحابہ بھی کریں گے۔ حضور اکرم ﷺ کو یہ رائے بڑی پسند آئی۔

بیوی سے مشورہ طلب کیا جا سکتا ہے

میں آخر ان لوگوں سے یہ کہتا ہوں جو یہ کہتے ہیں کہ صاحب! اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ عورتوں سے مشورہ کرنا ناجائز اور گناہ ہے۔ آپ اندازہ لگائیے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، حضور اکرم ﷺ کی زوجہ مطہرہ ہیں اور آپ ﷺ ان سے مشورہ فرما رہے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں سے مشورہ کرنے میں کوئی مضائقہ اور کوئی حرج نہیں ہے۔ دراصل بہت سی باتیں ایسی ہیں جو لوگوں نے گھروں میں اپنی برتری باقی رکھنے کیلئے گھڑ رکھی ہیں۔ انہیں میں سے یہ بھی ہے ورنہ یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ مرد اگر شوہر ہے تو ہمیشہ اس کی عقل بھی زیادہ ہو بعض اوقات عورتوں کی دماغ میں وہ بات آجاتی ہے جو مردوں کی دماغ میں نہیں آتی۔ اس لئے مشورہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا مشورہ فوراً قبول فرما لیا۔ باہر تشریف لائے اور جانور کو ذبح کر کے احرام کھول دیئے۔ پھر آپ ﷺ نے دیکھا کہ آپ کو دیکھتے ہی تمام صحابہ اپنے جانور کو ذبح کر کے احرام کھول دیئے۔ اس سے جو وہاں سے واپسی ہوئی سب واپس ہو رہے ہیں مگر دل پژمردہ ہے۔

سیدنا عمر فاروقؓ کا جوش ایمانی

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس موقع پر میں نے حضور اکرم ﷺ سے اتنی تیز گفتگو کی تھی کہ تمام عمر مجھے اس کا رنج رہا انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے یہ کہا تھا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے بتائیے کہ کیا آپ اللہ کے سچے رسول نہیں ہیں؟ کیا ہمارا دین اللہ کا سچا دین نہیں ہے؟ کیا اللہ کی نصرت و تائید کی مدد ہمارے ساتھ نہیں ہے؟ حضور ﷺ ہر سوال کا جواب اثبات میں دیتے رہے تھے پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جب آپ اللہ کے سچے رسول ہیں جب یہ دین اللہ کا سچا دین ہے اور جب اللہ کی نصرت اور اللہ کی مدد ہمارے ساتھ ہے تو پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس طرح دب کر صلح نامہ کیوں مرتب کیا جا رہا ہے؟ حضور اکرم ﷺ ناراض نہیں ہوئے بلکہ آپ نے ان کو تسلی دی۔ اس لئے کہ آپ یہ جانتے تھے کہ اس وقت جو صحابہ کے اندر اشتعال ہے یہ انہی جوش ایمانی اور جذبہ ایمانی ہی کی وجہ سے ہے۔

فتح مبین

حضور اکرم ﷺ صحابہ کو لے کر مدینہ منورہ روانہ ہو گئے راستے میں قرآن کریم کی یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ فرمایا کہ

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ﴿١﴾ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿٢﴾

ترجمہ: بیشک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما دے اور آپ پر اپنے احسانات کی تکمیل کر دے اور آپ کو سیدھے راستے پر لے چلے۔

حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تمہیں معلوم ہے اللہ تعالیٰ نے اس مصالحت کو فتح مبین قرار دیا ہے پھر تمام مسلمانوں کو بھی آپ نے یہ خوشخبری سنا دی کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری اس مصالحت کو فتح مبین بتایا ہے۔

محدثین نے اس پر بڑے بڑے مقالے اور بڑے بڑے مضامین لکھے ہیں کہ ایک ایسی مصالحت کو جو صورتاً شکست ہے اللہ نے فتح مبین کیسے کہا؟ میں ساری بحثیں تو نقل نہیں کرسکتا البتہ ایک بات نقل کردیتا ہوں فرمایا کہ اس مصالحت کی وجہ سے اسلام کی اشاعت کے تمام راستے کھل گئے جس کی وجہ سے اسلام کی فتح کا سامان ہوگیا۔ اسی مصالحت کے زمانہ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے۔ یہ وہی خالد بن ولیدؓ ہیں جو ایک دو دفعہ نہیں کئی مرتبہ مسلمان کے خلاف لشکر کشی کرکے مسلمانوں سے مقابلہ کیا ہے لیکن اسی زمانہ میں اللہ نے ان کو ہدایت عطا فرمائی۔ فرمایا کہ ع

پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانہ سے

جو لشکر اسلام سے مقابلہ کرنے کیلئے آتا تھا اب حضور اکرم ﷺ کے قدموں میں گر کر اسلام قبول کرلیتا ہے۔ اسی مصالحت اور سکون کے زمانہ میں لوگوں کو اسلام سے واقف ہونے کا موقعہ ملا۔ مکہ اور اطراف واکناف مکہ سے جو تجارتی قافلہ شام کی طرف جاتا تھا اور پھر وہاں سے واپس ہوتا تھا تو مدینہ میں ٹھہرتا تھا۔ اسلام سے واقفیت ہوتی تھی اور حضور اکرم ﷺ کے ہاتھ پر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوجاتا تھا۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ صلح حدیبیہ ۶ھ کا واقعہ ہے جس میں صرف چودہ سو صحابہ شریک تھے اور اس کے ڈیڑھ سال کے بعد ۸ھ میں حضور اکرم ﷺ نے دس ہزار مسلمانوں کو لیکر مکہ فتح کیا۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ممکن ہے کہ کسی کے دل میں یہ خیال ہو کہ یہ معاہدہ تو دس سال کا تھا اور ۶ھ سے ۸ھ تک تو دو سال ہی ہوتے ہیں پھر مسلمانوں نے مکہ پر کیسے چڑھائی کردی؟ بات دراصل یہ ہے کہ اس دس سالہ معاہدہ کو تو خود کفار مکہ نے مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف خفیہ ساز باز کرکے یکطرفہ طور پر توڑ دیا تھا جبکہ اسلام کی تاریخ آپ کو یہ سکھاتی ہے کہ اسلام نے چوروں کی طرح چھپ چھپ کر کبھی حملہ نہیں کیا، اس لئے کہ اگر لڑنا ہے تو مردوں کی طرح آمنے سامنے آکر لڑو۔ عورتوں

اور چوروں کا طریقہ اختیار نہ کرو۔ مگر کفار مکہ نے اسی طریقہ کو اختیار کر کے اس معاہدہ کو توڑ دیا۔ ادھر مسلمانوں کی تعداد بھی تقریباً دس ہزار ہو گئی تھی۔ چنانچہ سرکار دوعالم ﷺ نے یہ اعلان فرمادیا کہ چلو مکہ فتح کرنے کیلئے چلو۔ پھر تقریباً دس ہزار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آئے ہیں اور آکر انہوں نے مکہ کو فتح کیا ہے۔

اسلام آداب جنگ اس کا علمبردار ہے

دوستو یاد رکھئے! اسلام نے جنگ کیلئے جو اصول و قوانین مرتب کئے ہیں ان سے یہ پتا چلتا ہے کہ جنگ سے اسلام کا مقصد خون بہانا نہیں ہے، یا قوموں کو تباہ کرنا نہیں ہے۔ بلکہ جنگ و جہاد سے اسلام کا ایک اہم ترین مقصد اور عظیم نصب العین ہے۔ اور وہ روئے زمین پر امن و امان قائم کر کے اللہ کی مخلوق کو اس کے قوانین کے مطابق چلانا ہے۔ ظلم و جبر کی بیخ کنی کرنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ کے موقعہ پر آپ ﷺ نے علی الاعلان یہ فرمادیا کہ عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کرنا، بوڑھوں اور معذوروں کو قتل نہ کرنا۔ دوسرے مذہب کے راہبین جو اپنی عبادت گاہوں میں بیٹھے عبادت کر رہے ہوں تو باوجود اس کے کہ وہ مخالف اسلام ہیں مگر ان کو بھی کچھ نہ کرنا۔ ہاں اگر انہوں نے عبادت خانے میں اسلحہ وغیرہ چھپا رکھا ہے تو وہ واجب القتل گردن زدنی ہے۔ اس لئے کہ وہ بھی لڑنے والوں میں شمار ہے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ فرمایا کہ کوئی شخص سایہ دار درختوں کو نہ کاٹے۔ کوئی شخص کھڑی ہوئی اور تیار فصلوں کو تباہ نہ کرے اس لئے کہ اس سے انسانوں اور مویشیوں کا رزق وابستہ ہے۔ فرمایا کہ ان سب کی حفاظت کی جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ سبحان اللہ! سرکار دوعالم ﷺ جس علاقہ کی طرف قدم بڑھاتے تھے۔ جس علاقے میں تشریف لے جاتے تھے تو وہاں کے لوگوں کو یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ جنگ کی آفت آرہی ہے بلکہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ اللہ کی رحمت آرہی ہے۔

فتح مکہ اور کفار مکہ

چنانچہ جب مکہ فتح ہوا تو کفار مکہ اسی وجہ سے ڈرے اور

ہوئے تھے کہ ہم نے ہی ان مسلمانوں کو مکہ سے نکالا تھا۔ آج یہ لوگ ہم سے بدلہ لیں گے۔ ایک صحابی کو جوش آیا پھر وہ گلی کوچوں کے اندر گھوم گھوم کر یہ اعلان کرتے تھے۔

الیوم یوم الملحمة الیوم تستحل الحرمة

آج قوت وزور آزمائی کا دن ہے۔ آج کسی چیز کا لحاظ نہیں کیا جائے گا۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ یہ نہ سمجھنا کہ یہ مکہ کی سرزمین ہے جو قابل احترام ہے۔ آج سرزمین حرم میں بھی تمہاری گردنیں اڑائی جائیں گی۔ مکہ والے پہلے سے ڈرے ہوئے تھے یہ اعلان سن کر اور ڈر گئے۔ حضور اکرم ﷺ کو اس کی اطلاع مل گئی۔ آپ نے ان کو بلایا اور فرمایا: کہ تم سے کس نے کہا کہ یہ نعرہ لگاؤ؟ آپ نے ان سے جھنڈا لے لیا اور ایک دوسرے صحابی کے ہاتھ میں دے کر فرمایا کہ جاؤ اور جا کر یہ اعلان کرو

الیوم یوم المرحمة الیوم یوم المرحمة

یعنی آج قوت کے مظاہرہ کا دن نہیں ہے۔ آج خونریزی کا دن نہیں ہے۔ آج رحمت خداوندی کے ظہور کا دن ہے۔ آج مکہ والوں کو جنہوں نے مسلمانوں پر ظلم و تشدد کرکے ان کے وطن سے بے دخل کر دیا تھا یہ معلوم ہو جائے گا کہ اسلام ان سے کوئی انتقام لینا نہیں چاہتا۔ آج انہیں یہ معلوم ہو جائے گا کہ مسلمان خونریزی نہیں چاہتے وہ ظلم و تشدد کو روا نہیں رکھتے۔ غرضیکہ حضور اکرم ﷺ نے امن و امان بچانے کے جتنے طریقے ہو سکتے تھے سب کا اعلان فرما دیا۔

امن ہی امن: فرمایا کہ لڑنے والا جو کافر اپنی تلوار کو میان میں ڈال لے اسے مت قتل کرو۔ جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے بھی امن ہے۔ اس کو مت مارو۔ جو اپنے گھر میں داخل ہو کر کنڈی لگا لے اسے بھی قتل مت کرو۔ جو بیت اللہ کے اندر داخل ہو جائے اس کو بھی امن ہے۔ خلاصہ یہ کہ امن و امان کے جتنے طریقے ممکن ہو سکتے تھے سب کا اعلان فرما دیا۔

انسانیت اسلام کے سایہ میں

یہی وجہ ہے کہ مکہ کا فتح ہونا تھا کہ انسانوں کے دلوں میں اسلام کی ایسی محبت پیدا ہو گئی کہ معلوم ہوتا تھا کہ اسلام قبول کرنے کیلئے لوگ تیزی اور بیتابی سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ قرآن کریم نے اس کا ذکر اس طرح سے کیا ہے فرمایا۔

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ﴿١﴾ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ﴿٢﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ﴿٣﴾

لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ اب اہل عرب یہ سمجھ گئے تھے کہ خانہ کعبہ خدا کا گھر ہے اور اس گھر پر قبضہ انہی لوگوں کا ہو سکتا ہے جو اس کا رسول ہو۔ سرکار دو عالم ﷺ چونکہ اللہ کے نبی اور رسول ہیں اس لئے اس گھر کا قبضہ ان کو ملا ہے۔ اسی کے ذریعہ آپ ﷺ نے پورے عرب پر اسلام کی شوکت و عظمت کا جھنڈا گاڑ دیا۔

تو میرے دوستو! یہ واقعہ ہمیں اس بات کا سبق دیتا ہے کہ اگر آج بھی حالات کے اندر اگر ہمارا مقابلہ بھی دشمنوں سے ہو جائے تو ہم ہمیشہ حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے واقعات سے سبق حاصل کریں اور ان کے جذبات کو اپنے سامنے رکھیں۔ اس سے دو فائدے ہوں گے۔ ایک تو فائدہ یہ ہوگا کہ ہم خود اپنے اندر اور مسلمانوں کی زندگی میں وہی جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کریں گے جس کی وجہ سے اللہ کی نصرت اور اللہ کی مدد کھنچ کر آتی ہے۔ اور دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ ہمیں یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ جو قوم اللہ کی راہ میں نکلتی ہے تو چاہے اس کے پاس ظاہری ساز و سامان کم ہو مگر اللہ کی نصرت اور اللہ کی مدد ہمیشہ اس قوم کے ساتھ ہوتی ہے۔

دعا کیجئے کہ اللہ ہمیں اور آپ کو سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ

وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ

سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون

وسلام علی المرسلین

والحمد للہ رب العلمین

برحمتک یا ارحم الراحمین

جبر کے اقسام

برہمنیت اسلام میں بے شک نہیں ہے۔ لیکن میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر آپ ڈاکٹر سے علاج کرانے پر مجبور ہیں تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ڈاکٹروں کی کوئی نسل ہوگی؟ کیا ڈاکٹروں کی کوئی قوم ہوتی ہے۔ اگر مقدمہ کیلئے وکیل کی ضرورت پڑتی ہے تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ وکیلوں کی کوئی نسل ہوتی ہے؟ اگر مشین (MACHINE) لگانے کیلئے (ENGINEER) کی ضرورت پڑتی ہے تو کیا انجنیروں کی کوئی قوم، نسل ہے؟ اگر انجنیروں کی کوئی نسل نہیں ہے، اگر ڈاکٹروں کی کوئی نسل نہیں ہے، اگر وکیلوں کی کوئی نسل نہیں ہے تو معاف کیجئے گا مولویوں کی نسل کہاں سے آگئی؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صبر کے اقسام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ
وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا
وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ
وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ
وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ
وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا
وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ
وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

قال تعالیٰ فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ○
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

یٰٓاَیُّہَا الْمُزَّمِّلُ ۙ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۙ نِّصْفَہٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْہُ قَلِیْلًا ۙ اَوْ زِدْ عَلَیْہِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ؕ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ۔ اِنَّ نَاشِئَۃَ الَّیْلِ ہِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِیْلًا ؕ اِنَّ لَکَ فِی النَّہَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا ؕ وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا ؕ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ فَاتَّخِذْہُ وَکِیْلًا ۔ وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاہْجُرْہُمْ ہَجْرًا جَمِیْلًا ۔ وَذَرْنِیْ وَالْمُکَذِّبِیْنَ اُولِی النَّعْمَۃِ وَمَہِّلْہُمْ قَلِیْلًا ۔

صدق اللہ العلی العظیم ۔ سورۃ المزمل

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! گزشتہ جمعہ میں یہ عرض کیا تھا کہ چار باتیں ہیں جو انسان کے برتاؤ اور اس کے سلوک سے تعلق رکھتی ہیں ان میں سے پہلی بات صبر ہے۔ اور صبر کے معنی بھی میں نے عرض کیے تھا کہ وہ ایک مقام ہے کہ جس پر فائز ہونے کے بعد زندگی کے مختلف شعبوں میں اس جوہر کا ظہور ہوتا ہے اور مختلف جگہوں پر اس کے نام تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن پھر بھی اس کا جو عنوان صبر ہی ہوتا ہے

لفظِ صبر کا تنوع! یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں مختلف قسم کے اخلاق، مختلف قسم کے برتاؤ اور مختلف قسم کی عبادتوں پر لفظ صبر کا اطلاق کیا گیا ہے چنانچہ روزہ کو بھی صبر کہا ہے۔ اور وہ آیت کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے نیکیوں کی جڑیں اور نیکیوں کے اصول بیان کیے ہیں اور جو آیت بہت کھلی ہوئی ہے وہ مشہور آیت ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا ۖ وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿۱۷۷﴾

ترجمہ: (کچھ سارا کمال اسی میں نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کو کر لو یا مغرب کو۔ لیکن کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر یقین رکھے اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور تمام کتب (سماویہ) پر اور (تمام) پیغمبروں پر (بھی یقین رکھے) اور (وہ شخص) مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور گردن چھڑانے میں (بھی مال خرچ کرتا ہو) اور (وہ شخص) نماز کی پابندی کرتا ہو اور زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو اور جو اشخاص اپنے معہدوں کو پورا کرنے والے ہوں جب عہد کر لیں اور وہ لوگ مستقل مزاج رہنے والے ہوں تنگدستی میں اور بیماری میں اور قتال میں یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں اور یہی لوگ ہیں جو متقی ہیں)

اس آیت میں بھی صبر کو ابواب بر میں سے شمار کیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صبر کے مختلف شعبے ہیں اور زندگی کے مختلف میدان میں صبر کے مختلف نام ہیں اور فرمایا ہے والصابرین فی الباساء صبر کے تین الگ الگ اقسام ہیں۔ اگر کوئی شخص فقر وفاقہ اور تنگدستی کے اوپر صبر کرتا ہے تو اس صبر کا نام قناعت ہے۔ ایسے شخص کے متعلق لوگ کہتے ہیں کہ یہ بندہ بڑا قانع ہے۔ اللہ کی طرف سے جو حالات سامنے آگئے وہ اس پر قناعت کئے ہوئے ہے اس پر صابر ہے۔ والضراء اس کے معنی

یعنی بیماری اور مرض۔ اگر کسی چوٹ لگ گئی، کوئی بیماری آگئی تو اس پر بائے واویلا اور جزع وفزع نہیں کرنی چاہئے اس پر بھی صبر کرنا چاہئے۔

حضرت عمر فاروقؓ کا شدت بخار سے کراہنا حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بخار کی شدت اور تکلیف میں کراہ رہے تھے۔ کسی شخص نے آپ سے کہا کہ یا امیر المومنین! آپ امیر المومنین ہیں اور اس طریقے سے کراہ رہے ہیں؟ کیا آپ اللہ کی دی ہوئی بیماری کی شکایت کر رہے ہیں؟ آپ کراہ کر گویا دوسروں پر ظاہر کر رہے ہیں کہ خدا نے مجھے تکلیف و پریشانی میں مبتلا کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں، میں اللہ کی دی ہوئی بیماری کی شکایت نہیں کر رہا ہوں بلکہ میں اپنی عاجزی کا اظہار کر رہا ہوں کہ اے اللہ! یہ بیماری کی نعمت جو تو نے مجھے عطا فرمائی ہے میرے اندر اس نعمت کے برداشت کی قوت نہیں ہے اس لئے اس کو دوسری نعمت سے تبدیل کر دے۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صرف اپنی ناتوانی اور عاجزی کا اظہار کیا، اللہ کی شکایت نہیں کی۔ تو اگر کوئی شخص بیماری پر صبر کرتا ہے اسی کے متعلق فرمایا کہ والضراء اور بیماری کے اندر صبر کرنے والے۔ یہ دوسری قسم کا صبر ہے۔ آگے فرمایا وحین البأس۔ بأس سے مراد سخت خوف وہراس اور تکلیف کے وہ حالات ہیں جو میدان جہاد اور میدان جنگ میں پیش آتے ہیں۔ فرمایا کہ ان حالات کے اوپر صبر کرنا یہ بھی صبر ہے، اور یہ تیسری قسم کا صبر ہے۔

صبر کی حقیقت! تو تنگدستی میں صبر کرنا بھی صبر ہے، بیماری میں صبر کرنا بھی صبر ہے اور میدان جہاد کی تکلیفوں پر صبر کرنا بھی صبر ہے لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ وہ جوہر ہے کہ زندگی کے مختلف شعبوں میں اس کے مختلف نام ہوتے ہیں، اگر میدان جہاد میں یہ جوہر ظاہر ہوتا ہے تو اس کا نام

شجاعت ہے۔ اگر غربت وتنگدستی میں کوئی صبر کرتا ہے تو اسی کا نام قناعت ہے اور اگر بیماری کی حالت میں اس جو صبر کا ظہور ہوتا ہے تو اسی کا نام تحمل وبرداشت اور رضا بالقضاء ہے۔

اب رہ گئی یہ بات کہ کس چیز پر آپ ﷺ کو صبر کرنے کا حکم دیا جارہا ہے؟ مَايَقُوْلُوْنَ اور عَلٰى مَايَقُوْلُوْنَ پر۔ یعنی آپ ان باتوں پر صبر کریں جو دشمن اور کفار آپ کے بارے میں کہتے ہیں فرمایا کہ۔ وَاصْبِرْ عَلٰى مَايَقُوْلُوْنَ کفار کیا کہتے تھے؟ آج اس مجلس میں اسی کی تفصیل عرض کرنی ہے۔

سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہیے کہ اس دنیا کے اندر اللہ کی عادت اور یہ اصول ہے کہ جب کوئی حق کی آواز بلند کرتا ہے، جب کوئی حق کا نعرہ لگاتا ہے تو چاروں طرف سے اس کی مخالفت ہونے لگتی ہے۔ یہ حق کی ایسی خاصیت ہے جو کبھی نہیں بدلتی۔ اگر نبی کی طرف سے یہ آواز بلند کی جاتی ہے تب بھی مخالفت ہوتی ہے اور اگر نبی کے غلام اور خادم کی طرف سے یہ آواز بلند کی جاتی ہے تب بھی مخالفت ہوتی ہے

پہلی وحی اور حضور اکرم ﷺ کی کیفیت

یہی وجہ ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ کے اوپر جب سب سے پہلی وحی اتری تو آپؐ مکان پر تشریف لائے اور آکر حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پاس سارا واقعہ نقل کیا۔ وہ آپؐ کو اپنے چچازاد بھائی (ورقہ بن نوفل) کے پاس لے گئیں جو قدیم مذاہب سے واقفیت رکھتے تھے جب سرکار دوعالم ﷺ نے ان کے پاس جاکر ساری کیفیت نقل کی تو وہ سن کر فرمانے لگے کہ وہ شخص جس نے آپ کو پڑھنے کیلئے کہا تھا وہ ناموس اور خدا کے بھیجے ہوئے فرشتہ حضرت جبرئیل تھے۔ اور مجھے یقین ہے کہ اللہ آپ کو نبوت عطا فرمائیں گے۔ کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو مکہ سے نکالے گی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا ایسا بھی ہونے والا ہے؟ فرمایا کہ ہمیشہ سے یہ اصول چلا آرہا ہے

کہ جب کسی نے حق کی آواز بلند کی ہے تو وہاں کے گردو پیش اور آسمان و زمین ان سے خفا ہوگئے ہیں اور ان کی مخالفت کرنے ہیں، جس کی وجہ سے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنے مقام اور اپنے علاقے سے ہجرت کرنی پڑی ہے۔ فرمایا کہ

ہے ترک وطن سنت محبوب الٰہی

حضرت ابراہیم ﷺ کو بھی ترک وطن کرنا پڑا چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے بھی ہجرت کی، اور آپ کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اپنا وطن چھوڑنا پڑا، جب ان کے والد نے یہ کہا:

لَئِن لَّمْ تَنتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ ۖ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا

یہ گھر کی مخالفت ہے، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد نے ان سے یہ کہا کہ اے ابراہیم! اگر تم ان باتوں سے باز نہ آئے تو یاد رکھو، پتھروں سے مار مار کر تمہیں ہلاک کردوں گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ ۖ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي ۖ إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا

اچھا! اب میں جاتا ہوں، میں آپ کیلئے ہدایت اور مغفرت کی دعا کروں گا۔ لیکن اب میں جاتا ہوں، اب اس گھر سے میرا کوئی تعلق نہیں رہا، میں تو یہ چاہتا تھا کہ اس گھر میں خدا کی توحید پہنچاؤں لیکن اب معلوم ہوا کہ یہاں قبول کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام گھر چھوڑ کر چلے گئے اور جا کر قوم کو متوجہ کیا پھر جب قوم نے بدسلوکی کی، ورسک میں پڑا، تو اپنے وطن عراق کو چھوڑ کر شام و فلسطین کے علاقے میں چلے گئے۔

حق کی مخالفت ضرور کی جائیگی تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حق کی خاصیت یہ ہے کہ جب بھی کسی نے حق کی آواز بلند کی ہے اسے مخالفت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ چنانچہ جب حضور اکرم ﷺ نے دنیا کو حق کا پیغام سنایا تو آپ کی بھی مخالفت کی گئی، یہاں

یہ خیال نہیں کیجئے گا کہ حضور اکرم ﷺ تو تمام پیغمبروں میں سب سے افضل ہیں، اللہ کے حبیب ہیں تو کیا آپ کی بھی مخالفت کی گئی؟ کیا آپ کو بھی اسی منزل سے گذرنا پڑا؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاء یہ خیال اس لئے نہیں آنا چاہئے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے درخواست کی کہ اے میرے پروردگار! اے میرے اللہ! میں تجھ سے یہ دعا مانگتا ہوں کہ تو مخلوق کی زبانوں کو اس طریقہ سے بند کردے اور ان کی زبانوں پر اس طرح سے تالا لگادے کہ وہ ہماری مخالفت میں باتیں نہ کرسکیں۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے ہمارے نبی اور پیغمبر! اگر میں یہ کرنا چاہتا تو پہلے اپنے لئے کرتا لیکن جب میں نے خود اپنے لئے نہیں کیا تو پھر کسی دوسرے کیلئے اس طرح کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ خلق خدا کی زبان صرف نبی کی مخالفت تک محدود نہیں ہے بلکہ وہ خدا کی مخالفت میں بھی باتیں کرتے ہیں۔ اور جب لوگ خدا کی مخالفت میں باتیں کرتے ہیں پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان کی زبانوں پر مہر نہیں لگائی، تالا نہیں لگایا تو پھر کسی دوسرے کیلئے تالا لگانے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟

انسان جیسا گمان کرتا ہے ویسا ہی قدرتی انتظام ہوجاتا ہے حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص نے خدا سے ناراض ہوکر آسمان کی طرف تیر کمان لے کے خدا کو مارنے کی کوشش کی۔ جب اس کا چھوڑا ہوا تیر واپس آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو سرخ رنگ کرکے بھیجا تاکہ اسے یقین ہوجائے کہ جس کو میں مارنا چاہتا تھا اس کو تیر لگ گیا اور وہ مرگیا۔

عربی کا ایک شاعر کہتا ہے۔ فرمایا کہ "

قیل ان الالٰہ ذوولد	قیل ان الرسول قدکھن
ما نجی اللّٰہ والرسول معا	من لسان الوری فکیف انا

فرمایا کہ لوگوں نے اللہ پر یہ الزام لگا دیا کہ اللہ صاحب اولاد ہے۔ اس کے بیوی اور بچے ہیں۔ نبی پر بھی الزام لگا دیا کہ وہ نعوذ باللہ کاہن اور جادوگر ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ جب خلق خدا نے اللہ کو نہیں چھوڑا، نبی کے رسول کو نہیں چھوڑا تو تجھے کیسے چھوڑ سکتے ہیں؟ تو کیسے بچنے کی کوشش کرتا ہے؟

جسکا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو بھی اس منزل سے اس لئے گذرنا پڑا کہ حق کی خاصیت یہی ہے۔ اور بعض لوگوں نے تو یہ اصول بنالیا ہے کہ جب وہ یہ دیکھتے ہیں کہ کسی کی حق بات پر ان کی مخالفت نہیں ہو رہی ہے تو انہیں شبہ ہو جاتا ہے کہ آیا یہ حق ہے بھی یا نہیں؟ آج دنیا میں حق اس طریقہ سے پہچانا جاتا ہے کہ جس کی مخالفت ہوتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ اس کی آواز حق ہے اور جس کی کوئی مخالفت نہیں ہوتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ شاید یہ حق پر نہیں ہے۔

دین جمہوریت نہیں ہے کہ فیصلہ اکثریت پر ہو۔ یہ بات میں نے اس لئے عرض کی کہ آجکل اہل باطل کہا کرتے ہیں کہ ہمارے ساتھ کتنے آدمی ہیں؟ اگر ہم حق پر نہیں ہوتے تو اتنی بڑی فوج ہمارے ساتھ نہیں ہوتی۔ اگر یہی آپ کی دلیل ہے تو یہ بتائیے کہ دنیا میں ابلیس و شیطان کے ساتھ کتنے لوگ ہیں؟ اگر آپ اندازہ لگائیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ سو میں سے صرف دس آدمی خدا کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے والے ہیں اور نوے آدمی ابلیس و شیطان کے ساتھی ہیں۔ تو کیا اس کے ساتھ اتنی بڑی فوج اور اتنی بڑی اکثریت ہونے کی وجہ سے ابلیس حق پر ہو جائے گا؟ یاد رکھئے! اہل حق کی تعداد ہمیشہ قلیل رہی ہے! اہل باطل ہمیشہ کثیر تعداد میں رہے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ حق کا وزن اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ وہ سارے کے سارے باطل کے اوپر چھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے اندر مسلمانوں کی تعداد مخالفین اسلام کے مقابلہ میں ہمیشہ تھوڑی رہی ہے۔ اگر آپ یہود و نصاریٰ، آتش پرست اور بت پرست، بدھسٹ

اور مشرکین اور دنیا کی وہ آبادی جو کسی مذہب و ملت کو نہیں مانتی (BUDDIST) ہے جیسا کہ آفریقہ کے اندر ایسے بہت سے علاقے ہیں کہ جن میں ایسے لوگ موجود ہیں جو کسی مذہب کو نہیں مانتے۔ اگر آپ تمام قوموں کی کل آبادی کو شمار کریں پھر یہ دیکھیں کہ ان میں مسلمان کتنے ہیں تو آپ پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ ان میں اسلام کے ماننے والوں کی تعداد بہت کم ہے اور اس کے مخالفین کی تعداد ان کی تعداد سے چار گنا زیادہ ہے۔ معلوم ہوا کہ کثرت تعداد حق پر ہونے کی علامت نہیں ہے، یہ کوئی معیار حق نہیں ہے، اکبر الہ آبادی مرحوم کا شعر یاد آ گیا۔ بڑا اچھا شعر ہے۔ فرمایا کہ:

ساری دنیا آپ کی حامی سہی　　ہر قدم پر مجھ کو ناکامی سہی
نیک نام اسلام میں رکھے خدا　　کفر کے حلقے میں بدنامی سہی

آپ نے دیکھا؛ کثرت تعداد کوئی معیار نہیں ہے، حق والوں کی تعداد ہمیشہ کم رہی ہے البتہ وزن کے اعتبار سے وہ اہل باطل پر چھا جاتے ہیں میں یہ عرض کر رہا تھا کہ بعض لوگوں نے یہ معیار بنا لیا ہے کہ اگر کسی کی مخالفت ہوتی ہے تو سمجھتے ہیں کہ یہ حق پر ہے اور اگر مخالفت نہیں ہوتی ہے تو سمجھتے ہیں کہ یہ حق پر نہیں ہے لیکن یاد رکھئے: یہ اسلام کا کوئی اصول نہیں ہے لہٰذا میں آپ لوگوں سے یہ نہیں کہتا کہ آپ بھی یہ اصول بنالیں۔ یہ ایک کیفیت اور حالت کا نتیجہ ہوتا ہے جو بعضوں کے اندر پیدا ہو جاتی ہے، اگرچہ وہ کیفیت اخلاص کے ساتھ ہی پیدا ہوتی ہے لیکن اسے اسلام کا اصول قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اختلاف امت، حقیقت کیا ہے؟ حضرت سلطان الاولیاء نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ مجھے یاد آ گیا یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب وہ فقہ پڑھنے گئے تھے۔ اور فقہ کے اندر ایک مسئلہ ایسا ہے جو سب سے بڑا نزاعی اور اختلافی مسئلہ ہے۔ اگرچہ آجکل تو چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی نزاع کی حد تک اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں مثلاً آمین زور

سے کہی جائے یا آہستہ کہی جائے؟ ہم اور آپ اس مسئلہ میں اس قدر اختلافات کا شکار ہوگئے ہیں کہ لڑائی جھگڑا تک نوبت پہنچ گئی۔ حالانکہ اس مسئلہ میں ائمہ کے درمیان جو اختلاف ہے وہ کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اگر آپ اس کی تحقیق کریں گے کہ اس مسئلہ میں ائمہ کے درمیان کتنا اختلاف ہے تو آپ کو یہ کہنا پڑے گا کہ ؎

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا　　　جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہ کہتے ہیں کہ آمین آہستہ سے کہنا بہتر ہے لیکن اگر کسی نے بلند آواز سے کہدیا تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آمین زور سے کہنا بہتر ہے لیکن اگر کسی نے آہستہ سے کہدیا تو کوئی حرج نہیں ہے۔ ان دونوں اماموں کے اقوال میں کوئی خاص فرق نہیں ہے صرف اتنا فرق ہے کہ ایک آہستہ سے کہنے کو افضل کہتے ہیں دوسرے زور سے کہنے کو افضل قرار دیتے ہیں۔

اب آپ ایمانداری سے بتایئے کہ کیا یہ آپس میں سر پھٹول کی چیز ہے؟ کیا یہ اس طرح سے لڑنے کی چیز ہے کہ جس کا مقدمہ عدالت تک پہنچ جائے۔ اس زمانے میں تو خیر ہر قسم کے مقدمے عدالتوں میں لے جائے جاتے ہیں۔

انگریزی عدالت میں آمین بالجہر کا مقدمہ انگریزوں کے زمانے میں بھی ایسے مقدمے عدالتوں میں لے جائے جاتے تھے اور وہ بیچارے حیران ہو جاتے تھے کہ قصہ کیا ہے۔ ایک مرتبہ اس قسم کا مقدمہ ان کی عدالت میں پہنچا۔ کسی مسجد کے اندر نماز ہو رہی تھی جب امام نے ولا الضالین کہا تو ایک صاحب نے بازو والے کے کان کی طرف منہ کر کے بڑے زور سے آمین کہی۔ پاس والے کو غصہ آگیا۔ اس نے یہ بھی نہیں سوچا کہ میں نماز میں ہوں اور خدا کے سامنے کھڑا ہوں، اس نے نیت توڑ دی اور لڑنا شروع کردیا۔ ایک ہنگامہ برپا ہوگیا اس لئے کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ خدا کا گھر ہے،

جہاں آزادی کے ساتھ لڑ سکتے ہیں یہاں پولیس نہیں ہے سختی۔ اگر باہر لڑیں گے تو پولیس والا آکر پکڑے گا۔ کسی کے گھر میں لڑیں گے تو وہ ٹیلیفون (TELEPHONE) کر کے پولیس کو بلوالے گا لہٰذا مسجد میں لڑو کہ یہی لڑنے کی جگہ ہے۔ بہرحال! لڑتے لڑتے یہ مقدمہ عدالت میں گیا۔ اس عدالت کا جج انگریز تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ مذہبی معاملہ کی بنیاد پر یہ جھگڑا ہوا ہے تو اس نے کہا کہ بھائی! بلاؤ کسی مذہبی رہنما کو۔ انگریزوں کے اندر جہاں بہت سی خرابیاں تھیں وہیں ان میں بعض اچھائیاں بھی تھیں۔

عیب جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو

اور یہ اچھائی ایک معقول قسم کی اچھائی ہے جو ہر ایک کے اندر ہونی چاہئے۔ اور وہ یہ کہ جو جس کا فن ہے اس میں کسی دوسرے کو دخل نہیں دینا چاہئے۔ وہ یہ سمجھتے کہ یہ مذہب کا معاملہ ہے۔ اس کا تعلق مذہب کی کتاب سے ہے۔ اس کا تعلق علماء مذہب سے ہے۔

اور آجکل معاف کیجئے گا۔ ہمارا قصہ یہ ہے کہ جس نے فارسی پڑھی وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ دنیا کے سارے علوم اسے حاصل ہیں۔ آج ہر شخص خواہ وہ عدالت کی کرسی پر بیٹھے۔ حاکم کی کرسی پر بیٹھے یا کسی کرسی پر بیٹھے یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے یہ حق ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر کروں۔ مجھے یہ حق ہے کہ مسائل شرعیہ بیان کروں حالانکہ وہ الف کے نام تک سے واقف نہیں ہے۔ یہ ایک انتہائی افسوسناک بات ہے۔

اور یہ اسی طرح ہے جیسا کہ فرض کیجئے اگر میں کسی مل (MILL) میں جاؤں اور جا کر یہ کہوں کہ صاحب! آپ نے جو یہ (مل) لگائی ہے اس سے اندیشہ ہے کہ کہیں کوئی ہوائی جہاز ٹکرا کر نہ گر جائے اس لئے بہتر ہے کہ اس کو کھڑا کرنے کے بجائے لٹادیں اور یہ مشورہ دوں کہ فلاں پرزہ فلاں جگہ سے ہٹا کر فلاں جگہ لگا دیجئے۔ آپ ایمانداری سے بتائیے کہ کیا وہ مل والا قہقہہ نہیں لگائے گا؟ کیا وہ یہ نہیں کہے گا کہ مولانا! ہم نے تو

ایک ایک پرزہ کے متعلق پڑھا ہے، اس کے تجربہ میں اپنی عمریں صرف کی ہیں تب جا کر یہ کام کر رہے ہیں۔ مولانا! آپ نے اس سلسلہ میں کتنا وقت صرف کیا ہے؟ اور اگر آپ اس سلسلہ میں کچھ نہیں جانتے ہیں تو پھر دوسرے کے فن میں کیوں دخل دیتے ہیں؟ اسی طریقہ سے اس زمانے میں ایسے لوگ ہیں جو خدا کی قسم! عربی کے ابجد سے بھی واقف نہیں ہیں لیکن قرآن کریم کے معارف وحقائق بیان کرتے پھرتے ہیں مگر ہمیں نہیں معلوم کہ کیسے اور کہاں سے بیان کرتے ہیں کسی نے سچ کہا ہے ؂

تو نہ دیدی گہے سلیمان را　　　چہ شناسی مرغ زبان را

تجھے نہیں معلوم کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کون تھے؟ ان کی سلطنت کیسی تھی؟ اور پرندوں کی زبان کیسے تھی؟ فرمایا ہے ؂

کسے ہرگز مسخر بوانت تفسیر قرآنی　　زبان یار من ترکی و تو ترکی نمی دانی

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ مذہبی مسائل کے سلسلہ میں انگریز کم از کم اتنا کرتے تھے کہ وہ علماء کو بلا کر پوچھ لیتے تھے کہ اس مسئلہ میں شریعت اور مذہب کا نقطۂ نظر کیا ہے؟ اور یہ جیسا کہ میں نے عرض کیا ایک معقول بات ہے۔

برہمنیت کی فکر مطلوب بعض روشن خیال لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام میں پنڈتوں کا کوئی اصول نہیں ہے، اسلام میں برہمنیت نہیں ہے، اور برہمنیت کا مطلب یہ ہے کہ ایک نسل کے اندر برابر برہمن پیدا ہوتا چلا جاتا ہے۔ اسلام میں یہ برہمنیت نہیں ہے پھر اسلام کے اوپر علماء کی اجارہ داری کیونکر قائم ہو سکتی ہے۔ انہیں یہ یاد رکھ لینا چاہئے کہ برہمنیت کی طرح اسلام میں کوئی ایسی نسل نہیں ہے کہ جس میں برابر مولوی اور علماء پیدا ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ ہاں! بعض گھرانے ایسے ہیں جو مولویوں کا گھرانہ کہلاتے ہیں مگر ان کی بھی یہ حالت ہے کہ ایک دو پشت تو مولوی ہوتے ہیں، ان کے بعد ایسے لوگ پیدا ہوتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے دادا بڑے اچھے مولوی تھے۔

ہمارے والد صاحب بڑے اچھے عالم تھے باقی میں نے کچھ نہیں کیا۔ جیسا کہ آجکل ان لوگوں کی حالت ہے جو پیروں کی اولاد میں سے ہیں۔ انہیں اپنے آباءواجداد کے نام سے ہی سب کچھ ملتا ہے اپنے ناموں کے ساتھ پیر لگا دیتے ہیں۔ باقی تو ان کے اندر کچھ نہیں ہے۔ اب اگر ان سے کہا جائے کہ بھائی! وہ جو تمہارے دادا پردادا کا کام تھا چلو ذرا تم بھی ان میں سے کچھ کرو۔ تو کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنا وقت ضائع کیا، میں کیوں اپنا وقت ضائع کروں؟

علم حاصل کیا جاتا ہے وراثت میں نہیں آتا: تو میں نے عرض کیا کہ یہ حقیقت اسلام میں بے شک نہیں ہے۔ لیکن میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر آپ ڈاکٹر سے علاج کرانے پر مجبور ہیں تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ڈاکٹروں کی کوئی نسل ہوگی؟ کیا ڈاکٹروں کی کوئی قوم ہوتی ہے۔ اگر مقدمہ کیلئے وکیل کی ضرورت پڑتی ہے تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ وکیلوں کی کوئی نسل ہوتی ہے؟ اگر مشین (MACHINE) لگانے کیلئے (ENGINEER) کی ضرورت پڑتی ہے تو کیا انجینئروں کی کوئی قوم ونسل ہے؟ اگر انجینئروں کی کوئی نسل نہیں ہے، اگر ڈاکٹروں کی کوئی نسل نہیں ہے، اگر وکیلوں کی کوئی نسل نہیں ہے تو معاف کیجئے گا مولویوں کی نسل کہاں سے آگئی؟

مولانا عبید اللہ سندھی کون تھے؟ بلکہ ہم اس وقت ایک زندہ مثال پیش کرتے ہیں۔ مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ جن کے نام سے آپ واقف ہوں گے۔ آجکل جب سے ہم اور آپ سیاست میں گئے ہیں اچھے اچھے بدلنے لگے ہیں اور جس زمانے میں وہ لوگ سیاست میں تھے تو ہمیشہ پھانسی کے تختے بچھا کر رہتے تھے۔ اس دور کی سیاست قربانی دینے کی سیاست تھی۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ہجرت کی تھی اور ہجرت کر کے افغانستان چلے گئے۔ ایک مقدمہ کے وجہ سے انہیں ملک سے نکال دیا گیا۔ بہت بڑے عالم ہیں۔ لیکن

آپ کو معلوم ہے کہ یہ کون ہیں؟ یہ ایک سکھ گھرانے میں پیدا ہوئے اور بچپن میں ہی سکھ مذہب سے تائب ہو کر مسلمان ہو گئے۔ علم دین حاصل کیا، اس کے بعد مسلمانوں نے ان کو پیر، سرتاج اور رہنما بنایا۔ تو معاف کیجئے: مولویوں کی کوئی نسل نہیں ہے اگر کوئی ہندو یا سکھ کے گھرانے میں بھی پیدا ہوا اور مسلمان ہو کر علم دین حاصل کرلے تو وہ عالم اور رہنما ہو سکتا ہے۔ وہ مسئلہ بتلا سکتا ہے۔ لیکن اگر آپ یہ سمجھیں کہ اس کیلئے فن سیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے تو معاف کیجئے گا آپ ڈاکٹروں اور انجینئروں کے پاس کیوں جاتے ہیں؟ یہ وکیلوں کے گھر کا چکر کیوں لگاتے ہیں؟ عقل تو یہ فتویٰ دیتی ہے کہ کسی فن کی بات اس فن والے سے دریافت کرنی چاہئے

اسلامی احکامات جیسے غیروں کو بتائیے

تقریباً ۱۹۶۹ء کی بات ہے جب میں ایسٹ افریقہ (EAST AFRICA) گیا تھا، وہاں کے مسلمانوں نے مجھے ایک سرکاری نوٹس دکھایا۔ جس کا پس منظر انہوں نے یہ بیان کیا کہ صاحب! یہاں انگریزوں کی حکومت ہے اور فلاں جگہ مسلمانوں کی آبادی ہے۔ وہاں ان کے مخصوص مکانات ہیں، اور ایک مسجد بھی انہوں نے وہاں بنا رکھی ہے۔ اس کے متعلق سرکاری نوٹس یہ آیا ہے کہ اس علاقہ میں ہم نئی آبادی بنا رہے ہیں اس لئے تم اپنی مسجد کو یہاں سے ہٹالو وہ لوگ آکر مجھ سے پوچھنے لگے کہ کیا کرنا چاہئے؟ میں نے کہا۔ بھائی: اس نوٹس کے جواب میں جیسے تم مسلمانوں کا نقطۂ نظر انہیں بتاؤ۔ آپ انہیں یہ بتائیں کہ مسجد کے متعلق مسلمانوں کا مذہبی نقطۂ نظر یہ ہے کہ ایک مرتبہ جس جگہ مسجد بن گئی تو قیامت تک وہ مسجد رہے گی، اس جگہ کوئی دوسری تعمیر کی اجازت نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس نوٹس کا جواب لکھا اور اس میں وضاحت کے ساتھ مذہبی نقطۂ نظر کو بتلایا، اور وہاں اس کیلئے طریقہ یہ ہوتا تھا کہ جامع مسجد کے امام و خطیب کی تصدیق ضروری ہوتی تھی۔ جب نقطۂ نظر حکومت کے پاس پہنچ گیا تو انہوں نے لکھا کہ ہمیں یہ نہیں معلوم تھا کہ

آپ لوگوں کا ذہنی تقاضہ تقریباً اس طرح ہے۔ اگر آپ لوگوں کی شریعت یہی کہتی ہے تو بے شک آپ مسجد وہاں سے نہ ہٹائیں لیکن کم از کم اتنا کریں کہ جیسی شاندار آبادی ہم بنانا چاہتے ہیں اس کے مطابق مسجد کو بھی شاندار بنا دیجئے۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے شرعی مسائل کے سلسلہ میں وہ لوگ واقف کار آدمیوں سے دریافت کیا کرتے تھے۔ یہ ایک معقول بات ہے۔ اس سے ہمیں بھی سبق حاصل کرنا چاہئے۔

آمین بالشر کی اجازت نہیں ہے

خیر! میں وہ واقعہ عرض کر رہا تھا کہ اسی [illegible] انگریز جج نے کسی عالم کو بلایا اور پوچھا کہ شریعت میں آمین کا کیا مسئلہ ہے؟ انہوں نے کہا: صاحب! آمین کہتے کہ جب نماز میں امام سورۂ فاتحہ پڑھ کر ختم کرتا ہے تو آمین کہی جاتی ہے۔ اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک آمین بالسر اور دوسری آمین بالجہر۔ آمین بالسر کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح آہستہ سے آمین کہی جائے کہ کہنے والا خود اپنے آپ سن لے مگر پاس والا بھی نہ سنے۔ اور آمین بالجہر یہ ہے کہ اتنی آواز کے ساتھ آمین کہے کہ پاس والا سن لے یہ ضروری نہیں ہے کہ ساری مسجد والے سنیں۔ جج نے تمام قوانین لکھ لئے اور پوچھا کہ بس یہی دو قسمیں ہیں؟ انہوں نے کہا: ہاں! یہی دو قسمیں ہیں کوئی تیسری قسم نہیں ہے۔ تو جج نے اپنے فیصلہ میں لکھا کہ اسلامی قانون کے اعتبار سے مجھے یہ پتہ چلا کہ آمین کی دو قسمیں ہیں۔ ایک آمین بالجہر اور ایک آمین بالسر۔ اور میاں جو اس نے آمین کہی ہے یہ ان دونوں قسموں سے ہٹ کر تیسری قسم کی آمین ہے جس کا نام آمین بالشر ہے۔ اس کا مقصد شر اور فساد پھیلانا ہے لہٰذا اس کی اجازت نہیں ہے۔

اختلاف ائمہ کا نازک مرحلہ

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ جن میں ائمہ کے درمیان معمولی اختلافات ہیں لیکن ایک مسئلہ کہ جس میں بہت بڑا اختلاف ہے اور وہ اختلاف امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ

رحمۃ اللہ علیہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ اور قرآن کریم کی دوسری آیتیں امام وفد کے نمائندہ اور سیڈر کی حیثیت سے اللہ کی بارگاہ میں پیش کر رہا ہے لہٰذا تمام ارکان وفد کو خاموش کھڑا رہنا چاہئے کیونکہ اگر ایک ہی عرض کو سب مل کر علیحدہ علیحدہ پڑھ کر سنا ئیں گے تو عدالت کی توہین ہو جائے گی لہٰذا انہوں نے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے سے منع فرما دیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں آتا ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی اس لئے فرمایا کہ نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنا امام و مقتدی دونوں کیلئے واجب ہے

اب آپ اندازہ لگایئے کہ یہ اختلاف واقعی ایک بہت بڑا اختلاف ہے۔ ایک امام کہتے ہیں کہ اس کا پڑھنا واجب اور ضروری ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ دوسرے کہتے ہیں کہ مقتدی کیلئے اس کا پڑھنا حرام ہے، پڑھو گے تو گنہگار ہو گے۔ ایک الجھن والے کیلئے یہ بہت پریشانی کی بات ہے اس لئے کہ دونوں اماموں کی عظمت و احترام اس کے دل میں ہوتا ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ پڑھتے پڑھتے جب اس مسئلہ پر پہنچے تو پریشان ہو گئے اور فرمانے لگے کہ بھائی! میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ سارا اختلاف چونکہ مقتدیوں کے بارے میں ہے اس لئے آئندہ سے میں مقتدی نہیں بنوں گا تو نماز پڑھایا کروں گا اس لئے امام کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

لیکن آپ اس سے یہ نہیں سمجھئے گا کہ اگر اس طریقے سے سب امام بن جائیں گے تو پھر مقتدی کون بنیں گے؟ اس لئے کہ جیسا کہ میں نے عرض کیا یہ انکی ذاتی کیفیت تھی، ان کے دل میں ایک کیفیت پیدا ہوئی جس کی بنا پر انہوں نے یہ فیصلہ کیا۔ ہمارے اور آپ کے لئے دو راستوں میں سے ایک ہی راستہ ہے۔ وہ یہ کہ یا تو ہم اور آپ خود امام ابو حنیفہ بن جائیں، امام شافعی بن جائیں، امام احمد بن حنبل اور امام مالک بن جائیں اور اجتہاد کریں، حکیم اجمل خان بن جائیں اور اپنا علاج خود کریں اور اگر ہم یہ نہیں

کرسکتے، تو پھر دوسرا راستہ یہی ہے کہ کسی ماہر حکیم کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیں اور یہ کہیں کہ آپ جو کہیں گے ہم وہی کریں گے۔ تیسری کوئی شکل نہیں ہے۔

داروغۂ جہنم کا سوال اور جہنمی کا جواب

اور یہ میں اپنی طرف سے عرض نہیں کر رہا ہوں۔ قرآن کریم کے انتیسویں پارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو لوگ جہنم میں جائیں گے ان سے داروغۂ جہنم یہ پوچھے گا کہ کیا تمہارے پاس کوئی نبی اور رسول نہیں آئے تھے؟ کس وجہ سے آج تم آتش جہنم میں داخل ہوئے؟ اہل جہنم یہ سن کر کہیں گے۔ فرمایا کہ

وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اہل جہنم یہ جواب دیں گے کہ ہاں بھائی! ہمارے پاس رسول بھی آئے، نبی بھی آئے، انہوں نے تبلیغ بھی کیا، لیکن اگر دو باتوں میں سے ایک بات ہم کر لیتے تو آج جہنم میں نہ ہوتے۔ وہ یہ کہ یا تو ہم خود دین کو سمجھ کر اس پر عمل کر لیتے اور یا یہ کہ جو لوگ دین کو سمجھے ہوئے تھے ان کا دامن پکڑ کر یہ کہتے کہ آپ جو بتائیں گے ہم اس پر عمل کریں گے وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اور وہ کہیں گے کہ اگر ہم سنتے اور اطاعت کرتے اَوْ نَعْقِلُ یا خود سمجھتے مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ تو ہم اہل جہنم میں سے نہ ہوتے (بلکہ جنت میں ہوتے)

اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ نجات کی دو راہیں ہیں یا تو یہ تم خود مجتہد بن جاؤ اور اگر مجتہد نہ بن سکتے ہو تو کسی مجتہد کا دامن پکڑ لو۔ ہماری نجات اسی دوسری راہ میں منحصر ہے کیونکہ ہم مجتہد نہیں بن سکتے، ہمارے اندر مجتہد بننے کی صلاحیت اور اس کی استعداد نہیں ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہمارے امام ہیں ہم ان کی تقلید کرتے ہیں اس لئے کہ علمی بصیرت اور علمی صلاحیت کے اندر ہم ان کی جوتیوں کے خاک کے برابر بھی نہیں ہیں۔ آج کے بے بصیرت مجتہد ایسے ہیں جو یہ

کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جو کہتے ہیں وہ صحیح نہیں ہے، میں جو آپ کو بتاتا ہوں آپ اس پر عمل کریں۔

ایک واقعہ ایک شخص وضو کر رہا تھا، جب وہ سر کا مسح کرنے لگا تو ایک ایسے ہی مجتہد نے کہا: ارے بھائی! تو کس طرح مسح کر رہا ہے؟ اس نے کہا: اس طرح کر رہا ہوں جس طرح امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا ہے۔ کہنے لگا: ارے اسے چھوڑ دو اور جس طرح میں بتاتا ہوں اس طرح کرو۔ اس نے کہا: اچھا چھوڑ دیا، تم بتاؤ کہ مسح کس طرح کروں؟ اس نے بتایا کہ مسح اس طریقہ پر کرنا چاہئے تو وضو کرنے والے نے کہا کہ جب میری قسمت میں کسی نہ کسی کے بتائے ہوئے ہی پر عمل کرنا ہے تو بھائی! ابو حنیفہ کے بتائے ہوئے پر کیوں نہ عمل کروں، تیرے کہنے پر کیوں عمل کروں؟ کیا تو ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ بہتر ہے کہ ان کے قول کو چھوڑ کر تیرا قول لے لوں؟

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی وصیت تو میرے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ بعض اوقات کسی کی اپنی ذاتی کیفیتیں ہوتی ہیں جو قانون اور ضابطہ کا درجہ نہیں رکھتیں، وہ شخصی باتیں ہوتی ہیں۔ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں، انہوں نے تفسیر کی ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام اپنے شیخ کے نام پر تفسیر مظہری رکھا ہے، بڑی اچھی تفسیر ہے۔ اور فقہ میں بھی ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "مالا بد منہ" ہے، اس کے اندر بڑے اچھے اچھے مسائل ہیں۔ آخر میں ان کا ایک وصیت نامہ بھی ہے اور وہ وصیت نامہ پڑھنے کے لائق ہے۔ آپ کو یہ کتاب ہر جگہ مل جائے گی آپ اس کو پڑھیں، آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ایک مسلمان کو اپنے بارے میں کس طرح وصیت کرنی چاہئے۔ ہر مسلمان کی یہ شان ہے کہ وہ اپنے پیچھے وصیت نامہ چھوڑ کر جائے۔

مولانا کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نماز کا مسئلہ پوچھنے

کیلئے آیا اور کہا کہ حضرت جی! میں فلاں مسئلہ پوچھنے کیلئے آیا ہوں۔ تو مولانا نے فرمایا کہ بھائی! ذرا ٹھہر جاؤ! پھر اندر گئے اور وضو کر کے آئے اور مصلیٰ بچھا کر دو رکعت نماز پڑھی اور نماز پڑھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی پھر کہا کہ بھائی! اب پوچھو! اس نے کہا کہ حضرت! بات تو بہت معمولی سی تھی لیکن اس کیلئے آپ نے اتنا اہتمام کیا۔ کیا وجہ ہے؟ فرمایا کہ بھائی! بات دراصل یہ ہے کہ میری پوری زندگی میں آج تم پہلے آدمی ہو جس نے نماز کا مسئلہ پوچھا ہے ورنہ جتنے لوگ آتے ہیں کوئی نکاح کا مسئلہ پوچھتا ہے۔ کوئی طلاق کا مسئلہ پوچھتا ہے۔ کوئی خلع کا مسئلہ پوچھتا ہے اور کوئی وصیت و وراثت کا مسئلہ پوچھتا ہے۔ فرمایا کہ تم پہلے آدمی ہو جس نے نماز کا مسئلہ پوچھا ہے اس لئے میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اے اللہ! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تو نے ایک آدمی کو نماز کا مسئلہ پوچھنے کیلئے بھیج دیا ورنہ میرا یہ خیال تھا کہ اگر کسی نے نماز کا مسئلہ نہیں پوچھا تو کہیں میں نماز کے مسائل بھول نہ جاؤں۔

خیر! یہ تو اس زمانے کی بات تھی اور آجکل میرا یہ خیال ہے کہ بعض لوگ ہی ایسے ہیں جو مفتیوں اور قاضیوں کے پاس جا کر خلع، طلاق اور مہر وغیرہ کے مسائل پوچھتے ہیں سب آدمی اس کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ البتہ بیچاری عورتوں کو اللہ نے اتنا دین دیا ہے کہ وہ طلاق، خلع وغیرہ کے مسائل پوچھتی پھرتی ہیں۔ شوہروں کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ یوں تو بے عیب صرف اللہ کی ذات ہے لیکن ہمارے معاشرے میں واقعتہً جتنی دینداری عورتوں کے اندر ہے اور دین کا جتنا خیال عورتوں کو رہتا ہے اتنا خیال مردوں کو نہیں رہتا۔ تو میں وصیت نامہ کا ذکر کر رہا تھا۔ مولانا ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وصیت نامہ میں یہ لکھا کہ جب میرے جنازہ کی نماز پڑھی جائے تو پہلی تکبیر کے بعد ثنا۔ سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک وجل ثناءک ولا الہ غیرک .... پڑھی جائے۔ پھر سورہ فاتحہ پڑھی

جائے یہ انہوں نے اپنے وصیت نامہ میں لکھا ہے جبکہ حنفی طریقہ کے مطابق پہلی تکبیر کے بعد صرف ثنا پڑھی جاتی ہے اور دوسری تکبیر کے بعد درود شریف پڑھے جاتے ہیں اور تیسری تکبیر کے بعد دعاء مغفرت پڑھی جاتی ہے۔ دعا یہ ہے۔ اللھم اغفر لحینا ومیتنا وشاھدنا وغائبنا وصغیرنا وکبیرنا وذکرنا وانثانا اللھم من احییتہ منا فاحیہ علی الاسلام ومن توفیتہ منا فتوفہ علی الایمان۔ اور چوتھی تکبیر کے بعد دائیں بائیں سلام پھیر دیا جاتا ہے۔ یہ حنفی طریقہ لیکن حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وصیت نامہ میں لکھا ہے کہ میری نماز جنازہ میں پہلی تکبیر میں ثنا کے بعد سورۃ فاتحہ کی تلاوت کی جائے بلکہ انہوں نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر فلاں زندہ ہو تو میری نماز جنازہ پڑھائے اگر وہ نہ ہو تو فلاں پڑھائے اور اگر وہ نہ ہو تو فلاں پڑھائے۔ یعنی نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنا حنفیوں کا اصول اور ضابطہ نہیں ہے یہ ان کی ذاتی کیفیت ہے اور یہ کیفیت بھی قابل تعریف ہے اس لئے کہ وہ کوئی معمولی درجہ کے لوگوں میں سے نہیں ہیں بڑے درجہ کے عالم ہیں۔

یاد رکھئے کسی ضابطہ اور اصول کے اندر کسی کی ذاتی اور شخصی کیفیت کی وجہ سے اس میں کوئی تبدیلی اور کوئی فرق نہیں آتا۔

دینی مسائل اور اس کی نزاکتیں

اور جب بات چھڑ گئی ہے تو اسی بات میں سے ایک اور بات نکل آئی۔ وہ یہ کہ فقہ کی کتابوں میں ایک مسئلہ لکھا ہے کہ کسی نے چار رکعت والی نماز کی نیت باندھی تو وہ دو رکعت پر بیٹھ کر التحیات پڑھے اور فوراً تیسری رکعت کیلئے کھڑا ہو جائے تاخیر نہ کرے۔ اگر تیسری رکعت کیلئے کھڑے ہونے میں تین تسبیح کے مقدار دیر ہو گئی تو اس سے سجدہ سہو لازم آتی ہے۔ یہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اصول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے قعدہ اولیٰ میں بیٹھ کر التحیات

ہے۔ لیکن حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نہیں! اسے سجدہ سہو کرنا ہوگا کیونکہ بمقدار تین تسبیح کے تاخیر ہو گئی ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ کا خواب اسی مسئلہ میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں دیکھا کہ سرکار دو عالم ﷺ تشریف فرما ہیں اور آپ نے یہ فرمایا کہ اے ابو حنیفہ! تم ان مسلمانوں پر سجدہ سہو کا جرمانہ لگاتے ہو جو ہم پر اللھم صلی علی محمد کہہ کر درود بھیج رہے ہیں؟ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کیا جواب دیا؟ سبحان اللہ۔ جس کا دامن پاک رہتا ہے اسے کوئی خوف ہراس نہیں ہوتا۔ حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا قبر کے سوال و جواب کے متعلق فرماتی ہیں کہ منکر نکیر قبر کے اندر آکر سوال ہی تو کریں گے انہیں آنے دو انشاء اللہ عقل ورد کا جواب دیں گے۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔

فرمایا کہ — گر نکیر آید و پرسد کہ بگو رب تو کیست
گویم آں کس کہ ربود ایں دل دیوانہ ما

اگر منکر نکیر نے آکر مجھ سے پوچھا کہ بتا تیرا رب کون ہے تو میں جواب دوں گی کہ میرا رب وہ ذات ہے جس کیلئے میں نے دونوں عالم چھوڑ دیئے۔ سبحان اللہ کیسا مستانہ جواب ہے! لیکن یہ جواب وہی دے سکتا ہے جسکا حساب صاف اور پاک ہو۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جواب میں فرماتے ہیں کہ یا رسول اللہ! میں نے اس لئے جرمانہ نہیں لگایا کہ اس نے آپ کے اوپر درود بھیجا بلکہ میں نے اس لئے جرمانہ لگایا کہ اس نے آپ کے اوپر بھول کر درود بھیجا ہے حالانکہ آپ کے اوپر ارادہ کرکے درود بھیجنا چاہئے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اس جواب کو سن کر تبسم فرمایا۔

دو رنگی چھوڑ دے ایک رنگ ہوجا بعض لوگ یہ سوچتے ہیں کہ بھائی! اگر ہم بھول کر اللھم صل علی محمد تک درود پڑھ لیں تو امام شافعی کا مسئلہ اختیار

کرلیں گے پھر ہم کو سجدہ سہو نہیں کرنا پڑے گا۔ یاد رکھئے! یہ کسی صورت میں درست نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ضابطہ میں کوئی نقص اور کوئی تنافی نہیں ہے کہ دوسروں کے مسلک کو اختیار کرنے کی کوشش کی جائے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ پر بے شک درود بھیجنا چاہئے لیکن اس کی شان یہ نہیں ہے کہ بھول کر اور بلا ارادہ درود بھیجی جائے۔ اس کی شان یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ پر ہم وقت اپنے ارادے سے ہم درود بھیجیں۔ یہ ایک بہت بڑی عبادت ہے۔

درود شریف کی عظمت حدیث میں آتا ہے کہ تمام عبادتیں ایسی ہیں کہ وہ قبول ہوتی ہیں لیکن کبھی رد بھی ہو سکتی ہیں مگر درود شریف ایک ایسی عبادت ہے جو ہمیشہ قبول ہوتی ہے۔ کبھی رد نہیں ہوتی۔ آپ حضرات ایک مرتبہ درود شریف پڑھ لیں۔

اللهم صلی علی محمد وعلی ال محمد کما صلیت علی
ابراهیم وعلی ال ابراهیم انک حمید مجید

تو بات میں یہ عرض کر رہا تھا کہ بعض اوقات بعضے کیفیتیں ذاتی اور شخصی نوعیت کی ہوتی ہیں اور اگرچہ وہ کیفیتیں قابل تعریف ہوتی ہیں لیکن پھر بھی وہ اپنی جگہ پر ہوتی ہیں اور شریعت کا ضابطہ اور اصول اپنی جگہ پر ہوتا ہے۔ ان کیفیات سے شریعت کے اصول وضوابط نہیں بدلتے۔

اب میں سمجھتا ہوں کہ وقت ختم ہو گیا ہے۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه
وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد
واله واصحابه اجمعین برحمتك یا ارحم الراحمین
والحمد للہ رب العلمین

صبر کا صلہ

کبھی کبھی جو ناخوشگوار باتیں سامنے آتی ہیں، مصیبتیں اور آفتیں آتی ہیں اس سے مقبولیت عنداللہ میں کوئی فرق نہیں آتا بلکہ ان میں اللہ کی بڑی بڑی حکمتیں ہوتی ہیں، ایک حکمت تو یہ ہوتی ہے کہ اللہ کو ان آفتوں اور مصیبتوں کے ذریعہ بندوں کا مرتبہ بلند کرنا ہوتا ہے، اور مرتبہ اس وجہ سے بڑھتا ہے کہ اگر آپ کی زندگی میں کوئی ناخوشگوار بات پیش نہ آئے تو آپ یہ کیسے جانیں گے کہ صبر کسے کہتے ہیں؟ صبر تو کہتے ہی اس کو ہیں کہ آپ پر کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آئے اس وقت آپ اپنے آپ کو اسلامی تعلیمات کے حدود اور دائرے میں رکھیں، معلوم ہوا کہ صبر کی فضیلت اسی وقت مل سکتی ہے جب زندگی میں کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آئے کوئی تکلیف دہ بات پیش آئے چاہے وہ دل کی تکلیف ہو، چاہے وہ بدنی تکلیف ہو اور چاہے وہ کوئی اور چیز کی تکلیف ہو۔ جب آپ اور ہم صبر کریں گے تو ہمارا مرتبہ بلند ہوگا۔

صبر کا صلہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ
وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا
وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا
مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ
وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ
لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا
عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ
وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

جس کامیابی کا ذکر فرمایا ہے اگر ہم اور آپ اس کامیابی کو نہ سمجھیں گے تو یقیناً ہم یہ اعتراض کریں گے کہ ہم نے بڑے بڑے خاصان خدا اور بڑے بڑے اولیاء اللہ کو دیکھا ہے کہ ایسی ایسی تکلیفوں میں گرفتار ہوئے ہیں کہ ان تکلیفوں کو دیکھا نہیں جاتا جبکہ قرآن کریم کہتا ہے کہ ایمان اور عمل صالح والے بڑے کامیاب ہیں؟ اس کیلئے سب سے پہلے ہمیں یہ سمجھنا چاہیے کہ کامیابی کسے کہتے ہیں؟

بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ دنیا کی ریل پیل کا نام کامیابی ہے۔ اولاد ہوں، بڑی دولت ہو، حشم وخدم ہوں، راحت وآرام کے تمام سامان میسر ہو، بڑے بڑے منصب ہوں اسی کا نام کامیابی ہے لیکن یاد رکھئے! اللہ کی نظر میں اس کا نام کامیابی نہیں ہے کیونکہ اگر اسی کا نام کامیابی ہوتی تو انبیاء کرام سے بھی زیادہ کامیاب قارون ہوتا، اس لئے کہ قارون کے پاس روئے زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں تھیں لیکن آپ نے دیکھا کہ ایک پیغمبر کی توہین کرنے کی وجہ سے عذاب الٰہی کے طور پر اسے زمین میں دھنسا دیا گیا۔

قارون کی کہانی حدیث پاک کی زبانی قارون کا واقعہ یوں لکھا ہے کہ وہ دراصل حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہی چچازاد بھائی تھا، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے بیسویں پارے میں فرمایا کہ

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِن قَوْمِ مُوسَىٰ

قارون موسیٰ علیہ السلام کے قوم کا آدمی تھا۔ اور قرآن کریم نے تو صرف اتنا ہی بتایا کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برادری اور قوم کا آدمی تھا لیکن حدیث میں اس کی تفسیر یوں بیان کی گئی ہے کہ جب قارون نے اپنے چچازاد بھائی (۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ قوم میں ان کا بڑا احترام ہے، ان بڑی عزت وقعت ہے اور میں

(۱) جلالین ج ۲ ۔۔۔۔۔ سورۃ القصص ۸/۷

اتنا بڑا صاحب دولت و ثروت ہوں مگر قوم کے اندر میرا احترام اور میری عزت نہیں ہے۔ اس لئے قارون نے اس بات کی کوشش کی کہ اگر میں اپنی عزت نہیں بڑھا سکتا تو کم از کم موسیٰ کی عزت تو گرا دوں۔

لیکن یاد رکھئے! اسلام اسکی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام اس کو بدترین قسم کا جرم قرار دیتا ہے۔ اگر آپ اپنی عزت پیدا کرتے ہیں یہ بڑی اچھی بات ہے لیکن عزت حاصل کرنے کا یہ طریقہ غلط ہے کہ آپ عزت والوں کی عزت کو نیچے گرا دیں تاکہ آپ کی عزت بڑھ جائے۔ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔ قارون نے یہی طریقہ اختیار کیا۔ اس نے ایک عورت کو تیار کیا۔ اس کو بڑی دولت دی اور یہ کہا کہ تو بھرے مجمع کے اندر قوم اور برادری کے لوگوں کے سامنے موسیٰ پر زنا کا الزام لگا دے۔ جب تو موسیٰ پر الزام لگا دے گی تو وہ قوم کی نظروں سے گر جائیں گے اور ان کی جگہ قوم کی نظروں میں میرا مقام پیدا ہو جائے گا۔ وہ عورت اس کیلئے تیار ہو گئی۔ چنانچہ اس کیلئے ایک بہت بڑا مجمع جمع کیا گیا۔ لیکن جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ انسانوں کے دل اللہ کی دو انگلیوں کے بیچ میں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے دلوں کو بدل دیتا ہے (۱)۔ اللہ نے اس عورت کا دل بھی بدل دیا۔ جیسے ہی وہ عورت بھرے مجمع میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر الزام لگانے کیلئے آئی اس کے دل میں خدا کا خوف پیدا ہو گیا۔ اس کا ضمیر اس بات کو گوارہ نہیں کیا کہ میں ایسی محترم ذات پر الزام لگاؤں۔ چنانچہ اس نے بھرے مجمع میں یہ کہہ دیا کہ قارون نے مجھے موسیٰ پر الزام لگانے کیلئے دولت دے کر یہاں لایا ہے لیکن میں یہ اعلان کرتی ہوں کہ موسیٰ نے میرے ساتھ کوئی نازیبا حرکت نہیں کی۔ ان کا دامن بالکل پاک ہے۔

قارون کی رہی سہی عزت بھی چلی گئی۔ حدیث میں آتا ہے "من عادی لی ولیا فقد آذنتہ بالحرب" جو اللہ کے کسی مقبول بندہ کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے اس کیلئے دشمنی

(۱) مسلم [illegible]

پر اتر آتا ہے فرمایا کہ وہ دراصل بندہ سے نہیں لڑ رہا ہے بلکہ خدا سے مقابلہ کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قارون کو معہ اسکی دولت کے معہ اس کے محل کے زمین میں دھنسا دیا۔

دنیا کی بہتری رضاء خداوندی کی دلیل نہیں

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کامیابی کے معنیٰ ہیں دنیا کی خوب ریل پیل ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ خدا کی نظر میں یہ کامیابی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کا حال یہ تھا کہ کبھی کبھی آپؐ کے گھر میں کھانا بھی نہیں پکتا تھا۔ فاقہ کی نوبت آجاتی تھی (۱)۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا

جب کفار کے سامنے خدا کے احکام اور خدا کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی تھیں تو وہ ایمان والوں سے اور مسلمانوں سے کہتے تھے اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ہم اور تم دو فریق ہیں۔ تم ہم پر اسلام پیش کرتے ہو، تم ایک فریق ہو اور ہم پر اسلام پیش کیا جا رہا ہے ہم دوسرے فریق ہیں اور یہ فیصلہ تو خیر بعد میں کریں گے کہ تمہیں ہم پر اسلام پیش کرنا چاہئے یا نہیں۔ پہلے یہ فیصلہ کرلو کہ ہم دونوں فریقوں میں سے مالی اعتبار سے کون اچھا ہے؟ چلو ہمارے ساتھ ہمارے گھر چلو اور دیکھو کہ کتنا شاندار ہے۔ مقام کا ترجمہ محل ہے۔ اور ندی عربی میں بیٹھک کو کہتے ہیں۔ یعنی جہاں ہم اپنی نشست لگاتے ہیں ذرا وہاں کا سامان چل کر دیکھو، ہم تمہارے گھر چلتے ہیں تم ہمارے گھر چلو، ہم تمہاری بیٹھک دیکھتے ہیں تم ہماری بیٹھک دیکھو پھر فیصلہ کرو کہ ہم دونوں میں سے کس کے دولت و ثروت زیادہ ہے؟ اگر محل ہمارا اچھا ہے، اگر بیٹھک ہماری اچھی ہے، اگر سازوسامان ہمارے پاس زیادہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے نزدیک ہم مقبول ہیں تم مقبول نہیں ہو، اگر تم خدا کے مقبول بندے ہوتے تو کیا فاقہ کرتے؟ اگر تم خدا کے مقبول بندے ہوتے تو کیا اللہ تعالیٰ تمہیں ہم سے بہتر گھر نہ دیتا؟ اگر تم خدا کے

(۱) مسلم ۲/۲۰۸ [illegible]

مقبول بندے ہوتے تو کیا تمہارے پاس ہم سے بہتر ساز و سامان نہ ہوتا؟ ہمارے ساز و سامان کی افراط یہ بتاتی ہے کہ ہم خدا کے مقبول بندے ہیں اور تمہاری سامان سے محرومی یہ بتاتی ہے کہ تم خدا کی نظر میں مبغوض ہو۔ فرمایا کہ

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا
أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَأَحْسَنُ نَدِيًّا

ترجمہ: (اور جب ان منکر لوگوں کے سامنے ہماری کھلی کھلی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو یہ کافر لوگ مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ دونوں فریقوں میں مکان کس کا زیادہ اچھا ہے اور محفل کس کی اچھی ہے) (سورہ مریم)

اب اللہ تعالیٰ ان کا جواب دیتے ہیں اور ہمارا سب دنیاوی تصور کیسے انہیں لاجواب کر دیا۔ فرمایا کہ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَاثًا وَرِئْيًا

ترجمہ: (اور ہم نے ان سے پہلے بہت سے ایسے ایسے گروہ ہلاک کیے ہیں جو سامان اور نمود میں ان سے بھی کہیں زیادہ اچھے تھے) (سورہ مریم)

کبھی کبھی دولت بھی ہلاکت کا باعث ہوتی ہے

اگر تمہارا یہی خیال ہے کہ جس کا گھر بہتر ہو جس کے پاس ساز و سامان زیادہ ہو وہ خدا کا مقبول بندہ ہے اور جس کے گھر چولہا نہ جلے وہ نعوذ باللہ خدا کا مردود بندہ ہے۔ اگر تم اسی کو مقبولیت عند اللہ کا معیار سمجھتے ہو تو تم ہمیں یہ فکر کر دے دو پھر ہم تم سے یہ پوچھتے ہیں کہ

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَاثًا وَرِئْيًا

کیا تاریخ یہ نہیں بتاتی ہے کہ تم سے بڑے بڑے صاحب دولت و ثروت، تم سے اچھے اچھے محلات میں رہ کر عیش و عشرت کرنے والے، تم سے زیادہ سے زیادہ سامان تعیش جمع کرنے والے گزرے ہیں کیا وہ خدا کے عذاب سے ہلاک نہیں ہوئے؟ اگر سامان کی بہتات خدا کے نزدیک مقبول ہونے کی علامت ہے تو پھر ان کے اوپر قہر الٰہی

نہیں تو تمہیں کیا باتیں کر رہا ہے؟ اگر مجھ سے پوچھو تو بتاؤں کہ حقیقت کیا ہے؟

قرآن کریم کا فیصلہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ سرکار دو عالم ﷺ سے ذکر کیا۔ آپ نے سکوت فرمایا تھوڑی دیر کے بعد فرمایا کہ ابھی ابھی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی یہ سورۃ نازل فرمائی ہے۔

وَالْعَصْرِ ﴿١﴾ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ ﴿٢﴾ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿٣﴾

ترجمہ [قسم ہے زمانہ کی انسان بڑے خسارے میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اور ایک دوسرے کو حق پر قائم رہنے کی فہمائش کرتے رہے اور ایک دوسرے کو (اعمال کی) پابندی کی فہمائش کرتے رہے]

اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتادیا کہ پیسے کی کمی کا نام خسارہ نہیں ہے، دولت سے محرومی کا نام خسارہ نہیں ہے، عاص بن وائل نے جو یہ کہا ہے کہ اسلام لانے کی وجہ سے تمہیں نقصان اور گھاٹا ہوگیا، تمہارے پاس پیسہ نہیں رہا، تم تباہ و برباد ہوگئے۔ یہ انتہائی غلط بات ہے، پیسہ نہ ہونا بربادی نہیں ہے، دولت کا نہ ہونا بربادی نہیں ہے، غربت کا ہونا تباہی نہیں ہے بلکہ اصل تباہی ایمان اور عمل صالح سے محروم رہنا ہے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ اگر آپ کے پاس سے دنیاوی دولت و ثروت کم ہوتی ہے تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایمان اور عمل صالح کی دولت عطا فرمائی ہے۔ تو یہ سودا خسارے کا سودا نہیں ہے یہ بڑا سستا اور نفع کا سودا ہے۔ معلوم ہوا کہ پیسے کی کمی کا نام خسارہ رکھنا غلط ہے اصل خسارہ ایمان سے محرومی ہے۔

علم و ادب سے محروم یتیم اصلی ہے

میں نے یہ بات اس لئے عرض کی کہ آج کل لوگوں کے ذہن اور خیالات الگ ہوتے ہیں۔ عرب کے ایک شاعر نے بڑی اچھی بات کہی ہے اخلاق کا سبق دیا ہے، کہتا ہے کہ دنیا میں اگر آپ سے پوچھو کہ یتیم کسے کہتے

ہیں؟ وہ یہی کہتے ہے کہ جسکا باپ مرجائے یا جسکی ماں مرجائے اور وہ بھی بلوغیت سے پہلے پہلے۔ اس لئے کہ بالغ ہونے کے بعد اگر باپ یا ماں مرجائے تو وہ یتیم نہیں کہلاتا؟ ورنہ ساری دنیا یتیم بن جائے گی۔ بالغ ہونے سے پہلے اگر باپ کا سایہ اٹھ جائے یا ماں کا سایہ اٹھ جائے بعضوں نے کہا ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک کا سایہ اٹھ جائے تو یتیم کہلاتا ہے اور بعضوں نے کہا کہ نہیں۔ باپ کا سایہ اٹھ جائے تو یتیم کہلاتا ہے۔ تو ہمارے اور آپ کے نزدیک یتیم کی یہی تعریف ہے مگر عربی کا شاعر کہتا ہے کہ میری نظر میں یہ یتیم نہیں ہے میری نظر میں یتیم اور ہے۔ کہتا ہے کہ:

لیس الیتیم الذی قدمات والدہ

بل الیتیم یتیم العلم والادب

میں نے یتیم نہیں سمجھتا ہوں جو باپ سے محروم ہوجائے۔ میرے نزدیک یتیم وہ شخص ہے جو علم سے محروم ہوجائے جو ادب واخلاق سے محروم ہوجائے۔ فرمایا کہ:

لیس الیتیم الذی قدمات والدہ

بل الیتیم یتیم العلم والادب

اب بات سمجھ میں آگئی ہوگی۔ اسلام کی نظر میں دولت کی ریل پیل کا نام کامیابی نہیں ہے دنیا کا چین اور آخرت کی نجات کا نام کامیابی ہے۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کے گھر میں فاقہ ہوجائے، اگر کسی کو بیماری آجائے، اگر کسی کے اوپر کوئی مصیبت آجائے تو اس وقت یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ یہ تو اللہ کے بڑے مقبول بندے تھے پھر یہ مصیبت کہاں سے آگئی؟ کیا اسی کا نام کامیابی ہے؟ ہاں کامیاب ہونے کے باوجود بھی یہ مصیبتیں آسکتی ہیں

زمانۂ فترت میں آپ ﷺ کی حالت

اندازہ لگایئے کہ سرکار دوعالم ﷺ سے بڑھ کر کسی کے کامیاب اور مقبول عند اللہ ہونے کا کوئی تصور بھی ہمارے

ہے کوئی ایسا کام نہیں ہو سکتا ہے جو اعتدال کے خلاف ہو۔ یہ تو ہماری اور آپ کی کمی اور کوتاہی ہے کہ ہم اعتدال سے ہٹ کر کام کرتے ہیں لیکن نبی سے یہ ممکن نہیں۔ آپ ﷺ نے ان الفاظ سے اپنے جذبات و احساسات اور تکلیف کی شدت کو بیان فرمایا ہے

مصیبت بھی بلندی درجات کا سبب بنتی ہے

معلوم ہوا کہ کبھی کبھی جو ناخوشگوار باتیں سامنے آتی ہیں۔ مصیبتیں اور آفتیں آتی ہیں اس سے مقبولیت عند اللہ میں کوئی فرق نہیں آتا بلکہ اس میں اللہ کی بڑی بڑی حکمتیں ہوتی ہیں۔ ایک حکمت تو یہ ہوتی ہے کہ اللہ کو ان آفتوں اور مصیبتوں کے ذریعہ بندوں کا مرتبہ بلند کرنا ہوتا ہے۔ اور مرتبہ اس وجہ سے بڑھتا ہے کہ اگر آپ کی زندگی میں کوئی ناخوشگوار بات پیش نہ آئے تو آپ یہ کیسے جانیں گے کہ صبر کسے کہتے ہیں؟ صبر تو کہتے ہی اسی کو ہیں کہ آپ پر کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آئے اس وقت آپ اپنے آپ کو اسلامی تعلیمات کے حدود اور دائرے میں رکھیں۔ معلوم ہوا کہ صبر کی فضیلت اسی وقت مل سکتی ہے جب زندگی میں کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آئے کوئی تکلیف دہ بات پیش آئے چاہے وہ مالی تکلیف ہو چاہے وہ بدنی تکلیف ہو اور چاہے وہ کوئی اور چیز کی تکلیف ہو۔ جب آپ اور ہم صبر کریں گے تو ہمارا مرتبہ بلند ہوگا۔

مصیبت پر صبر کے صلہ میں کیا ملے گا

حدیث میں آتا ہے کہ اہل جنت جب جنت میں داخل ہوں گے تو وہ دیکھیں گے کہ جنت کے خوش نصیب لوگ ایسے ہیں جو بڑی بلندیوں کے اوپر موتیوں کی طرح چمک رہے ہیں۔ اہل جنت ملائکہ سے پوچھیں گے کہ یہ کون لوگ ہیں کہ جن کو اتنا اونچا مقام اور اتنا اونچا درجہ دیا گیا ہے؟ انہیں جواب دیا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے دنیا میں مصائب بھیجے تھے اور اس پر انہوں نے صبر کر کے دکھایا تھا اسی صبر کے نتیجہ میں انہیں یہ درجہ ملا ہے۔ تو جن پر دنیا میں بڑی بڑی مصیبتیں نہیں آئی ہوں گی وہ یہ کہیں گے کہ کاش۔ اگر ہم پ

یہ معلوم ہوتا کہ صبر کا اتنا بڑا درجہ اور اتنا بڑا مرتبہ ہوتا ہے تو ہم اللہ سے دعا کرتے کہ ہمارے اوپر بھی ایسے حالات آجائیں کہ جن پر ہمیں صبر کرنے کا موقع ملے۔ اگر ہماری کھالوں کو بھی قینچیوں سے کاٹا جاتا اور ہمیں یہ خبر ہوتی کہ صبر کا اتنا اونچا درجہ ہے تو ہم بھی صبر کر کے دکھا دیتے۔ معلوم ہوا کہ مصیبتوں کا آنا خدا کے نزدیک مردود ہونے کی نشانی نہیں ہے بلکہ کبھی کبھی اللہ تعالیٰ ان مصیبتوں کی وجہ سے بندہ کا درجہ بڑھا دیتا ہے، مرتبہ بڑھا دیتا ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی حکمتیں ہیں اگر ان حکمتوں کو بیان کیا جائے تو وہ تین مجلسیں بھی اس کیلئے کافی نہیں ہوں گی۔ ایک حکمت یہ بھی ہوتی ہے کہ بندہ سو رہا ہے۔ غافل ہے، خراٹے لے رہا ہے اور اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ چونکہ اس کا نقصان ہو رہا ہے اس لئے یہ اٹھ کر بیٹھ جائے تو اس کے حق میں اچھا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سوئے ہوئے کو جھنجھوڑا جاتا ہے کہ اٹھ کر بیٹھو اور وہ کام کرو جو کرنے کا ہے۔ تیرا وقت ضائع ہو رہا ہے۔ تو جب کبھی اللہ کے کسی بندے پر کوئی ناگواری اور مصیبت آتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے جھنجھوڑ کر خواب غفلت سے بیدار کر رہا ہے اور اسے موقع دے رہا ہے کہ سنبھل جائے۔

حدیث میں آتا ہے

رب اشعث اغبر مدفوع عن الباب

کتنے پیارے الفاظ ہیں۔ عربی میں "اشعث" کہتے ہیں اس شخص کو جس کے بال بکھرے ہوئے ہوں، بکھرے ہوئے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ پراگندہ بال ہے، پریشانی کی وجہ سے نہ بال دھونے کا موقع ملا ہے نہ کنگھی کرنے کا موقع ملا ہے۔ اور "اغبر" چہرہ غبار آلود ہے۔ "مدفوع عن الباب" اور حالت یہ کہ جس کے پاس جاتا ہے کوئی نہیں بٹھاتا ہے۔

حضرت مولانا تھانوی علیہ الرحمہ کی تحقیق | حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ نیک اور خاص بندوں کیلئے کبھی کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے حالات اس لئے پیدا کئے جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ میرا یہ بندہ سب کی طرف نظریں پھیر کر میری طرف آجائے۔ وہ اپنے باپ پر بھروسہ کرتا ہے، اپنے استاذ پر بھروسہ کرتا ہے، اپنے دوست پر بھروسہ کرتا ہے، اپنے رشتہ داروں پر بھروسہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے حالات اس طریقہ پر بنا دیتا ہے کہ وہ اپنے باپ کے پاس جاتا ہے، باپ کہتا ہے جاؤ یہاں سے۔ بھائی کے پاس جاتا ہے، وہ کہتا ہے جاؤ یہاں سے۔ دوسرے کے پاس جاتا ہے وہ بھی کہتا ہے بھاگو یہاں سے۔ جب ہر دروازے سے دھتکار دیا جاتا ہے پھر اس کا دل بھر آتا ہے اور خدا کے دربار میں آکر گڑگڑا کر کہتا ہے کہ اے اللہ! میں نے سب کو دیکھ لیا سب دروازوں کو آزمالیا۔ اب میں تیرے در کو پکڑتا ہوں، اب میں تیرا در چھوڑ کر کسی جگہ اور کسی در پر نہیں جاؤں گا۔

اندازہ لگائیے کہ یہ کیفیت جو اس وقت اس کے اندر پیدا ہورہی ہے یہ اس وجہ سے پیدا ہورہی ہے کہ اللہ نے اس کیفیت کے اسباب پیدا کئے تھے۔ فرمایا کہ

رب اشعث اغبر مدفوع عن الباب

اس کی حالت یہ ہے کہ بال بکھرے ہوئے غبار آلود ہیں۔ ہر دروازے سے دھتکارا جارہا ہے مگر خدا کی نظر میں اس کا مرتبہ کیا ہے؟ فرمایا کہ اللہ کی نظر میں اس کا مرتبہ اتنا بڑا ہے کہ اگر وہ کسی بات پر اڑ جائے اور قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کی لاج رکھ کر اس کی قسم کو پورا کردیتا ہے۔

برگزیدہ بندوں کو بھی آزمایا جاتا ہے | جس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ کی طرف سے کبھی کبھی ناخوشگوار حالات مراتب کو بلند کرنے کیلئے آتے ہیں۔ ورنہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کیسی کیسی آزمائشوں سے گذرے ہیں: کیا نعوذ باللہ وہ اللہ

کے نزدیک مقبول نہیں تھے؟ کیا کوئی بدبخت بھی یہ خیال کر سکتا ہے؟ نعوذ باللہ وہ آزمائشیں ان کے اعمال کا نتیجہ تھیں؟ یا ان کے گناہوں اور بد عملی کا نتیجہ تھیں؟ نہیں، وہ تو نبی ہیں، معصوم ہیں، انہوں نے اپنی زندگی میں کبھی کوئی گناہ نہیں کیا مگر آزمائشوں سے انہیں بھی گزرنا پڑا جس کا نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کے درجات بلند کئے اور عزت و مرتبہ سے نوازا۔ فرمایا کہ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ہم آپ کو امامت کا مقام اور قیادت کا درجہ عطا فرماتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ ناخوشگوار حالات اور مصیبتوں اور آزمائشوں میں اللہ کی مصلحت کبھی مرتبہ بلند کرنا ہوتی ہے کبھی خواب غفلت میں پڑے ہوئے لوگوں کو اٹھا دینا ہوتی ہے اور کبھی مصلحت یہ ہوتی ہے کہ اس کے جتنے بھی گناہ ہیں وہ سب دنیا ہی میں معاف ہو جائیں اور اسکی آخرت بے فکری سے گزر جائے۔

ایسی دعا مانگنے سے بچئے

اس لئے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو یہ دعا مانگتے ہیں کہ اے اللہ! آخرت میں مجھے جو سزا اور جو عذاب ملنا ہے وہ سب کے سب دنیا ہی میں مل جائے تاکہ آخرت میں مجھے کوئی تکلیف نہ ہو۔ مگر بزرگوں نے اس طریقہ سے دعا مانگنے سے منع کیا ہے۔ فرمایا کہ کسی مؤمن کو اجازت نہیں ہے کہ وہ اس طریقہ سے دعا مانگے۔ کیوں؟ فرمایا کہ تم آخرت کا چین و سکون اللہ سے مانگو اور یہ دعا مانگو کہ اے اللہ! مجھے دنیا میں بھی عافیت دے اور آخرت میں بھی عافیت عطا فرما۔ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ نعوذ باللہ جب تک اللہ تعالیٰ دنیا میں عذاب دے کر اپنا بدلہ نہیں چکا لیں گے اس وقت تک ہمیں جنت میں نہیں بھیجیں گے؟ یہ خیال صحیح نہیں ہے۔

کسی شخص نے حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں ایک شعر پڑھا تو مولانا نے فرمایا کہ بھائی! یہ شعر تو بڑا اچھا ہے لیکن مجھے پسند نہیں ہے کیونکہ میرا خیال یہ ہے کہ اس شعر میں بندے کی وہ شان ظاہر نہیں ہوتی جو ہونی چاہئے۔ اس نے یہ شعر پڑھا

تھا فرمایا کہ:

اگر بخشے زہے قسمت، نہ بخشے تو شکایت کیا
سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

اگر آپ راحت دیں گے ہم اس کے لئے تیار ہیں اور اگر آپ عذاب دیں گے تو ہم اس کیلئے بھی تیار ہیں، ہمیں کوئی گلہ شکوہ نہیں ہے۔ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ شعر تو اچھا ہے مگر اس میں جس جذبہ کا اظہار کیا گیا ہے اس میں بندہ کی طرف سے ایک قسم کی بے نیازی معلوم ہوتی ہے اور دربار خداوندی میں کسی کو شان بے نیازی اختیار نہیں کرنی چاہئے۔ آپ کہاں سے ایسے بہادر آگئے جو یہ کہیں کہ اگر بخشے زہے قسمت ہے، نہ بخشے تو شکایت کیا؟ کیا کوئی مقابلہ کا سامان لیکر اللہ کے دربار میں جارہے ہو؟ فرمایا کہ یہ شعر اگرچہ اپنی جگہ قابل تعریف ہے مگر فرمایا کہ مجھے تو عاجزی اور بندگی پسند ہے۔ بے نیازی پسند نہیں ہے۔ پھر مولانا نے اس شعر میں تبدیلی کی اور واقعی وہ انہیں کا مرتبہ تھا جو انہوں نے ایسی بہترین تبدیلی کی۔ فرمایا کہ اس شعر کو اس طرح پڑھو۔ فرمایا کہ

اگر بخشے زہے قسمت، نہ بخشے تو کروں زاری
کہ اس بندہ کی کیوں خواری، مزاج یار میں آئے

کبھی ایسے بھی سوچئے یہ سوچتے ہی کیوں ہو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں عذاب دے گا؟ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ اللہ تعالیٰ کو ہمیں عذاب میں مبتلا کرکے اپنے جذبات کو تھوڑا ہی تسکین دینا ہے؟ وہ تو ہمارے گناہوں کو معاف کر کے بھی ہمیں بخش سکتا ہے۔ لیکن اللہ کی جانب سے خاص بندوں کیلئے کبھی کبھی اسکا انتظام ہوتا ہے کہ ان کے جتنے گناہ ہیں ان کا کفارہ دنیا ہی میں ادا ہو جائے چنانچہ وہ بیمار پڑتا ہے۔ گناہ معاف ہوتا ہے۔ فاقہ میں مبتلا ہوتا ہے گناہ معاف ہوتا ہے۔ کسی اور مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے۔ گناہ معاف ہوتا

ہے۔ اب جب یہ آخرت میں پہنچے گا تو ایسا معلوم ہوگا کہ وہ بالکل اس طرح سے غسل کر کے آیا ہے کہ کسی گناہ کا داغ دھبہ نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس پر مصیبت ڈال کر کے اس کی ساری خطائیں دنیا ہی میں معاف کر دیں۔

میرے دوستو! اگر کسی کامل مومن کو یہ بات معلوم ہو جائے تو میرا خیال یہ ہے جب اس پر کوئی مصیبت آئے گی تو وہ دونوں ہاتھوں سے اسے چومے گا اور پیار کرے گا کہ اس کی بدولت شاید میرے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

آمدم برسر مطلب خطبہ میں میں نے یہ آیت پڑھی تھی۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ

جو کوئی مصیبت کسی پر آتی ہے تو وہ اللہ کے حکم سے آتی ہے۔ اور جب اللہ کے حکم سے آتی ہے تو یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ فلاں تو پکا مومن تھا، پکا مسلمان تھا، بڑا نیک کام کرتا تھا پھر کیوں مصیبت میں گرفتار ہو گیا؟ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام، اولیاء اللہ اور بزرگان دین بڑی بڑی آزمائشوں سے گذرے ہیں۔ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر یاد آ گیا۔ انھوں نے تو اس کو بزرگی کا کوائف قرار دیا ہے فرمایا کہ

بلا کے تقاضائے کریم
نام اور اثر اولیاء نہ کریم

ہم اپنے دوستوں کی فہرست میں کسی شخص کا نام اس وقت تک نہیں لکھتے جب تک کہ وہ آزمائشوں سے، سختی اور مصیبت کی منزلوں سے نہ گذر جائے۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اور محفل سماع حضرت سلطان الاولیاء نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ یاد آ گیا۔ ان کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ بے پناہ لوگ ان کے معتقد تھے یہاں تک کہ جو لوگ ان سے اختلاف رکھتے تھے وہ بھی ان کے مرتبے کے معترف تھے۔ ان کے یہاں محفل سماع ہوتی تھی۔ اور آجکل کا زمانہ تو گاتے بجانے کا

زمانہ ہے اس لئے لوگوں کو یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ان کی محفل سماع گانے بجانے کی آلات پر مشتمل نہیں ہوتی تھی۔ طبلہ اور سارنگی بجانے کا نام محفل سماع نہیں تھا۔ البتہ اتنا ہوتا تھا کہ کچھ اشعار پڑھے جاتے تھے اسی طرح ذکر کا حلقہ بناتے تھے اور کچھ ذکر وغیرہ کیا جاتا تھا تو بعض علماء نے اس کو منع کر دیا۔ لیکن جو لوگ منع کرنے والے تھے وہ بھی حضرت سلطان جی کے مرتبہ اور ان کے مقام سے واقف تھے۔ کہتے تھے کہ یہ خدا کے بڑے مقبول بندہ ہیں لیکن جہاں تک شریعت کا معاملہ ہے ہم ان سے اختلاف رکھتے ہیں۔

ایک باندی کا پیمانہ بزرگی ایک مرتبہ حیدرآباد دکن کے کوئی رئیس ان کے پاس آئے ان کے ساتھ ایک نوکرانی بھی تھی جسکو اس زمانے میں باندی کہتے تھے، معلوم نہیں شرعاً بھی وہ باندی تھی یا نہیں؟ لیکن بہرحال وہ باندی تھی۔ وہ رئیس حضرت سلطان جی کی خدمت میں اسے لیکر آئے اور پیش کر دیا کہ یہ آپ کی خدمت کرے گی، آپ کا کھانا، ناشتہ وغیرہ تیار کرے گی۔ پھر آکر اس رئیس نے اپنی باندی سے کہدیا کہ میں نے تجھے سلطان جی کے حوالے کر دیا ہے، تم ان کی خدمت کرنا۔ باندی نے کہا، آپ نے مجھ سے مشورہ کئے بغیر مجھے سلطان جی کے حوالے کر دیا؟ مجھے یہ بات پسند نہیں ہے، کیونکہ اگرچہ آپ ان کے معتقد ہیں لیکن میں ان کی معتقد نہیں ہوں۔ اس نے کہا، اری بے وقوف ساری دنیا ان کی معتقد ہے پھر تو ان کی معتقد کیوں نہیں ہے؟ باندی نے کہا، میں اس لئے ان کی معتقد نہیں ہوں کہ میرا بھی ایک معیار ہے اس معیار پر حضرت سلطان جی پورے نہیں اترتے۔

اور واقعی اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے بڑا اعلیٰ معیار تجویز کیا، اس نے کہا کہ میرا معیار یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام، اہل بیت رسولؐ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین، اولیاء اللہ، ائمہ مجتہدین سب کے سب بڑی بڑی تکلیفوں اور

مشقتوں سے بڑی بڑی مخالفتوں سے گذرے ہیں۔ انہیں انہی باتوں کی مشقتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے کہ جو ان پر بیتا کرتی تھیں۔

تو میرا یہ خیال ہے کہ سلطان جی اگر رسول اللہ ﷺ کے راستے پر ہیں، اگر اہل بیت کے راستے پر ہیں، اگر صحابہ کرام کے راستے پر ہیں، اگر اولیاء اللہ کے راستے پر ہیں تو ان کے مخالفین بھی ہونے چاہئیں۔ میں نے تو ان کا کوئی مخالف ہی نہیں دیکھا ہے اس لئے میرا یہ خیال ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے طریقے پر نہیں ہیں۔

تمہیں یہ سن کر حیران ہو گیا۔ کہنے لگا کہ تو نے بڑی عجیب بات کہی ہے میں اس کا کیا جواب دے سکتا ہوں لیکن میں نے چونکہ وعدہ کیا ہے اس لئے میں تجھے چھوڑ کر جاتا ہوں، دو چار دن یہیں ٹھہر کر دیکھو اگر تیرا دل نہ لگے تو میں آ جاؤں گا، وہ قیام کرنے لگی۔ اگلے دن علی الصبح جب گھر سے نکلی تو دیکھا کہ پڑوس کے ایک گھر سے دھواں اٹھ رہا ہے وہ اس گھر میں گئی اور جا کر کہنے لگی میں حضرت سلطان جی کی نوکرانی ہوں ان کیلئے ناشتہ تیار کرنا ہے اس لئے تھوڑی سی آگ دے دو۔ پڑوسن نے کہا کہ تو سلطان جی کی نوکرانی ہے؟ اور یہ کہہ کر اس نے حضرت سلطان جی کو بہت سی گالیاں دیں اور ان کی شدید مخالفت اور دشمنی کا اظہار کیا اور کہا کہ آگ تو ہمارے یہاں ہے لیکن سلطان جی کیلئے ہم ایک بھی انگارا نہیں دیں گے۔ نوکرانی چپ چاپ واپس چلی آئی اور کہنے لگی کہ آج مجھے یقین ہو گیا کہ حضرت سلطان جی بھی رسول اللہ ﷺ کے طریقہ پر ہیں۔ آج مجھے پتہ چلا کہ ان کے بھی مخالفین اور دشمن ہیں۔

میرے دوستو! یہ مقبولیت کے خلاف نہیں ہے۔ فرمایا۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ

رضاء خداوندی کی اصل علامت

ہم جسے ہدایت دیتے ہیں تو اس کے دل کو ہدایت دیتے ہیں۔ ہدایت تو ہاتھ پاؤں کو بھی ہوتی ہے لیکن فرمایا کہ اصل ہدایت دل کی ہدایت

ہے۔ ہماری زبان ایمان لاتی ہے، ہمارے ہاتھ پاؤں ایمان لاتے ہیں، ہماری آنکھ ایمان لاتی ہے۔ مگر جب دل ٹٹولا جاتا ہے تو بالکل خالی ہوتا ہے فرمایا کہ

وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ

جو اللہ پر ایمان لاتا ہے تو اللہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے اور جب دل کو ہدایت ملتی ہے تو اسکی علامت اور اسکی پہچان یہ ہوتی ہے کہ ہر مصیبت کو دیکھ کر وہ یہ کہتا ہے کہ خدا نے میرے حق میں بہتر کیا ہے، وہ خدا سے ناراض نہیں ہوتا، وہ خدا کو برا بھلا نہیں کہتا۔ یہ دل کی ہدایت ہے۔

یہ کیسے مسلمان ہیں؟ دلی میں ایک مرتبہ اولہ پڑا اور اولہ پڑنے سے ایک صاحب کا سارا کا سارا باغ برباد ہو گیا، وہ صاحب سبزی منڈی کے اندر مجھ سے کہنے لگے مولانا! میں نے اللہ میاں کا کیا بگاڑا تھا جو میرے باغ کو تباہ و برباد کر دیا؟ میں نے ان سے کہا کہ صاحب! جتنے سال تم اس باغ کا پھل کھاتے رہے کیا کبھی تم نے اس پر غور کیا اور سوچا کہ تم نے کون سا اچھا کام کیا تھا جس کے بدلہ میں تمھیں یہ سب کچھ ملتا رہا؟

میرے دوستو! بعض انسانوں میں خدا کی طرف سے جو یہ ناراضگی پیدا ہوتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دل ہدایت یافتہ نہیں ہے، کیونکہ جب دل ہدایت یافتہ ہوتا ہے تو وہ ہر مصیبت کو اللہ کی نعمت سمجھتا ہے، اپنے حق میں اس کو بہتر سمجھتا ہے، تو میرے دوستو! اللہ تعالیٰ جس کو یہ کیفیت عطا فرما دیتے ہیں اس کی دونوں آنکھیں کھل جاتی ہیں وہ فوراً یہ کہنے لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ مصیبت نازل کر کے میرے اوپر بڑا احسان کیا ہے اگر اللہ کی طرف سے یہ احسان نہ ہوتا تو میرا بڑا نقصان ہو جاتا۔

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کی مختصر کہانی وقت ختم ہو رہا ہے، قرآن کریم کا ایک واقعہ مختصر طور پر عرض کر کے ختم کر دیتا ہوں۔ حضرت موسیٰ اور خضر علیہما الصلوٰۃ والسلام کے درمیان جب معاہدہ ہو گیا اور حضرت خضر علیہ السلام

نے فرمایا کہ بھائی: تم ہمارے ساتھ چلو لیکن میری باتوں پر اعتراض نہ کرنا۔ چونکہ میرا کام اللہ نے اس کائنات میں انتظام برقرار رکھنا ہے اور آپ نبی اور پیغمبر ہیں، آپ کا کام قانونی ہے، میرے کاموں میں جاؤ تو جائز نہیں ہے۔ یہ براہ راست خدا کے حکم کی اطاعت ہے اور آپ کی کتاب میں جو تورات کے احکام ہیں اس لئے آپ میرے کاموں پر اعتراض نہیں کریں گے۔

خیر پہلے ایک کشتی کا واقعہ پیش آیا۔ اس کے بعد وہ دونوں ایک گلی سے گزر رہے تھے، ایک بڑا حسین اور خوبصورت بچہ گلی میں کھیل رہا تھا، حضرت خضر علیہ السلام آگے بڑھے اور اس بچے کو ایک تھپڑ اس طرح سے مارا کہ وہ مر گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دل بے چین ہو گیا۔ فوراً منہ سے یہ الفاظ نکلے فرمایا کہ

اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُكْرًا

قتل اور قتل بھی ایک معصوم بچے کا! نہ یہ بچہ کسی کا قاتل بھی نہیں تھا کہ تم نے اس کے قتل کے بدلے میں اس کو قتل کر دیا؟ یہ تو ایسا کام ہے جسے میں برداشت نہیں کر سکتا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا! اگر آپ برداشت نہیں کر سکتے ہیں تو الگ ہو جائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اچھا ایک موقع اور دے دیجئے۔ چنانچہ وہ دونوں آگے چلے، ایک بستی میں پہنچے۔ بستی والوں نے ضیافت سے انکار کر دیا۔ وہاں ایک دیوار تھی جو گرنے کے قریب تھی، حضرت خضر علیہ السلام نے آگے بڑھ کر اس دیوار کو درست کر دیا۔ یہاں مجھے پورا قصہ بیان کرنا نہیں ہے۔ مختصر طور پر اتنا سمجھئے کہ جب وہ دونوں الگ ہوتے ہیں تو حضرت خضر فرماتے ہیں کہ بھائی! پھر رنجش سے الگ نہیں ہونا چاہئے اس لئے آپ نے جو کچھ دیکھا ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کی وضاحت اور صفائی آپ کے سامنے پیش کر دوں۔ انہوں نے کہا اچھا۔ بتائیے۔ فرمایا کہ۔

وَاَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ

یہ کشتی کے واقعہ کی وضاحت اور صفائی ہے

وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۔ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا

وہ بچہ جسے میں نے قتل کر دیا تھا۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ اس کے ماں باپ خدا اور اس کے رسول کے عاشق تھے۔ پکے مومن تھے۔ ان کے دل میں غیر اللہ کی محبت بالکل نہیں تھی۔ وہ ایمان کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے لیکن جب سے اللہ تعالیٰ نے یہ بچہ انہیں عطا فرمایا ہے روز بروز ان کی محبت خدا سے کم ہو کر بچہ سے زیادہ ہو رہی تھی اور خطرہ یہ تھا کہ اگر یہ رکاوٹ راستے سے ہٹائی نہ جائے تو ان کا دل مکمل طور پر خدا کی طرف سے ہٹ کر بچہ کی طرف چلا جائے گا لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا تھا کہ اس بچہ کے والدین کا مستقبل خراب نہ ہو ان کا ایمان داغدار نہ ہو ان کے ایمان کو نقصان نہ پہنچے اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ اس بچہ کو ختم کر کے اس رکاوٹ کو راستے سے ہٹا دیا جائے جو اس کے والدین کیلئے خدا کی محبت کے درمیان تھی۔ فرمایا کہ

وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۔ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا

حاصل کلام میرے دوستو! اندازہ لگایئے کہ اب جو وہ ماں باپ جب جنت میں پہنچیں گے اور انہیں معلوم ہوگا کہ میرے ایمان کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ میرا بچہ تھا۔ وہ نعمت تو بے شک تھا لیکن وہ نعمت تو ایسی تھی جو ایک نہ ایک دن چھننے والی تھی۔ اگر اللہ تعالیٰ بچپن ہی میں اسے دنیا سے نہ اٹھا لیتا اور اس کی وجہ سے میری آخرت برباد ہو جاتی تو پھر وہ نعمت کس کام کی تھی۔ تو وہ یہ کہے گا کہ اے اللہ! یہ تیرا بہت بڑا احسان ہے کہ تو نے اس رکاوٹ کو دور کر کے ہمارے ایمان کی حفاظت کی۔

اللّٰھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ

وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ اللّٰھم

صل علی سیدنا ومولانا محمد صلوٰۃ تنجینا

بھا من جمیع الاھوال والآفات وتقضی لنا بھا جمیع

الحاجات وتطھرنا بھا من جمیع السیئات وترفعنا

بھا اعلی الدرجات وتبلغنا بھا اقصی الغایات

من جمیع الخیرات فی الحیوٰۃ وبعد الممات

انک علی کل شیء قدیر برحمتک

یا ارحم الراحمین

فضیلت جمعہ

اس کائنات میں جتنی مخلوقات کو پیدا کیا جانا تھا وہ سب کی سب جمعہ کے دن تک پیدا ہو کر جمع ہو گئیں کیونکہ اسی دن تخلیق کائنات کی تکمیل ہو گئی۔ قدرت کو جتنی چیزوں کو پیدا کرنا تھا جمادات، نباتات، حیوانات، اور فلکیات، ارضیات وغیرہ سب کو جمعہ کے دن تک اللہ نے پیدا کر دیا۔ لہذا یہ دن مخلوقات کے اجتماع کا دن ہے اسی وجہ سے مسلمانوں نے اس دن کو سید الایام اور افضل الایام قرار دیا ہے کہ ساری خلقت اور ساری قوم آج کے دن جمع ہو کر اللہ کے حضور میں نماز ادا کریں۔

دوسری وجہ اس کی یہ بھی ہے کہ در اصل عبادت و اجتماع کے لئے وہ دن ہونا چاہئے کہ جس دن اللہ تعالیٰ نے عبادت کرنے والی مخلوق کو پیدا کیا۔ عبادت کرنے والوں سے میری مراد انسان ہے۔ کیونکہ کوئی مخلوق ایسی نہیں ہے جو اللہ کی عبادت اور بندگی نہ کرتی ہو۔ اس کائنات کا ایک ذرہ بھی ایسا نہیں ہے جو خدا کی تسبیح و تحمید نہ کرتا ہو اگرچہ ہم اور آپ ان کی زبان نہیں سمجھتے ہیں۔ اس لئے یہاں عبادت سے میری مراد وہ عبادت ہے جو مکلف اپنے اختیار اور اپنے ارادہ سے کرتا ہے۔ اسی کو درحقیقت عبادت کہتے ہیں۔ (ارشاد حضرت خطیب ملت)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ
عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا
وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا
مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ
وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ
لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا
عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ
وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

جب دنیا میں تشریف لائے تو اس وقت اس دن کو یوم العروبہ کے بجائے یوم الجمعہ ہی کہا جاتا تھا۔

افضل الایام کے انتخاب میں اہل کتاب کی غلطی گذشتہ جمعہ میں نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ ہفتہ میں ایک محترم دن کے انتخاب میں یہود نے بھی غلطی کی نصاریٰ نے بھی غلطی کی اور یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ حضور اکرم ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہود و نصاریٰ نے سید الایام اور افضل الایام کے انتخاب میں غلطی کی۔ یہود نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے چھ دنوں میں اس کائنات کو پیدا کیا۔ اتوار کے دن سے ابتداء کی اور جمعہ کے دن فارغ ہوئے اور ہفتہ کا دن فراغت کا دن تھا۔ تعطیل کا دن تھا اس لئے یہ راحت اور اجتماع کا دن ہے۔ اور نصاریٰ نے یہ کہا کہ چونکہ تخلیق کائنات کی ابتداء اتوار کے دن سے ہوئی ہے اور ہمیں یہ دنیا صرف اتوار کی بدولت ملی ہے اس لئے اتوار کا دن قابل احترام ہے اور یہی دن سید الایام اور افضل الایام ہے۔

اہل اسلام کی اصابت رائے لیکن گذشتہ جمعہ یہ بات رہ گئی تھی کہ مسلمانوں نے اس کے انتخاب میں کوئی غلطی نہیں کی بلکہ صحیح انتخاب کیا ان کے سوچنے کا انداز یہ ہے کہ جس دن قدرت نے تخلیق کائنات کا کام شروع کیا اس دن سے پہلے اجتماع کا دن نہیں تھا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تخلیق کائنات کا کام اتوار کے دن شروع کیا اور یہ کام جمعہ تک جاری رہا اور جمعہ کے دن ختم ہو گیا۔

جمعہ کا مطلب یہ ہے کہ اس کائنات میں جتنی مخلوقات کو پیدا کرنا تھا وہ سب کی سب جمعہ کے دن تک پیدا ہو کر جمع ہو گئیں کیونکہ اس دن تخلیق کائنات مکمل ہو گئی۔ تو اللہ کو جتنی چیزوں کو پیدا کرنا تھا۔ نباتات، جمادات، حیوانات اور ملائکہ و جنات وغیرہ سب کو جمعہ کے دن تک اللہ نے پیدا کر دیا۔ گویا یہ دن مخلوقات کے

اجتماع کا دن ہے اسی وجہ سے مسلمانوں نے اس دن کو سید الایام اور افضل الایام قرار دیا ہے کہ ساری امت اور ساری قوم اس دن جمع ہو کر اللہ کے حضور میں نماز ادا کریں۔

دوسری وجہ اصل یہ بھی ہے کہ جو اصل عبادت و اجتماع کیلئے وہ دن ہونا چاہئے کہ جس دن اللہ تعالیٰ نے عبادت کرنے والی مخلوق کو پیدا کیا۔ عبادت کرنے والوں سے میری مراد انسان ہے۔ کیونکہ کوئی مخلوق ایسی نہیں ہے جو اللہ کی عبادت اور حمد و ثنا نہ کرتی ہو فرمایا۔

وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَٰكِنْ لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ

اس کائنات کا ایک ذرہ بھی ایسا نہیں ہے جو خدا کی تسبیح و تحمید نہ کرتا ہو مگر ہم اور آپ ان کی زبان نہیں سمجھتے ہیں۔ اس لئے یہاں عبادت سے میری مراد وہ عبادت ہے جو مکلف اپنے اختیار اور اپنے ارادے سے کرتا ہے۔ اسی کو در حقیقت عبادت کہتے ہیں

حقیقت عبادت

اور ایک معنی عبادت کے تسبیح و تہلیل اور تعریف و توصیف کرنا ہے۔ یہ ملائکہ اور فرشتے بھی کرتے ہیں۔ پرندے اور درخت بھی کرتے ہیں لیکن اس عبادت میں مکلف کو کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ ملائکہ جس عبادت میں لگے ہوئے ہیں اگر اس کے خلاف کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ ملائکہ و نباتات۔ جمادات۔ تسبیح و تحمید اور جس عبادت پر انہیں لگایا گیا ہے اس پر وہ مجبور ہیں۔ اگر درخت کو اللہ نے کھڑے ہونے کی عبادت پر لگا دیا ہے تو وہ کسی وقت بیٹھ یا لیٹ نہیں سکتا۔ پانی کو اللہ نے بہنے کی عبادت پر لگا دیا ہے تو اسی کام پر لگا ہوا ہے۔ اس کے خلاف نہیں کر سکتا۔ لیکن انسان جس عبادت پر مامور ہے وہ اپنے ارادے اور اپنے اختیار سے اس عبادت کو کرتا ہے۔ اس پر وہ مجبور نہیں ہوتا۔ اگر وہ اس کے خلاف کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

تو عبادت سے مراد وہ عبادت ہے کہ جو ارادہ اور اختیار سے ہو اور وہ اللہ نے

صرف انسانوں کو عطا فرمائی ہے۔ اور جس دن سب سے پہلا انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے ہیں وہ جمعہ کا دن تھا۔

اہمیت یوم الجمعہ اور صرف یہی نہیں کہ جمعہ کے دن پیدا ہوئے بلکہ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جمعہ ہی کے دن پیدا ہوئے۔ جمعہ ہی کے دن انہیں جنت میں جانے کا حکم ملا۔ جمعہ ہی کے دن جنت سے آکر زمین پر آباد ہوئے۔ جمعہ ہی کے دن ان کی توبہ قبول ہوئی اور جمعہ ہی کے دن انہوں نے وفات پائی۔ تو فرمایا کہ عبادت وبندگی کیلئے دراصل وہ دن ہونا چاہیے کہ جس دن اللہ تعالیٰ نے اس مخلوق کو پیدا کیا جو عابد کہلاتی ہے اور وہ جمعہ کا دن ہے۔

معلوم ہوا کہ اس سلسلہ میں یہود ونصاریٰ کا نقطہ نظر صحیح نہیں ہے اور اہل اسلام نے جس دن کا انتخاب کیا ہے وہ حقیقت کے بالکل قریب ہے اسی لئے سرکار دوعالم ﷺ نے اس کی تشبیت فرمائی۔

جمعہ کیلئے جماعت شرط ہے دوسری بات عرض کرنے کی یہ ہے کہ اس دن جو اجتماعی عبادت ہوتی ہے اس میں دو خطبے ہیں اور یہ دو رکعتوں کے قائم مقام ہیں۔ خطبہ کے معنی آتے ہیں "خطاب کرنا" اور ظاہر ہے کہ خطاب در و دیوار سے نہیں ہوتا۔ درختوں سے نہیں ہوتا۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ خطاب کیلئے مخاطب کا ہونا ضروری ہے اسی لئے جمعہ کی نماز کو اجتماعی طریقہ پر ادا کیا جانا ضروری ہے۔ انفرادی طریقہ پر ادا نہیں کی جاسکتی۔ اگر کسی وجہ سے اجتماع نہ ہوسکے تو پھر ظہر کی نماز پڑھی جائے گی۔ جمعہ کی نماز نہیں پڑھی جائے گی۔

نماز جمعہ کیلئے تین اذانیں تیسری بات اس سلسلہ میں میں نے یہ عرض کی تھی کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: "اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ" جب نماز جمعہ کیلئے ندا دی جائے، پکارا جائے جسکو شریعت کی اصطلاح میں اذان کہا جاتا ہے۔ اذان

باپ اور اس کا ماحول اسے یہودی بنادیتا ہے، نصرانی بنادیتا ہے یا مجوسی بنادیتا ہے۔ لہٰذا جو بچہ مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا ہے، جس کے ماں باپ مسلمان ہیں اسے مسلمان بنانے کا کوئی سوال ہی نہیں ہوتا۔ اور اگر بالفرض مسلمان بنانے کا ہی مسئلہ ہوتا تو پھر یہ کہا جاتا کہ بھائی! ایک کان میں کلمہ طیبہ اور دوسرے کان میں کلمہ شہادت پڑھو، جیسے کسی غیر مسلم کو جب آپ مسلمان بناتے ہیں تو اسے کلمہ پڑھاتے ہیں۔

نومولود کے کان میں اذان دینے کی حکمت

بات دراصل یہ ہے کہ شریعت کے جتنے بھی احکام ہیں ان کے نکتوں کو اور ان کے باریکیوں کو درحقیقت وہی لوگ سمجھتے ہیں جنہیں اللہ کی معرفت حاصل ہے اور جو اللہ کے مقبول بندے ہیں۔ یہی لوگ اللہ کے احکامات کی حکمتوں کو صحیح طور پر سمجھتے ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ بچہ کے پیدا ہوتے ہی اس کے کانوں میں اذان دینے اور تکبیر کہنے کی حکمت یہ ہے کہ آنے والے نئے انسان کے کان میں اذان و تکبیر کہہ کر اسے یہ خبر دی جاتی ہے کہ تم کہاں آئے ہو؟ اور یہاں پر تمہیں کتنے دن ٹھہرنے ہیں؟

جسکا مطلب یہ ہے کہ آپ اس کے کان میں اذان و تکبیر کہہ کر گویا یہ بتارہے ہیں کہ اے آنے والے مہمان، تمہاری اذان بھی ہوچکی ہے اور تمہاری تکبیر بھی ہوچکی ہے، اب صرف نماز جنازہ کی جماعت باقی رہ گئی ہے۔ یعنی تمہاری کل زندگی کا وقفہ اتنا ہی ہوگا جتنا کہ اذان و تکبیر کے بعد جماعت کے کھڑی ہونے کیلئے ہوتا ہے۔

(آئے ہوئی اذان، گئے تو ہوئی نماز　　اس مدت قلیل میں آتے چلے گئے) (از مرتب)

بہرحال، میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ہر نماز کے لئے دو اذانیں دی جاتی ہیں لیکن جمعہ کی نماز کیلئے تین اذانیں دی جاتی ہیں۔ تیسری اذان حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں شروع ہوئی اور تمام صحابہ نے اس کو مان لیا اور اس پر اجماع کیا۔

اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کی حقیقت

یہ میں نے اس لئے عرض کیا ہے کہ شریعت

کے احکام میں جہاں یہ دلیل ہے کہ یہ قرآن میں ہے یہ حدیث میں ہے وہاں ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس پر صحابہؓ کا اجماع ہے۔ یعنی تمام صحابہؓ نے جمع ہو کر اس مسئلہ پر اتفاق کرلیا ہے کہ یہاں ایسا ہی ہونا چاہئے۔ اور جس کام پر صحابہ کا اجماع ہو جائے تو اب اگر ساری امت بھی مل کر اس حکم کو بدلنا چاہیں تو نہیں بدل سکتے۔ صحابہؓ کا اجماع بہت بڑی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تیسری اذان شروع ہوئی اور تمام صحابہؓ کا اس پر اجماع قائم ہو گیا ہے۔ اسکی تردید نہیں کی جاسکتی ہے۔

سعی الی الجمعہ

حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ؕ

اے ایمان والو! جب نماز جمعہ کیلئے اذان دے دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو۔ س۔ع۔ی۔ کا معنی ہے "کوشش کرنا" آپ حضرات اس کا مطلب یہ نہ سمجھیں کہ قرآن کریم نے تو فاسعوا کہا ہے لہٰذا آہستہ آہستہ چل کر مسجد نہیں جانا چاہئے بلکہ دوڑ کر جانا چاہئے۔ یہ مطلب غلط ہے۔

لفظوں پر نہ جاؤ

میں اکثر یہ عرض کیا کرتا ہوں کہ قرآن و حدیث کو سمجھنے کیلئے محاورات کو سمجھنا ضروری ہے۔ اس کے بعد ہی مقصود کا صحیح علم ہو سکتا ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی اصول ہے وہ ہمیشہ یہ بتاتے ہیں کہ لفظوں پر نہ جاؤ، منشا اور مقصود کو سمجھو۔ جو لوگ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کرتے ہیں انھیں یہ سمجھ لینا چاہئے۔ مثال کے طور پر ذکر ہیں۔ آپ سے یہ کہوں کہ بندر روڈ (BANDHAR ROAD) صبح کے چار بجے تک چلتی ہے، پھر آپ میں سے کوئی صاحب بندر روڈ پر جاکر بیٹھ جائیں کہ مولانا فرماتے ہیں کہ یہ روڈ صبح چار بجے تک چلتی ہے۔

نہیں بلکہ شوق سے جانے کے ہیں۔

تو فاسعوا کے معنی دوڑنے کے نہیں بلکہ کوشش کرنے کے اور عمل کرنے کے ہیں۔ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ یعنی تم چلنا شروع کرو اللہ کے ذکر کی طرف اور ذکر سے مراد خطبہ جمعہ ہے۔

خطبہ کا ثبوت اور اس کے اقسام سرکار دوعالم ﷺ نے خطبہ کی کئی قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ خطبہ نکاح، خطبہ جمعہ، خطبہ برائے نصیحت۔ قرآن کریم میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ جب آپ لوگوں کو توحید کا وعظ کہیں، توحید کا مفہوم بھی کہیں اور توحید کی تقریر کریں تو تقریر شروع کرنے سے پہلے خطبہ پڑھیں۔ انیسویں پارے کی آخری آیت میں فرمایا۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

تقریر سے پہلے آپ اپنی زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا کریں۔ یعنی مضمون کو شروع کرنے سے پہلے آپ خدا کی حمد اور اس کا شکر ادا کریں پھر اللہ کے برگزیدہ بندوں پر صلوٰۃ و سلام بھیجیں۔ اسی کا نام خطبہ ہے۔ فرمایا کہ

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ءٰۤاللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ
اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

یہاں سے مضمون توحید اور دلائل توحید شروع ہو گئے۔

مولوی اپنے گھر سے نہیں لائے بعض روشن خیال لوگ کہتے ہیں کہ یہ دقیانوسی طریقہ ہے یہ مولویوں کا طریقہ ہے کہ آپ کھڑے ہو کر پہلے الحمد للہ پڑھیں۔ ارے بھائی یہ مولویوں کا طریقہ نہیں ہے۔ مولوی اپنے گھر سے نہیں لائے ہیں بلکہ انہوں نے سرکار دوعالم ﷺ کی پیروی کی ہے اور آپ ﷺ نے قرآن کریم کی پیروی کی ہے اس سے آپ حضرات جو مختصر ترین خطبے سنتے ہوں گے اس کے بعد یہی الفاظ ہیں۔

تھے ہم اور آپ اسے بھی ادا کرنے کیلئے وقت نہیں نکالتے۔ یہی فرق ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ ہم پر چار رکعتیں فرض ہیں اور ان پر سولہ یا بیس رکعتیں فرض تھیں بلکہ جو تیس دن کے روزے فرض ہیں اور ان پر بھی تیس دن کے روزے فرض تھے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ماکانوا اکثر صلوۃ ولا صیاما ولکن شئ وقر فی القلب

صحابہ کرام پر بھی یہی نمازیں فرض تھیں۔ یہی روزے فرض تھے جو ہم اور آپ پر فرض ہیں لیکن ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے دین کی محبت اس طرح گاڑ دی تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ محبت ان کے خون کے ساتھ رگوں میں سرایت کر گئی ہے۔ ہمارا معاملہ دین کے ساتھ سے وعظ و پکار کا معاملہ ہے جبکہ صحابہ کرام کے ضمیر میں اور ان کے خون کے اندر دین کی محبت داخل ہو گئی تھی۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ | حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ایک بڑے صحابی ہیں۔ ان کا واقعہ لکھا ہے کہ ان کے پاس ایک باغ تھا جس میں بہت پھل آیا ہوا تھا۔ ایک دن وہ اپنے باغ کے اندر عصر کی نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک ایک پرندے کے پھڑپھڑانے کی آواز آئی اور باغ اتنا گھنا تھا کہ اسے باہر نکلنے کا راستہ نہیں مل رہا تھا۔ اس کی وجہ سے نماز میں یہ خیال آیا کہ میرا یہ باغ کتنا پھلدار ہے اور کس قدر سرسبز و شاداب ہے کہ پرندہ باہر نکلنا چاہتا ہے مگر باغ اس قدر گھنا ہے کہ نکل نہیں پا رہا۔ لیکن پھر فوراً خیال آیا کہ یہ خیالات نماز کے اندر مناسب نہیں ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھ کر نماز سے فراغت کے بعد حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا اور فرمایا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں اس باغ کو اللہ کی راہ میں دے دینا چاہتا ہوں۔ کیونکہ وہ باغ جو نماز کے اندر مجھے خدا کی یاد سے غافل کر دے میں اسے اپنے پاس نہیں رکھنا چاہتا۔

ہوا اس لئے کہ یہ جو میں نے کہا کہ خطبہ نماز کے بعد ہوا کرتا تھا۔ یہ بعض حضرات سے
ہے لیکن بعض دوسرے حضرات کا کہنا یہ ہے کہ شروع سے ہی یہ دونوں خطبے نماز
سے پہلے ہوتے تھے مگر صحابہ یہ نہیں جانتے تھے کہ اس کی حیثیت نماز کی حیثیت ہے جب
یہ آیت نازل ہوئی تو معلوم ہوا کہ اس کا سننا واجب ہے دوران خطبہ اگر کوئی تم سے سوال
کرے تو خود سے چپ کرادے جواب نہ دے۔ بولنا جائز نہیں۔ کھانا پینا جائز نہیں
سلام کرنا جائز نہیں۔ سلام کا جواب دینا جائز نہیں کوئی اور کام کرنا جائز نہیں۔

درود پڑھنا بھی درست نہیں | یہاں تک کہ جب سرکار دوعالم ﷺ کا نام نامی
اسم گرامی آئے تو درود پڑھنا بھی درست نہیں ہے۔ حالانکہ ایک مسلمان کیلئے آپ
کے نام کی سب سے بڑی تعظیم یہی ہے کہ آپ ﷺ پر درود بھیجے
"صلی اللہ علیہ وسلم" کہے یا اللھم صلی علی محمد وعلی ال محمد
کما صلیت علی ابراھیم وعلی ال ابراھیم انک حمید مجید پڑھے یا
کوئی اور درود پڑھے۔ یہ سرکار دوعالم ﷺ کے نام کی سرکاری تعظیم ہے۔

سرکاری تعظیم | سرکاری تعظیم سے میری مراد یہ ہے کہ تعظیم کا یہ طریقہ خود شریعت
نے ہمیں بتایا ہے۔ بلکہ یہاں تک کہا ہے کہ جو لوگ حضور اکرم ﷺ کا نام نامی اسم
گرامی سنیں اور آپ پر درود نہ بھیجیں وہ بخیل ہیں۔ اور اس وقت جب اللہ تعالیٰ کی
رحمت عام ہوگی یہ لوگ اللہ کی رحمت سے محروم رہیں گے کیوں؟ اس لئے انہوں نے
حضور اکرم ﷺ کے ساتھ بخل کیا۔

ترجمۂ قرآن کیلئے شرط اولین | فرمایا کہ
إِذَا نُودِيَ لِلصَّلٰوةِ مِن يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ
کاروبار چھوڑ دو اور ذکر اللہ کیلئے سعی کرو۔ جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ قرآن
کریم کا ترجمہ محاورے کو سمجھے بغیر نہیں کر سکتے۔ قرآن کریم نے کہا۔

بالکل حاجت نہیں ہے۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز میں آپ سے یہ دریافت کرتا ہوں کہ اگر آپ بڑے حاکم ہوگئے، اگر آپ وزیر ہوگئے، اگر آپ وزیر اعظم ہوگئے، اگر آپ صدر ہوگئے تو آپ کی شان میں یہ فرق آ جاتا ہے لیکن آپ نے امریکہ کے صدر کو دیکھا ہوگا کہ کتنی بڑی شخصیت ہے۔ لیکن جب وہ ہندوستان آیا ہے تو اتوار کے دن وہ دہلی کے اندر تھا وہاں ان کے لئے گرجا میں انتظام کیا گیا اور وہ وہاں گیا۔ برطانیہ کی موجودہ ملکہ اور ان کا شوہر دونوں جب پاکستان آئے تھے تو اتوار کے دن پشاور کے اندر تھے۔ وہاں ان کیلئے سرکاری طور پر گرجا میں جانے کا پروگرام تھا۔ اب آپ مجھے بتائیے کہ گرجا میں جانے سے ان کی شان میں کوئی فرق آیا؟ اتنے بڑے عہدے کے باوجود بھی ان کی شان میں فرق نہیں آیا تو معاف کیجئے ہماری اور آپ کی شان ہی کیا ہے جس کے اندر فرق آتا ہے۔

جمعہ کی تعطیل بعض لوگ جب ذرا اونچے درجے کے افسر ہو جاتے ہیں تو بیٹھے ہوئے کام کرتے رہتے ہیں ادھر نماز ہوتی رہتی ہے اور جماعت ہوتی ہے۔ [illegible] ان کی وجہ سے رکے رہتے ہیں لیکن وہ یہ نہیں سوچتے کہ میں تو خود نماز نہیں پڑھتا ہوں ساتھ ساتھ دوسروں کیلئے بھی نماز سے رکاوٹ بن رہا ہوں۔ اسی لئے ہمیشہ سے مسلمانوں کا یہ فیصلہ رہا ہے کہ جمعہ کا دن تعطیل اور چھٹی کا دن ہے۔ کاروبار بھی بند، دفاتر کی بھی چھٹی، وہ تمام مصروفیتیں بند جو نماز میں مانع ہوتی ہوں، رکاوٹ بنتی ہوں، کیونکہ قرآن کریم نے کہا ہے "فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع" ترجمہ: تمام کاروبار اور مشغلے ترک کر دو جو اللہ کے ذکر میں رکاوٹ بنتے ہوں۔ تو ہم نے پاکستان کے اندر ہمیشہ سے حکومتوں کا یہ مطالبہ رہا ہے کہ چھٹی ہونی چاہئے اتوار کے دن نہیں جمعہ کے دن ہونی چاہئے۔

ایک ہی اذان میرے بھائی! جس اذان سے کاروبار رک جائیں وہ تمام چیزیں حرام ہو جاتی ہیں

معتبر نہیں ہے۔ اور وہ مجھ سے بیعت ہوتے ہیں۔ اگر ہم ان سے کچھ خریدیں تو ہو سکتا ہے
کہ ان کی رائے میں ان کی محبت کا دخل ہو جائے اور بات تقویٰ کی راہ سے ہٹ جائے۔
اس لئے ان سے استفادہ نہیں کرنا چاہئے غیروں سے کرنا چاہئے۔

احتیاط کا پہلو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ تقویٰ اور احتیاط کا تقاضہ یہی ہے کہ مذکورہ
آیت میں اذان سے مراد پہلی اذان لیں جس سے تمام مشاغل اور کاروبار کو حرام قرار دیں
بلکہ بعض فقہاء نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اس اذان کے بعد جو کاروبار کیا جائے گا وہ
از روئے شرع درست ہی نہیں ہوگا۔ مثلاً کسی نے اذان کے بعد بکرا خریدا تو فرمایا کہ
بیچنے والے کی ملکیت میں قیمت باقی ہے اور نہ خریدنے والے کی ملکیت میں وہ بکرا گیا
ہے۔ اگرچہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ معاملہ تو از روئے شرع درست
ہو جائے گا البتہ بیچنے والا اور خریدار دونوں گنہگار ہوں گے۔ اس لئے ہمارے اور آپ
کے اوپر ضروری ہے کہ ہم اس کا خاص اہتمام کریں۔

یہ چند باتیں تھیں جو عرض کی گئیں اس سلسلہ کی بعض باتیں اور رہ گئی ہیں
جو انشاء اللہ پھر عرض کی جائیں گی۔ وقت ختم ہو گیا ہے۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور
آپ کو سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه

وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه اللهم

صلی علی سیدنا ومولانا محمد صلوۃ تنجینا

بها من جمیع الاهوال والآفات وتقضی لنا بها

الحاجات وتطهرنا بها من جميع السيئات وترفعنا

بها اعلى الدرجات وتبلغنا بها اقصى الغايات

من جميع الخيرات في الحيوة وبعد الممات

انك على كل شيء قدير برحمتك

يا ارحم الراحمين

مقامِ نبوت و ولایت

کامل درجہ کا عمل وہ ہے جس میں خدا اور مخلوق دونوں کے تقاضے ایک ساتھ پورے ہوں۔ ہمارے اور آپ کے اور نبی کے عمل میں یہی فرق ہے۔ معاف کیجئے گا۔ ہماری اور آپ کی مثال اس شخص کی سی ہے جو صرف ایک آنکھ سے دیکھتا ہے۔ جب ہم اپنے بچوں کا حق ادا کرنے کیلئے کمائی میں لگ جاتے ہیں تو بس۔ کمائی میں لگ گئے۔ نماز غائب، تلاوت غائب، روزہ غائب، رمضان غائب، دین سے ہٹ کر مکمل طور پر دنیا کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اور جب ہم دین کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو پھر حقوق العباد کا کوئی خیال ہمیں نہیں رہتا۔ بعض عورتیں شکایت کرتی ہیں کہ ان کے شوہر بڑے دیندار ہیں لیکن صبح نکلے ہوئے گھر سے غائب رہتے ہیں۔ ساری رات نہیں آتے۔ ہم بیچارے دروازہ کھولے ہوئے ان کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں۔ یاد رکھئے! یہ دینداری نہیں ہے۔ یہ سرکار دو عالم ﷺ کا طرز عمل نہیں ہے۔

مقامِ نبوت و ولایت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ
وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا
وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا
مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ
وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ
لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا
عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ
وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

الزام کیلئے قرینہ چاہیئے میں نے گذشتہ جمعہ یہ عرض کیا تھا کہ آدمی کو الزام دیتے ہوئے بھی کچھ لحاظ ہونا چاہیئے۔ اگر خوشی کی کوئی خبر سن کر آپ رونے لگیں یا غم کی کوئی خبر سن کر آپ خوشی کے مارے رقص کرنے لگیں تو ساری دنیا فکر یہ کہے گی کہ ان کا دماغی توازن صحیح نہیں ہے یہ دیوانہ ہے۔ کیونکہ خوشی کی بات پر خوش ہونا اور غم کی بات پر غمگین ہونا یہ اس بات کی نشانی ہے کہ اس کے احساسات صحیح کام کر رہے ہیں۔ اور جب کسی کے احساسات صحیح صحیح کام کر رہے ہوں تو اس پر کوئی الزام دینے کا جواز نہیں رہتا

اخلاق نبوی ﷺ کی عظمت جو لوگ حضور اکرم ﷺ کو نعوذ باللہ مجنون کہتے تھے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کی تردید ان الفاظ میں فرمائی ہے فرمایا کہ۔

انک لعلیٰ خلق عظیم

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "کان خلقہ القرآن"

یعنی سرکار دو عالم ﷺ کی پوری حیات طیبہ اور آپ کے کریمانہ اخلاق وہی ہیں جو قرآن میں بیان کئے گئے ہیں۔ تو آپ ایمانداری سے بتایئے کہ جن کے کریمانہ اخلاق بہت اعلیٰ ہوں اور اخلاق کا مطلب یہ ہے کہ ہر چیز اپنے اپنے محل میں ہو۔ خوشی اپنے محل میں ہو اور غمی اپنے محل میں ہو تو کون ایسا پاگل ہوگا جو ان پر الزام لگائے گا؟

فرزند رسالتمآب ﷺ کی وفات حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ کے ایک صاحبزادے جو حضرت ماریہ قبطیہؓ سے تھے جن کا نام حدیث میں ابراہیم بیان کیا گیا ہے۔ عرب کے دستور کے مطابق جب ان کو کسی گھرانے کے اندر تربیت اور پرورش کے لئے دے دیا گیا تھا تو اچانک ان کی طبیعت خراب ہو گئی۔ نزع کا عالم طاری ہو گیا۔ خبر دینے والے نے حضور ﷺ کو خبر دی کہ صاحبزادے کی حالت نازک ہے آپ فوراً تشریف لے چلیں۔ حضور ﷺ تشریف لے گئے اور جا کر آپ ﷺ نے

حضرت فضیل بن عیاض علیہ الرحمہ کی سرگذشت

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقعہ پر ایک ولی حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ بیان کیا ہے۔ یہ سلسلہ چشتیہ کے بہت بڑے بزرگ اور ولی اللہ ہیں۔ لیکن ان کی جوانی کا زمانہ بے انتہا لاپرواہی میں گذرا۔ چوروں کے ساتھ رہتے تھے۔ چوری کرتے اور ڈاکہ ڈالتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نوجوان لڑکی کو دیکھکر اس پر فریفتہ ہوگئے اور اعلان کردیا کہ آج اس زندہ مال میں ڈاکہ ڈالا جائے گا۔ لوگ سب کے سب سہم گئے کہ آج ہماری جان محفوظ نہیں ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض اپنے ارادے کے مطابق مکانوں کی چھتوں کے اوپر سے پھلانگتے ہوئے اس مکان میں جانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جس میں لڑکی رہتی تھی۔ رات کا وقت ہے۔ بالکل سناٹا چھایا ہوا ہے۔ خدا کی شان دیکھئے کہ اللہ کا ایک بندہ قرآن کریم کی تلاوت کر رہا ہے ان کے کان میں آواز آئی جس سے یہ سمجھے کہ شاید کوئی میرے خلاف باتیں کر رہا ہے انہوں نے اس آواز کی طرف کان لگایا۔ بس، کان لگانا تھا کہ پڑھنے والے نے یہ آیت تلاوت کی۔

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ

اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تیرا دل اللہ کے ذکر کے آگے جھک جائے بس، یہ سننا تھا کہ دل گھبرا گیا، ایسا معلوم ہوا کہ جیسے یہ آیت ابھی ابھی اللہ تعالیٰ نے فضیل بن عیاض کیلئے ہی نازل فرمائی ہے۔ فوراً بے اختیار ان کی زبان سے یہ جملہ نکلا "بلی یارب قدآن" ہاں، اے میرے پروردگار، وقت آگیا، میرا دل جھک گیا، اور اب میں توبہ کرتا ہوں کہ آئندہ سے کوئی گناہ نہیں کروں گا۔ اور لکھا ہے کہ اتنا روئے اتنا روئے کہ فرش زمین آنسوؤں سے تر ہوگیا۔ اللہ کے یہاں

رمضان غائب۔ دین سے ہٹ کر مکمل طور پر دنیا کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ وہ جب بھی دین کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو پھر حقوق العباد کا کوئی خیال انہیں نہیں رہتا۔

بغیر اطلاع کے گھر سے غائب رہنا دینداری نہیں ہے بعض عورتیں شکایت کرتی ہیں کہ ان کے شوہر بڑے دیندار ہیں لیکن بغیر اطلاع کئے ہوئے گھر سے غائب رہتے ہیں۔ ساری رات نہیں آتے۔ گھر والے دروازہ کھولے ہوئے ان کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں۔ یاد رکھیئے! یہ دینداری نہیں ہے۔ یہ سرکارِ دوعالم ﷺ کا طرزِ عمل نہیں ہے۔

حضور ﷺ کا کریمانہ اخلاق سرکارِ دوعالم ﷺ کا طرزِ عمل تو یہ کہ ایک دفعہ رات کے وقت گھر تشریف لے جاتے ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے مہمان ہیں۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا تھا کہ بھائی! میرے گھر میں کھانے پینے کا کوئی اور سامان تو ہے نہیں۔ البتہ بکری ہے اسکا دودھ دوھ کر پی لیا کرو اور میرے لئے بھی رکھ دیا کرو۔ ایک دن حضور ﷺ کو اتفاق سے آنے میں دیر ہو گئی تو حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے یہ سوچا کہ آج شاید حضور ﷺ کی دعوت ہے اس لئے وہ سارا دودھ پی گئے۔ تھوڑی دیر میں حضور اکرم ﷺ تشریف لائے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ ڈر کے مارے جا کر چپ چاپ لیٹ گئے جیسے سو رہے ہیں۔

حدیث میں آتا کہ حضور ﷺ تشریف لائے "اور فتح الباب رویدا واغلق الباب رویدا" سبحان اللہ! یہ ہے تہذیب، آپ ﷺ نے نہایت آہستہ سے دروازہ کھولا کہ کہیں مہمان کی آنکھ نہ کھل جائے اور آہستہ سے دروازہ بند کیا اور آہستہ سے سلام کیا کہ اگر جاگ رہے ہوں تو سن لیں اور اگر سو رہے ہوں تو میرے سلام سے آنکھ نہ کھل جائے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے چپکے سے سلام کا جواب دیا لیکن ڈر کے مارے یہ ظاہر نہیں کیا کہ میں جاگ رہا ہوں۔ حضور ﷺ

برتن کی طرف تشریف لے گئے اور دیکھا تو دودھ نہیں ہے۔ تو دل میں خفا نہیں ہوئے۔ بلکہ ہاتھ اٹھائے اور فرمایا۔ "اللھم اطعم من اطعمنی"

اے اللہ اس وقت مجھے بھوک لگی ہوئی ہے۔ جو میرے پیٹ بھرنے کا ذریعہ بن جائے تو تو خوشحالی عطا فرما۔ سبحان اللہ! کیا کریمانہ اخلاق تھے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ کا دعا مانگنا تھا کہ مجھے یقین ہو گیا کہ نبی کی دعا تو خالی نہیں جا سکتی لہذا میں اٹھا اور جا کر بکریوں کے تھنوں کو دیکھا جس سے ابھی ابھی میں دودھ نکال چکا تھا میں نے دیکھا کہ تھن دودھ سے بھری ہوئی ہے۔ میں نے دودھ نکالا حضور اکرم ﷺ کو پیش کر دیا۔ یہ ہے وضعداری۔

معنی وضعداری کیا ہے؟

یاد رکھئے وضعداری کے معنی یہ ہیں کہ ایک طرف مخلوق کا حق ادا کرو اور دوسری طرف خالق اور خدا کا حق ادا کرو۔ جب تک ہماری زندگی میں یہ توازن اور یہ بیلنس (BALANCE) پیدا نہیں ہوگا اس وقت تک ہماری زندگی کامل اور اعلیٰ درجے کی نہیں ہوگی۔

نبوت و ولایت کا تقابلی جائزہ

حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں وجہ کمال یہی ہے کہ آپ نے یہ دونوں حقوق ادا کئے۔ ایک طرف عبد ہونے والے بیٹے کا حق بھی ادا کیا اور دوسری طرف خالق کا حق بھی ادا کیا۔ لیکن ہمارے ولی حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ کا حق تو ادا کیا اور اللہ کی مرضی میں اتنے مستغرق ہوئے اتنے مستغرق ہوئے کہ عبد ہونے والے بیٹے کا حق ادا نہیں کیا۔ حضرت فضیل ابن عیاض کے عمل میں یہ کمی اور یہ نقص پیدا ہو گیا تھا کہ انہوں نے مخلوق کا حق ادا نہیں کیا۔

اسلامی تہذیب کی قدر کیجئے

معلوم ہوا کہ قیامت تک حضور اکرم ﷺ کے عمل سے، آپ کی عبادت سے، آپ کے اخلاق سے، اور آپ کی تہذیب و تمدن سے بہتر نہ آپ تہذیب پیش کر سکتے ہیں نہ تمدن پیش کر سکتے ہیں۔ اس زمانے میں لوگوں نے

پیری مریدی کی حقیقت

انسان کی اصل شرافت اس کے حسن اخلاق میں ہے۔ اور فرمایا کہ اگر تمہاری زبان اچھی ہے تو تم اعلیٰ درجے کے انسان ہو۔ اگر تمہارا قلب اچھا ہے تو تم اعلیٰ درجے کے انسان اور معصوم ہو۔ انسانیت دراصل سیرت کا نام ہے صورت کا نام نہیں ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے جو تمدن میں سے انسانوں کی ایک جماعت بنائی کیسے بنایا؟ کیا آج ہم اور آپ اس زمانہ میں کوشش نہیں کر سکتے؟ آج ہم اور آپ دیکھتے ہیں کہ ہر جگہ اس بات کا رونا رویا جاتا ہے کہ ہر چیز میں ملاوٹ ہو گئی ہے۔ اور اس قسم کی چیزوں کو بند کرنے کیلئے کہتے ہیں کہ آج ایک سو غنڈے پکڑے گئے، آج چار سو غنڈے پکڑے گئے آج آٹھ سو پکڑے گئے، آج ایک ہزار پکڑے گئے۔ اور مجھے ایسا لگتا ہے کہ سارا کا سارا ملک ہی کہیں غنڈہ ہو جائے۔ لیکن آپ ایمانداری سے بتائیے کہ کیا بے ایمانی، بددیانتی اور خیانت ختم ہو گئی؟

پیری مریدی کی حقیقت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ
وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ
وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ
اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ
فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ
وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ
وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ
مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

إِذَا السَّمَآءُ انفَطَرَتْ ۝ وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انتَثَرَتْ ۝ وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝ وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ ۝ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ ۝ يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ۝ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ ۝ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُونَ بِالدِّينِ ۝ وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِينَ ۝ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ۝ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ۝ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ۝ يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ ۝ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ۝ ثُمَّ مَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ۝ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ ۝

سُورَةُ الْانْفِطَار

صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيمُ وَصَدَقَ رَسُولُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيمُ
وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ وَالشَّاكِرِينَ
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

نقش اولین | بزرگان محترم اور برادران عزیز! آج جس جلسہ میں ہم اور آپ جمع ہیں یہ ایک تبلیغی اور اصلاحی جلسہ ہے۔ جسکی غرض و غایت اور جس کا مقصد اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو پہنچانا اور دین کے وہ اصول اور وہ احکام بیان کرنا ہے جن سے ہماری اور ہمارے معاشرہ کی اصلاح ہوسکے۔ بالخصوص اس زمانے میں جبکہ ہم اور آپ اپنے جسم و قالب کو اور اپنے بدن کو خوبصورت اور حسین بنانے میں مصروف ہیں اگر آپ کراچی میں دیکھیں تو یہاں آپ کو ایسی دکانیں ایسے ادارے اور ایسی جگہیں مل جائیں گی جہاں جاکر لوگ اپنے بالوں کو حسین بناتے ہیں جہاں جاکر لوگ اپنے جسم کو

نسبت کے فائدے کی نفی فرمائی۔

دوسری شہادت (دلیل) دوسرا موقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بغرض نصیحت خطاب کرتے ہوئے فرمایا، اس کے الفاظ یہ ہیں:

یا فاطمة انقذی نفسک من النار فانی لا اغنی عنک من اللہ شیئا

اے فاطمہ! آتش جہنم سے بچنے کیلئے تم اپنے عمل سے کوشش کرنا، یہ سمجھ کر میں نبی کی بیٹی ہوں، میں تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ اب آپ اندازہ لگایئے کہ حضور اکرم ﷺ یہ بات اپنی صاحبزادی کے بارے میں فرمارہے ہیں جنکو اتنی بڑی نسبت حاصل ہے کہ صرف نبی یا پیغمبر ہی کی نہیں بلکہ نبی الانبیاء کی بیٹی ہیں۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں نجات ایمان اور اعمال صالحہ پر ہے۔

فیصلہ خود کیجئے اب آپ بتایئے کہ دنیا میں وہ کونسا پیر اور کونسا شیخ ہے کہ جس سے نسبت حاصل ہو جانے کی وجہ سے آپ عمل سے مکمل طور پر فارغ ہوگئے؟ اب آپ کو کچھ نہیں کرنا ہے۔ اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اپنے آپکو درست کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا بیڑا پار ہوگیا۔ ان کے متعلق ہمارے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں نے فرمایا کہ۔

راہبر تو بس بتا دیتا ہے راہ

رہ چلنا راہرو کا کام ہے

یہی وجہ ہے کہ اس سلسلے میں لوگوں کو بڑی غلط فہمیاں ہوگئی ہیں جنکی وجہ سے لوگوں نے پیری مریدی کو بھی بدنام کر دیا۔ سمجھنے لگے پیری مریدی دنیا میں سب سے بڑی چیز ہے، حالانکہ یہ بُری نہیں ہے۔

پیری مریدی کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی وجہ اصل میں یہ ہے کہ لوگ پیری

مریدی کا مطلب نہیں سمجھے ہیں، پیری مریدی کا کام نہیں سمجھے ہیں۔ پیری مریدی درحقیقت دو ایسے آدمیوں کے درمیان ایک معاہدہ ہے جن میں سے ایک آدمی واقف ہے اور ایک آدمی ناواقف ہے۔

جیسے کوئی شخص لندن (LONDON) سے چل کر کراچی آئے اور یہاں آکر اپنے ساتھ کسی گائیڈ (GUIDE) اور رہبر کو ساتھ لے لے اور یہ کہے کہ بھائی میں کراچی کے سڑکوں اور اس کے گلی کوچوں سے ناواقف ہوں۔ یہاں کے قواعد وضوابط اور اصول سے ناواقف ہوں اور تم واقف ہو، یہاں کے رہنے والے ہو اس لئے تم میرے ساتھ رہو تم بتاتے جانا اور میں تمہارے بتائے ہوئے طریقوں پر راستوں پر چلتا رہوں گا... تو دو آدمی کے درمیان جو معاہدہ ہوتا ہے وہ اس بات کا ہوتا ہے کہ تم ناواقفیت کے موقعہ پر ہم سے پوچھنا اور ہم اس موقعہ پر تمہیں اپنے تجربہ سے فائدہ پہنچائیں گے اور تمہیں راستہ بتائیں گے۔ پیر و مرید کے درمیان بھی یہی معاہدہ ہوتا ہے۔

عصر حاضر میں پیری مریدی کا مفہوم لیکن اس زمانہ میں لوگوں نے پیری مریدی کا یہ مطلب سمجھ لیا ہے کہ پیر صاحب جب اپنا سہ ماہی، ششماہی یا سالانہ ٹیکس (TAX) وصول کرنے کیلئے آتے ہیں اور ہم ٹیکس ادا کر دیتے ہیں تو بس، سیدھے جنت میں پہنچ جائیں گے۔ علامہ اقبال مرحوم نے بھی ایسے پیروں کی خبر لی ہے۔ اپنی کتاب میں ایک عنوان مقرر کیا ہے "پیر و مرید" اس کے تحت فرمایا ہے کہ ؎

ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی　||　گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن
نذرانہ نہیں! سود ہے پیران حرم کا　||　ہر خرقۂ سالوس کے اندر ہے مہاجن!

فرمایا کہ یہ جو ٹیکس وصول کرتے ہیں یہ دراصل رشوت اور سود ہے، ہدیہ نہیں ہے!

ملفوظات گنگوہیؒ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آجکل پیروں کا حال یہ ہو گیا ہے کہ اگر کوئی شخص مسافر میں ہاتھ ڈال کر سر جھکا رہا ہو تو پیر

صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ نوٹ نکال رہا ہے ہمیشہ دل ادھر ہی لگا رہتا ہے۔ فرمایا کہ ۔

تعداد نہیں آسودہ ہے پیران حرم کا || ہر خرقۂ سالوس کے اندر ہے مہاجن،
میراث میں آئی ہے انہیں مسند ارشاد || زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن،

ان گھونسلوں کے اندر یہ بیٹھے ہوئے ہیں وہ گھونسلے کووں کے نہیں ہیں، چیلوں کے نہیں ہیں، گدھوں کے نہیں ہیں لیکن آج ان گھونسلوں میں گدھ بیٹھے ہوئے ہیں۔ کوے بیٹھے ہوئے ہیں۔ کسی زمانے میں ان میں شاہین اور عقاب بیٹھا کرتے تھے، اس مقام پر اللہ والے بیٹھ کر انسانوں کی اصلاح کیا کرتے تھے ان کے بعد آج ہم جانشین اور گدی نشین بن گئے ہیں۔ فرمایا کہ ۔

میراث میں آئی ہے انہیں مسند ارشاد   زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن،

علامہ اقبال کی مراد علامہ اقبال مرحوم نے جو شکایت کی ہے یہ ان پیروں کی ہے جو ناجائز قسم کے پیر ہیں، جو در حقیقت پیری مریدی کے مقصد کو نہیں سمجھتے ہیں بلکہ تحصیل اور وصول کے بارے میں سمجھے ہیں کہ یہ پیری ہے، حالانکہ یہ بات نہیں ہے، پیری مریدی در اصل دونوں کے درمیان ایک معاہدہ کا نام ہے۔

پیر صاحب کی ذمہ داری لیکن یاد رکھئے، جیسے چوراہے پر کھڑا ہوا ٹریفک پولیس (TRAFFIC POLICE) والا آپ کو بتاتا ہے کہ یہاں سے آپ سیدھے چلے جائیے۔ آگے جا کر آپ کو پیلے رنگ کی ایک عمارت ملے گی۔ اس عمارت سے ملا ہوا ایک مکان ہے وہی آپ کی منزل ہے جہاں آپ جانا چاہتے ہیں۔ وہ آپ کو گود میں اٹھا کر وہاں تک نہیں پہنچائے گا۔ اس کا کام صرف راستہ بتانا ہے۔ اسی طرح سے پیر صاحب کوئی حمال اور مزدور نہیں ہیں جو آپ کو کندھے پر بٹھا کر جنت میں چھوڑ آئیں۔

فرمایا کہ راہبر تو بس بتا دیتا ہے راہ || راہ چلنا راہرو کا کام ہے
جبکہ رہبر کے چلے گا دوش پر || یہ تو راہرو کا سہل انگار نام ہے

وہ تم کو جنت میں چھوڑ نہیں آئے گا۔ اور اس زمانہ کا جو پیر ہے جو بیعت لیتے ہیں وہ بے چارہ تو خود بھی جنت میں جائے گا یا نہیں۔ تمہیں کہاں سے جا کر چھوڑ آئے گا؟

جاہل پیر کی کہانی حضرت تھانویؒ کی زبانی

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بطور لطیفہ کے بیان فرمایا کہ کسی مرید نے اپنے پیر صاحب سے آکر کہا کہ حضرت! رات میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ پیر صاحب نے کہا جلدی بیان کرو۔ اس نے کہا: میں نے یہ دیکھا ہے کہ ایک جگہ پر ہم اور آپ موجود ہیں، وہ بڑی عالیشان جگہ ہے۔ ہم دونوں وہاں موجود ہیں، پھر میں نے دیکھا کہ میری انگلی پاخانہ میں بھری ہے اور آپ کی انگلی شہد میں بھری ہوئی ہے۔ پیر صاحب بڑے خوش ہوئے۔ ان سے تعبیر نہیں ہو سکی فوراً بولے کہ تم نے بالکل ٹھیک دیکھا۔ اس لئے کہ پاخانہ جو ہے وہ دراصل دنیا کی غلاظت ہے اور شہد جو ہے وہ دینداری اور تقویٰ کی نشانی ہے۔ تو دنیا کا کتا ہے اس لئے تیری انگلی میں پاخانہ لگا ہوا تھا اور میں چونکہ بزرگ ہوں، پاکیزہ ہوں اس لئے میری انگلی میں شہد لگا ہوا تھا۔ اس لئے تو نے بالکل سچ دیکھا۔ اس نے کہا: حضور! آپ نے تو جلدی تعبیر دے دی، ابھی تو میرا خواب پورا ہوا ہی نہیں۔ انہوں نے کہا: اور کیا ہوا ہے؟ اس نے کہا: حضور! میں نے یہ بھی دیکھا کہ میری انگلی آپ چاٹ رہے ہیں اور آپ کی انگلی میں چاٹ رہا ہوں۔ پیر صاحب بڑے ناراض ہوئے، کہا: ارے گستاخ نکل یہاں سے۔

انسان پیدائشی حسین ہے

تو یہ بات بیان سے نکل گئی کہ اس زمانہ میں لوگ اپنے جسم اور بدن کو سنوارنے کے پیچھے پڑے ہیں، کبھی بالوں کو ٹھیک کیا جاتا ہے۔ کبھی جسم کو سڈول بنایا جاتا ہے۔ کبھی رنگ کو خوبصورت بنانے کی کوشش کی جاتی ہے حالانکہ حق تعالیٰ شانہٗ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اے انسان ہم نے تجھے جتنا حسین اور خوبصورت ڈھانچہ دیا ہے اس سے بہتر اور زیادہ حسین ڈھانچہ نہیں

بنایا جا سکتا ہے۔ کیا تجھے اس حسن پر قناعت نہیں ہے؟ خدا کی قسم اس کائنات میں کوئی چیز حتی کہ چاند اور سورج بھی اتنا حسین نہیں ہے جتنا حسین اللہ نے انسان کو بنایا

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک عورت روتی ہوئی آئی اور کہنے لگی کہ حضرت جی غصے میں گناہ ہو گیا ہے میرے شوہر نے مجھ سے یہ کہا ہے کہ اگر تو چاند سے زیادہ حسین نہیں ہے تو تجھے تین طلاق۔ میں تو اتنی حسین نہیں ہوں۔ مجھ پر طلاق واقع ہو گئی۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نہیں جاؤ اپنے شوہر کے پاس رہو۔ تجھ پر ایک طلاق بھی واقع نہیں ہوئی کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں قسم کھا کر فرمایا ہے کہ ہم نے انسان کو دنیا میں سب سے زیادہ حسین بنایا ہے؟ خدا کی قسم تو چاند سے زیادہ حسین ہے۔ تجھ پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی۔ اس لئے کہ فرمایا کہ چاند میں نہ ناک ہے نہ منہ ہے نہ اس کے اندر ہرن کی جیسی آنکھیں، بادام اور نرگس کے پھولوں کی طرح آنکھیں نہیں ہیں۔

شاعروں کی باہمی لفظی جنگ چاند کے اندر قد وقامت نہیں ہے جس کے متعلق شاعر کہتا ہے کہ میرے محبوب کا قد ایسا ہے جیسا سرو کا درخت ہے۔ چمک دمک اور نور اس کے اندر بے شک ہے لیکن قد وقامت کہاں ہے؟ فرمایا کہ -

[illegible] شاعران نادیدہ
نخل را بقد پسندیدہ

شاعر کہتا ہے دوسرے شاعروں کے بارے میں کہ یہ شعراء تو بھی بڑے بے وقوف ہیں کیوں؟ اس لئے کہ انہوں نے محبوب کے قد کے بارے میں یہ کہہ دیا کہ محبوب کا قد ایسا ہے جیسے سرو کا درخت ہوتا ہے اور اس طریقے سے انہوں نے محبوب کے قد وقامت کی توہین کر دی۔ اس لئے کہ سرو کے درخت پر ہاتھ پھیر کر دیکھو تمہیں

کھردرا کھردرا معلوم ہوگا اور محبوب کے قدوقامت پر ہاتھ پھیر کر دیکھو تو کھردرا پن نظر نہیں آئے گا اور ظالم، تم نے سرو کے ساتھ اسکو تشبیہ دے کر محبوب کی توہین کر دی۔ فرمایا کہ:

وائے بر شاعرانِ نادیدہ ‖ غلطی را بخود پسندیدہ
سرو را قدِ یار می گفتند ‖ سرو چوبیست ناتراشیدہ

سرو ایک ناتراشیدہ لکڑی ہے۔ تمہیں شرم بھی نہیں آئی کہ تم نے محبوب کے قدوقامت کو اس کے ساتھ تشبیہ دے دی۔

حضورؐ کو تشبیہ دینے سے پہلے سوچئے

میں کہیں ایک جگہ عرض کر رہا تھا کہ ایک صحابیؓ نے دوسرے صحابیؓ سے پوچھا کہ بتائیے، رسول اللہ ﷺ کے چہرے میں جو چمک تھی اور آپ کے چہرہ کا جو نور تھا وہ کیا ایسا تھا جیسا کہ دھوپ میں چمکتی ہوئی تلوار کی چمک ہوتی ہے؟ دوسرے صحابیؓ نے یہ سن کر کہا کہ خبردار، توبہ کرو۔ کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کا مرتبہ اور آپ کی عظمت اتنی بڑی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد ساری عظمتیں آپ پر ختم ہیں؟ اس لئے خبردار رسول اللہ ﷺ کے چہرہ کی تشبیہ کبھی تلوار سے نہ دینا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ تلوار مہلک اور قاتل ہے اور جو چیز قاتل ہو اس کے ساتھ تشبیہ دینا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کے چہرہ انور کو دیکھ کر تو مُردوں میں بھی زندگی اور حیات پیدا ہو جاتی ہے۔

آبِ حیات کی تلاش

یہاں تک کہ علماء نے لکھا ہے کہ جب کوئی شخص قرآن کریم کی اس آیت کو جس میں حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری کا ذکر ہے تلاوت کر لیتا ہے تو جس دن وہ تلاوت کرتا ہے اس دن اسکو موت نہیں آسکتی، اس دن وہ موت سے محفوظ ہو جائے گا اور وہ سورہ توبہ کی یہ آیت ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ

حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

اب اگر آپ یہ کہیں کہ مولوی صاحب! یہ تو آپ نے بڑا اچھا نسخہ بتادیا ہے۔ اب تو ہم کبھی مریں گے ہی نہیں۔ یہ بات صحیح نہیں ہے قدرت کا نظام بڑا حکیمانہ ہے جس دن موت آنی ہوگی اس دن یہ آیت پڑھنا بھول جاؤ گے اور موت اپنے وقت پر آئے گی۔

اندازہ لگایئے کہ قرآن کریم کی وہ آیت جس میں حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری کا تذکرہ ہے جب اس آیت کی خاصیت یہ لکھی ہے کہ جس دن آپ اس آیت کی تلاوت کریں گے اس دن موت نہیں آئے گی پھر رسول اللہ ﷺ کے چہرہ کو تلوار کے ساتھ تشبیہ دینا جبکہ تلوار مہلک اور قاتل ہے یہ کیسے درست ہوسکتا ہے۔

کیا پیغمبر اسلام ﷺ نے تلوار اٹھائی ہے؟

پھر کیا کبھی رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے کسی کو قتل کیا ہے؟ کیا آپ کے ہاتھ سے کسی کا خون ہوا ہے؟ کبھی نہیں ہوا البتہ غزوہ احد کے موقعہ پر آپ ﷺ تلوار لیکر صحابہؓ کے درمیان تشریف لائے اور فرمایا کہ من یاخذ هذا السیف میری یہ تلوار کون لے گا؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پروانہ وار ٹوٹ پڑے یارسول اللہ ﷺ! ہمیں دے دیجئے، یارسول اللہ ﷺ! ہمیں دے دیجئے۔ فرمایا کہ ٹھہرو! یہ تلوار اس آدمی کو ملے گی جو اس کا حق ادا کرے گا۔ تم میں سے کون اس کے حق ادا کرنے کا وعدہ کرتا ہے۔ اب سب سناٹے میں رہ گئے۔ صحابہؓ نے پوچھا، یارسول اللہ ﷺ! اس تلوار کا حق کیا ہے؟ ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس تلوار کا حق یہ ہے کہ اس سے صرف لڑنے والوں کو مارا جائے۔ اس سے عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کیا جائے۔ اس سے بوڑھوں اور معذوروں کو قتل نہ کیا جائے۔ اس سے مذہبی پیشواؤں اور راہبوں کو قتل نہ کیا جائے۔

اسلام کے اصول جنگ کے اندر یہ باتیں ہیں کہ صرف لڑنے والے دشمنوں کو قتل کیا جائے، عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کیا جائے، لنگڑوں کو قتل نہ کیا جائے راہبوں کو قتل نہ کیا جائے، جو عبادت خانوں میں بیٹھے ہوئے عبادت کر رہے ہوں ان کو قتل نہ کیا جائے۔

دوسری روایت میں یہ آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ نے یہ جواب دیا کہ اس تلوار کا حق یہ ہے کہ اس سے لڑنے والوں کو مارنا ہے، دنا دن مارتے چلے جاؤ اور قتل کرتے کرتے تلوار ٹیڑھی ہوجائے۔ تم میں سے کون اس کا حق ادا کرے گا؟

حضور ﷺ کی تلوار حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے لی حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور فرمایا کہ یا رسول اللہ ﷺ! مجھے دیجئے! میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں آپ کی تلوار کا حق ادا کروں گا، رسول اللہ ﷺ نے انہیں دے دیا۔ حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ لکھا ہے کہ جب اعلان جنگ ہوتا تھا تو میدان جنگ میں سرخ جوڑا پہن لیتے تھے اور اس طریقہ سے شوخیاں اور اٹکھیلیاں کرتے ہوئے جاتے تھے، معلوم ہوتا تھا کہ آج جتنی خوشی ابودجانہ کو ہے اتنی خوشی کسی کو عید میں بھی نہیں ہوتی ہوگی ایک مرتبہ اسی طرح اٹکھیلیاں کرتے ہوئے آرہے تھے کہ حضور اکرم ﷺ نے دیکھ لیا، فرمایا کہ اے ابودجانہ! عام حالات میں یہ رفتار اللہ کو پسند نہیں ہے لیکن چونکہ تم میدان جہاد میں اٹکھیلیاں کرتے ہوئے آرہے ہو اس لئے یہ ادا خدا کو پسند ہے۔ بہرحال! حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے وہ تلوار لیا، پھر کفار کو مارا، مارا کہ واقعۃً اس تلوار کا حق ادا کردیا۔

حضور اکرم ﷺ کے چہرہ انور کو تلوار کی چمک سے تشبیہ دینا غلط ہے تو میں یہ عرض کررہا تھا کہ حضور اکرم ﷺ کے چہرہ انور کو دیکھ کر مردوں میں بھی حیات کی لہر دوڑ جاتی تھی اس لئے حضور کے چہرہ انور کو تلوار سے تشبیہ دینا درست نہیں ہے، پھر دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے چہرہ کا نور آنکھوں کیلئے آب حیات ہے

جبکہ تلوار کی وہ چمک جو دھوپ میں محسوس ہوتی ہے ڈاکٹروں سے پوچھ لیجئے یہ بینائی کو کمزور کرتی ہے۔ بلکہ وہ رنگ جسے سفیدی کہتے ہیں، اگر آپ سے پوچھا جائے کہ سفیدی کسے کہتے ہیں تو اس کی تعریف آپ زبان سے نہیں کر سکیں گے۔ سفیدی کی چمک انسان کی بینائی کو کمزور کرتی ہے اسی لئے اگر آپ سورج کی شعاعوں کی طرف دیکھیں گے تو آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی۔ سفید لائٹ کی طرف دیکھیں گے تو آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی۔

ذرا یہ بھی پڑھئے اسی لئے بعض ایسے ممالک والے جو آپ سے زیادہ متمدن، آپ سے زیادہ مہذب اور دنیوی ترقی میں آگے ہیں ابھی تک اپنے ملکوں میں ٹیلی ویژن (TELEVISION) کو جاری نہیں کیا ہے یہ سمجھ کر کہ اس سے ہمارے ملک کے لوگوں اور خصوصاً بچوں کی بینائی خراب ہو جائے گی۔ میری مراد جنوبی آفریقہ (SOUTH AFRICA) ہے، جہاں پر خالصتہً سفید فام انگریزوں کی حکومت ہے۔ اور اس زمانہ میں وہاں پر ڈچ (DUTCH) ہیں۔

باطل کی پختہ زناری بھی دیکھ وہاں کی بعض اور باتیں بھی دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ مثلاً وہاں اتوار کے دن اور رات کو سنیما بالکل بند رہتا ہے۔ میں نے وہاں کے لوگوں سے پوچھا کہ بھائی یہ کیا بات ہے؟ ہمارے یہاں تو یہ قصہ ہے کہ جنھوں نے شاید پورے ہفتے کبھی کوئی تماشہ نہ دیکھا ہو گا وہ بھی جمعہ کے دن صبح سے لیکر شام تک اور شام سے لیکر رات گئے تک سنیما اور تماشے دیکھتے اور دکھاتے ہیں، یہاں کیا قصہ ہے کہ بالکل سناٹا ہے؟ انھوں نے کہا کہ یہاں کی حکومت نے کہا کہ آج کے دن ہماری مذہبی عبادت اور ہماری نماز کا دن ہے اس لئے آج اس قسم کی لغویات اور خرافات کی اجازت نہیں ہے۔ ہم آج کے دن اس کو روا نہیں رکھتے، اس لئے آج سنیما بند ہے۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ جنوبی آفریقہ کے اور لوگ بھی آپ کو مل جائینگے ان سے پوچھ لیجئے:

یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کر .... اور اگر آپ یہ فریاد کریں گے کہ صاحب!

یہ کیا بات ہے کہ ہر پکچر (PICTURE) جب شروع ہوتی ہے تو جمعہ کے دن سے شروع ہوتی ہے ۔ اسٹیڈیم (STADIUM) کے اندر اگر آپ کا کوئی میچ (MATCH) شروع ہوتا ہے تو جمعہ کے دن سے شروع ہوتا ہے تو آپ کی بات پر کوئی کان نہیں لگائے گا۔ ذرا یورپ (EUROPE) کے ملکوں میں جائیے اور اس قسم کے خرافات اقوال کو شروع کر کے دیکھئے!

جسکا مطلب یہ ہے کہ وہ زندہ قومیں ہیں اور ہم اور آپ باوجود اس کے کہ اپنے آپ کو آزاد کہتے ہیں لیکن ہمارا ضمیر غلام ہے ۔ ہمارا دل ودماغ غلام ہے۔ ہمارے اندر دینی حمیت نہیں رہی۔ اور آج کل تو بڑے بڑے مجتہد پیدا ہو گئے ہیں۔ اگر ان سے کہئے کہ صاحب! آج کا دن مقدس دن ہے۔ آج عبادت کا دن ہے تو کہنے لگیں گے کہ صاحب، یہود ونصاریٰ کی طرح ہمارے یہاں رہبانیت نہیں ہے کہ آج ہم کوئی کام ہی نہ کریں۔ اور کہیں سے قرآن کریم کی یہ آیت سن لی اور کہدیا کہ قرآن کہتا ہے۔

وابتغوا من فضل اللہ

اللہ کا فضل اور روزی تلاش کرنے میں لگ جاؤ۔ پتہ نہیں ان لوگوں کو کس نے قرآن پڑھایا۔ ارے اللہ کے بندے! وابتغوا من فضل اللہ

کو تو یاد کر لیا لیکن اسی آیت میں اس سے پہلے کی عبارت کو نہیں دیکھا، فرمایا کہ

فاذا قضیت الصلوۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ

جسکا مطلب یہ ہے کہ جمعہ کا سارا دن تیاری میں لگاؤ نماز پڑھو پھر جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو بے شک اپنی روزی روٹی تلاش کرو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وابتغوا من فضل اللہ

صبح آٹھ نو بجے سے شروع نہیں ہوتا دس گیارہ بجے سے شروع نہیں ہوتا بلکہ شام کے چار بجے سے شروع ہوتا ہے۔

خیر تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ دنیا میں ایسی قومیں بھی موجود ہیں جنہوں نے بچے
میاں بیوی دیکھنے کی اجازت اس لئے نہیں دی کہ اس سے بچوں کی نگاہیں گندی ہو جاتی ہیں
تھیں اور ان کے اخلاق خراب ہو جاتے ہیں۔ یورپ (EUROPE) میں بہت سی فلمیں
ایسی ہیں کہ جنہیں غیر شادی شدہ بچے نہیں دیکھ سکتے۔ دراصل جو قوم یہ چاہتی ہے کہ
ہماری قوم کی صحیح تربیت ہو صحیح تعلیم ہو اس قوم کے اندر زندگی کی یہ سب باتیں ہوتی
ہیں اور جب کوئی شخص سمجھے کہ ہماری قوم جس طرح چاہے زندگی گزارے اور ساری
قوم کو بھیڑ بکریوں کی طرح سمجھے تو اس کے اندر یہ جذبات و احساسات نہیں ہوتے۔

چین کا آنکھوں دیکھا حال | ہم چین (CHINA) گئے کتنا بڑا ملک ہے؟ اور یہ
بھی آپ کو معلوم ہے کہ چین دراصل افیمچیوں کا ملک تھا۔ افیم کھاتے تھے پڑے
رہتے تھے لیکن آج اس میں کوئی شک نہیں کہ چین نے مادی اعتبار سے بھی ترقی کی ہے
اور اخلاقی اعتبار سے بھی ترقی کی ہے پورے ملک میں آپ کو کوئی چور نہیں ملے گا۔ دس آٹھ
کروڑ کا ملک نہیں ہے۔ ستر اسی کروڑ کا ملک ہے۔ میں نے وہاں چینیوں سے پوچھا کہ
صاحب! آپ کے ملک میں ہمیں کوئی گرامر اسکول (GRAMMAR SCHOOL)
مشنری اسکول (MISSINARY SCHOOL) سینٹ جوزف اسکول
(ST. JOSEPH SCHOOL) اور عیسائیوں کے دوسرے تبلیغی اسکول نظر نہیں
آئے؟ کیا وجہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ جب ہم آزاد ہوئے اور ہمیں عقل و سمجھ آئی تو ہم
نے اپنے ملک سے ایک ایک کر کے تمام تبلیغی اداروں کو باہر نکال دیا۔

میں نے اپنے مکان پر شاہین بنایا تھا لیکن زمانہ چونکہ شاہین اور حق کا نہیں
ہے چیل اور کوے کا زمانہ ہے اس لئے یار لوگوں نے اسکو چیل مشہور کر دیا ورنہ میں نے
نے تو شاہین بنایا تھا

شاہین اور چیل میں کیا فرق ہے؟ | جس کا مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ میں لوگ

شاہین اور عقاب کو نہیں پالتے ہیں گدھ اور چیل کو پالتے ہیں۔ اس لئے کہ گدھ کا کام یہ ہے کہ وہ ہر وقت اسی فکر میں رہتا ہے کہ کہیں مردار ملے کہ میں چونچ ماروں جبکہ شاہین کی صفت یہ ہے کہ وہ فاقہ کر لیتا ہے لیکن کسی مردار کو نہیں کھاتا وہ کہتا ہے کہ میں زندہ شکار کھیلتا ہوں اس میں فاقہ کرنا پسند کرتا ہوں لیکن مردہ سے پیٹ نہیں بھرتا۔ چنانچہ وہ فاقہ کرتا ہے اور فاقہ کر کے اپنا کردار اور اپنی سیرت کو باقی رکھتا ہے۔

یہی وجہ ہے شاہین کا پر بادشاہوں کے تاجوں میں لگایا جاتا ہے لیکن کبھی آپ نے یہ بھی دیکھا ہے کہ کسی بادشاہ نے اپنے تاج میں چیل اور گدھ کا پر لگایا ہے؟ کوے کا پر لگایا ہے؟ نہیں! دونوں میں یہ فرق کیوں ہے جبکہ شکل وصورت اور بناوٹ میں کوئی خاص فرق نہیں ہے؟ اس لئے ہے کہ شاہین کے اخلاق بہت بلند اور اعلیٰ ہیں اور گدھ اور چیل کے اخلاق انتہائی گھٹیا ہیں۔ فرمایا کہ

حسن سیرت سے ہیں مردان دلاور ممتاز

ورنہ صورت میں تو کچھ کم نہیں شہباز سے چیل

تو میں نے عرض کیا کہ انسانیت اصل میں نام ہے اچھے اخلاق کا، انسانیت اصل میں نام ہے اچھی تہذیب کا، انسانیت اصل میں نام ہے اچھی عادتوں کا، معاف کیجئے گا، اونچے اونچے مکانات کا نام، اونچے اونچے محلوں کا نام، اونچی اونچی کرسیوں کا نام اور بہترین بہترین لباس کا نام انسانیت نہیں ہے، انسانیت دراصل حسن اخلاق کا نام ہے۔

شاہ حبشہ کے دربار میں کفار مکہ کی بکواس

مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے ایک وفد حبشہ کی طرف گیا جس میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان کے پیچھے پیچھے کفار قریش بھی پہنچے اور جا کر وہاں کے بادشاہ نجاشی سے کہا کہ یہاں مسلمان آئے ہیں یہ لوگ ایک نئے نبی اور پیغمبر کو مانتے ہیں، آپ انہیں اپنے ملک سے نکال دیجئے، شاہ

نجاشی نے کہا کہ بھائی، جب تک میں ان لوگوں کو بلا کر بات نہ کر لوں گا اس وقت تک میں انہیں نہیں نکالوں گا، پہلے میں ان لوگوں سے بات کر لیتا ہوں چنانچہ مسلمانوں کا وفد نجاشی کے دربار میں آیا اور کفار قریش بھی آئے اور انہوں نے بادشاہ سے کہا کہ حضور! ذرا دیکھئے ان مسلمانوں کو، کتنے چھوٹے چھوٹے قد کے ہیں، ان کی پرسنالٹی (PERSONALITY) اور شخصیت دیکھئے کوئی وقار اور وجاہت نہیں ہے، بھلا یہ لوگ نبی ہو سکتے ہیں؟

حضرت جعفر طیارؓ کا دندان شکن جواب یہ سنتے ہی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ اے شاہ حبشہ! اے نجاشی! میری بات بھی سن لے پھر فرمایا کہ الانسان باصغریہ لمبے لمبے قد وقامت کا نام انسان نہیں ہے، سرخ وسفید رنگ کا نام انسان نہیں ہے، انسان دو چھوٹی چھوٹی چیزوں کا نام ہے، وہ کیا ہے؟ فرمایا کہ الانسان باصغریہ القلب واللسان انسان دو چھوٹی چھوٹی چیزوں کا نام ہے۔ اگر کسی کا قلب اچھا ہے تو وہ انسان کہلانے کے قابل ہے اگر کسی کی زبان اچھی ہے تو وہ انسان کہلانے کے قابل ہے۔ اگر کسی کے لمبے لمبے قد وقامت تو موجود ہیں لیکن نہ اس کا دل اچھا ہے نہ اس کی زبان اچھی ہے تو وہ انسانوں میں شمار کرنے کے قابل نہیں ہے۔ یہ سن کر نجاشی بڑا متاثر ہوا

انسانیت اسی کا نام ہے معلوم ہوا کہ انسانیت دو چھوٹی چھوٹی چیزوں کا نام ہے، انسان کا قلب کیسا ہے اور اس کی زبان کیسی ہے؟ انہیں دونوں پر انسانیت کا دارومدار ہے۔ اس لئے کہ جس کی زبان مہذب ہوگی وہ سب کی دلداری کرے گا، کسی کے دل کو تکلیف نہیں پہنچائے گا اور جو آدمی زبان کا بڑا بے باک اور بڑا بد تمیز ہوگا وہ اپنی زبان سے ایسے دھچکے لگائے گا جس کا تحمل نہیں ہو سکتا۔ کسی عربی کے شاعر نے کہا ہے کہ:

جراحات السنان لها التيام

ولا يلتام ما جرح اللسان

تلوار اور نیزوں کے زخم تو بھر سکتا ہے لیکن زبان کا زخم جو لگاتی ہے وہ زخم کبھی نہیں بھرتا۔

مسلمان کو کیسا ہونا چاہئے اس لئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا

ليس المؤمن بطعان

مسلمان کی شان طعنہ دینا نہیں ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا پہلے عورتوں کے اندر یہ مرض تھا کہ عورتوں کو یہ الزام دیا جاتا تھا کہ عورتیں ایک دوسرے کے اوپر طعنہ بازی کرتی ہیں لیکن آج جب ہماری سوسائٹی (SOCIETY) گر گئی ہے مردوں میں بھی یہ بیماری آ گئی ہے۔ آج مرد بھی ایک دوسرے کو طعنہ دیتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد سن لیجئے، فرمایا کہ

ليس المؤمن بطعان ولا لعان ولا فحاش

مؤمن کی شان طعنہ دینا نہیں ہے، مؤمن کی شان کسی پر لعنت بھیجنا نہیں ہے اور مؤمن کی شان فحش گوئی کرنا نہیں ہے۔ فحش گوئی کا مطلب یہ ہے کہ ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جو شریعت کے خلاف ہوں انسانی تہذیب و وقار کے خلاف ہوں۔ فرمایا یہ مؤمن کی شان نہیں ہے۔

اسی لئے میں نے بار بار تقریروں میں یہ عرض کیا ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ نے تمام عمر کسی کے ساتھ مذاق نہیں کیا۔ آج ہماری اور آپ کی سوسائٹی کا یہ عالم ہے کہ گویا پاکستان کا سب سے بڑا آدمی اور سب سے بڑا انسان وہ ہے جو سب سے زیادہ مذاق کرے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے ایسے لوگوں کو مذاق کرتے ہوئے دیکھا ہے، جتنے لوگ ان میں سے دنیا سے رخصت ہوگئے اور جتنے موجود ہیں ایک دوسرے کے مذاق کے اندر

ایسی ایسی گالیاں دیتے ہوئے سنا ہے کہ توبہ توبہ۔ ایک ایک گالی ڈھائی ڈھائی من کی ہوتی تھی معمولی آدھ سیر، چھٹانک بھر کی گالی نہیں بلکہ ڈھائی من کی گالی دیتے تھے۔ پھر پتہ چلا کہ دراصل ان کا مذاق ہی ایسا ہے کہ یہ اسکو گالی دیتے ہیں وہ اسکو گالی دیتے ہیں۔ یہ ہے آج کل کی مہذب سوسائٹی!

مذاق اور مزاح میں کیا فرق ہے؟ سرکار دوعالم ﷺ نے تمام عمر کسی کے ساتھ مذاق نہیں کیا صرف اس لئے کہ مذاق میں طعنہ دیا جاتا ہے۔ مذاق میں چوٹ کی جاتی ہے۔ مذاق میں حملہ کیا جاتا ہے۔ دوسروں کا دل دکھایا جاتا ہے۔ البتہ آپ ﷺ نے مزاح فرمایا ہے۔ مزاح کے معنی آتے ہیں خوش طبعی کی باتیں کرنا۔ اس میں چوٹ نہیں ہوتی اور جہاں چوٹ ہوتی ہے وہ مذاق کہلاتا ہے۔ اور یہی مذاق ہے جو کبھی کبھی باہمی دشمنی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اسی لئے سرکار دوعالم نے خود بھی کبھی مذاق نہیں کیا ہے اور مسلمانوں کو بھی اس سے منع کیا ہے۔ میں ابھی آپ حضرات کے سامنے پیش کئے دیتا ہوں جس میں چوٹ کی جاتی ہے۔

فیضی اور عرفی کا مذاق اکبر کے زمانے کے ابوالفضل اور فیضی کا نام آپ نے سنا ہوگا۔ یہ دونوں پکے بے دین تھے۔ اور بادشاہ کے ارد گرد جب سارے کے سارے خود غرض بے دین ہوجائیں تو پھر وہ بادشاہ کو بھی بوتل میں اتار لیتے ہیں۔ وہ بھی ایسے ہی بے دین ہوجاتا ہے۔ ابوالفضل اور فیضی یہ دونوں بھی انہیں لوگوں میں ہیں جنہوں نے اس زمانے میں دین الٰہی کی ایجاد کی تھی۔ فیضی کے باپ کا نام مبارک ہے۔ یہ نام یاد رکھئے گا۔ فیضی کے گھر کتے پلے ہوئے تھے۔ اتفاق سے کتیا نے بچے دئے تھے۔ بہت سے بچے تھے سب صحن میں پھر رہے تھے۔ ایک مرتبہ عرفی، فیضی سے ملنے آیا۔ عرفی شاعر تھا۔ اس کو مذاق سوجھی اس نے فیضی سے کہا کہ "صاحبزادگاں بچہ اسم موسوم اند" اس نے پوچھا کہ آپ نے اپنے ان صاحبزادوں کا کیا نام رکھا ہے؟ فیضی سمجھ گیا کہ

یہ چوٹ کر رہا ہے۔ یہ مجھے کتا بنا رہا ہے جب ہی تو ان پلوں کے بارے میں مجھ سے پوچھ رہا ہے لیکن
مگر اس نے بھی مسلمان ہونا دکھا دیا اس نے کہا: نام عرفی ہے۔ آپ پوچھتے ہیں ان کا نام
کیا رکھا ہے؟ یہ عرفی نام سے موسوم ہیں۔ اس کے دو مطلب ہیں، ایک مطلب تو یہ ہے
کہ ان کا نام کچھ نہیں ہے۔ صرف نام ہی نہیں ہے جس سے یہ پکارے جاتے ہیں۔ ان کا نام
ہے اور کچھ نہیں ہے۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ میں نے ان سب پلوں کا وہی نام
رکھا ہے جو آپ کا نام ہے یعنی ان کا نام عرفی ہے۔ عربی نے اندازہ لگایا کہ یہ مجھ پر
چوٹ کر رہا ہے اور مجھ کو ان کتے کے پلوں کے برابر کر دیا ہے تو اس نے اس سے بھی
بڑی چوٹ کر دی اس نے کہا: مبارک باشد مبارک باشد جس کا مطلب یہ ہے کہ ان
پلوں کا نام عرفی نہیں ہے ان کا نام مبارک ہے جو تیرے باپ کا نام ہے۔ قتیبہ کے
باپ کا نام مبارک تھا۔

آپ ﷺ نے مزاح فرمایا ہے یہ جو مذاق ہے واللہ دونوں کا نام نہیں ہے
مگر کائنات عالم ﷺ نے تمام عمر مذاق نہیں کیا اس لئے کہ اس میں چوٹ ہوتی ہے لیکن
ہاں خوش طبعی کی بات کی ہے جس میں کسی پر طعن نہیں ہوتا۔ جس میں کسی پر چوٹ
نہیں ہوتی۔ جیسے حضور اکرم ﷺ نے ایک صحابی کا ہاتھ پکڑ کر مزاح فرمایا کرتے
تھے۔ یہ میرا گاؤں ہے اور میں اس کا شہر ہوں۔ اس لئے کہ جب یہ گاؤں سے آتا ہے تو
میرے لئے وہ چیزیں لیکر آتا ہے جو گاؤں میں ملتی ہیں یہاں نہیں ملتی ہیں اور جب یہاں
سے واپس اپنے گاؤں میں جاتا ہے تو میں اسے وہ چیزیں تحفے میں دیتا ہوں جو شہر میں ملتی
ہیں گاؤں میں نہیں ملتیں۔

ہدیہ دینا اور لینا دونوں سنت ہے اس سے یہ بھی اندازہ لگائیے کہ حضور اکرم ﷺ
سے زیادہ با عظمت ہستی اس کائنات میں کوئی نہیں ہے لیکن آپ ﷺ کی عادت
شریفہ یہ تھی کہ آپ جب کسی کا ہدیہ قبول فرماتے تھے تو بدلہ دیتے بھی تھے ہم لیا

آپ کی آنکھ دکھ رہی ہے؟ وہ کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ میں ادھر سے کھا رہا ہوں جدھر کی آنکھ نہیں دکھ رہی ہے۔ یہ ہے مزاح۔ اس میں جھوٹ نہیں ہے خوش کرنے کی بات ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ظرافت ایک آدمی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس کسی شخص کو پکڑ کر لایا اور کہنے لگا کہ امیر المؤمنین! اس شخص نے اس طرح کا خواب دیکھا ہے کہ اس خواب میں میرے گھر والوں کی بے حرمتی ہوئی ہے۔ اس نے خواب دیکھ کر کسی اور سے بیان کیا کہ ہم نے اس کے گھر والوں کو اس طرح سے خواب میں دیکھا ہے۔ اس لئے میں اسے آپ کے پاس لے کر آیا ہوں۔ آپ اسکو سزا دیجئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جلاد کو بلایا۔ اور اس سے کہا کہ اس کو دھوپ میں کھڑا کرو اور اس کا جو سایہ پڑے اس سایہ پر کوڑے لگاؤ۔ اب اس کے سایہ کے اوپر کوڑے لگائے جا رہے ہیں۔ وہ کہنے لگا امیر المؤمنین! یہ آپ کیسی سزا دے رہے ہیں؟ اس کے بدن پر تو نہیں لگ رہا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میاں تم نے جو جرم بیان کیا ہے وہ بھی تو خواب ہی کا جرم ہے۔ جسم کو تو ہاتھ نہیں لگایا ہے۔ تو سزا بھی اسی طرح کی ہونی چاہئے کہ جسم پر کوڑا نہ لگے اس لئے سایہ پر کوڑے لگائے جا رہے ہیں۔ آپ نے دیکھا! حضرت علیؓ نے کیسی ظرافت کے ساتھ اس مسئلہ کو سلجھایا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نہایت ذہین تھے۔ آج کل جو نوشاد کو اچھے اچھے کپڑے پہنا کر گھوڑے پر بٹھا کر بارات لیکر جاتے ہیں اس کا نام رکھا ہے نوشہ۔ کاہے کیسے لے جاتے ہیں؟ شادی کیسے لے جاتے ہیں! اس کا نام رکھا ہے شادی؟ کچھ روز کے بعد اسے پتہ چلتا ہے کہ یہ نام رکھنے والوں نے اس لفظ سے کتنا بڑا دھوکہ دیا تھا۔ اس لئے کہ چند دنوں کے بعد جب اصل حقیقت معلوم ہوتی ہے تو انسان سر پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے کہ یہ کیا مصیبت سر پر آ گئی۔

شادی کی حقیقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نظر میں

کسی بدو نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ یا امیر المومنین! یہ بتایئے کہ نکاح کیا چیز ہے؟ "ماذا النکاح"۔ آپ نے فرمایا کہ میاں! یہ جو نکاح ہے اس کی ابتداء بڑی لذیذ ہے، جیسے ڈاکٹر دوائی گولی پر شکر چڑھا دیتا ہے اور اندر سے وہ تلخ ہوتی ہے اور جب مریض اس کو چوستا ہے تو کہتا ہے واہ صاحب واہ! اس نے تو حلوائی کی مٹھائی کو بھی مات کر دیا، یہ تو بڑی لذیذ ہے، لیکن پانچ منٹ کے بعد جب اوپر کی شکر اترتی ہے اور تھوڑی سی تلخی شروع ہوتی ہے تو کہتا ہے ارے ظالم! تو نے شکر میں لپیٹ کر مجھے کیا دے دیا؟ یہ کیا ہے؟ اسی طریقے سے اگر کسی نوشاہ کو پتہ چل جائے کہ یہ جو اچھے اچھے کپڑے پہنا کر مجھے شادی کیلئے لیکر جا رہے ہیں اس کے بعد میرے سر پر ذمہ داری کا ایک بڑا پہاڑ آ پڑے گا تو خدا کی قسم! وہ بارات کے بیچ میں سے رسے چھڑا کر بھاگ جائے گا لیکن ابھی اس بیچارے کو کچھ پتہ نہیں ہے۔

تو اس بدو نے کہا۔ یا امیر المومنین "ماذا النکاح" نکاح کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ "سرور شھر" ایک مہینہ مسرت و خوشی کا مہینہ ہے، بدو نے پوچھا یا امیر المومنین "ثم ماذا" اس کے بعد کیا؟ فرمایا کہ اس کے بعد کی منزل ہے "لزوم مھر" شکر اتر گئی، اب معلوم ہوا اب یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہم نے جو فلانہ بنت فلاں کو قبول کیا تھا وہ صرف شکر ہی شکر قبول نہیں کی تھی اس کے ساتھ کچھ ذمہ داریاں بھی قبول کی تھیں! اس بدو نے پوچھا کہ "ثم ماذا" امیر المومنین! اس کے بعد کون سی منزل آتی ہے؟ فرمایا کہ "غموم دھر" سارے زمانے کا غم آپڑتا ہے، کسی کی طبیعت خراب ہوگئی اس کو ہسپتال لے جا رہا ہے، کسی کیلئے کپڑے لینے بازار جا رہا ہے، کسی کیلئے سکتے میں پڑی ہیں۔ سارے زمانے کا غم آ جاتا ہے۔ پھر اس بدو نے پوچھا "یا امیر المؤمنین ثم ماذا" اس کے بعد کون سی منزل آتی ہے؟ حضرت علیؓ نیچے کو جھک گئے اور فرمایا "کسور ظھر" فرمایا کہ آخری منزل یہ آتی ہے کہ کمر ٹوٹ کر تیر کمان بن جاتی ہے۔

تیر کمان آپ کیسے ہو گئے؟ کسی اسی نوے سال کے بوڑھے کو آپ نے خود دیکھا ہوگا کہ بالکل ہی وہ دوہرا ہو جاتا ہے۔ کسی ایسے ہی بوڑھے کو محلے کے بچوں نے کہا تھا کہ بڑے میاں! یہ تیر کمان تم نے کتنے کی خریدی ہے؟ بڑے میاں نے بڑا اچھا جواب دیا انھوں نے کہا کہ بیٹا! جب تم میری عمر کو پہنچو گے تو تمہیں مفت میں ہی مل جائے گی۔
حضرت علیؓ نے فرمایا کہ آخری نوبت [illegible] کمر جھک جاتی ہے۔

ایک لطیفہ ایک صاحب کی شادی ہوئی انہیں کچھ پتہ نہیں تھا کہ آگے کیا ہونے والا ہے۔ ان کی بیوی پڑھی لکھی تھی۔ ایک ہی مہینہ کے بعد انھوں نے ایک لمبی چوڑی فہرست بنا کر شوہر کو دی کہ اتنا فرنیچر (FURNITURE) اتنے برتن اتنے کپڑے اور اتنے دوسرے سامان آنے ہیں۔ جب وہ فہرست ان کے پاس پہنچی تو اسے دیکھتے ہی ان کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی بیوی سے کہنے لگے کہ خدا کی قسم میں نے صرف تجھے قبول کیا تھا یہ فہرست قبول نہیں کی تھی۔ اگر تجھے یقین نہیں ہے تو چل میں قاضی صاحب سے پوچھوا دوں، خدا کی قسم انھوں نے مجھ سے یہی کہا تھا کہ فلانہ بنت فلاں کو اتنے مہر کے عوض میں نے تجھ کو دیا۔ میں نے کہا، میں نے قبول کیا اس نے تو اس فہرست کا ذکر ہی نہیں کیا تھا۔ بیوی نے کہا۔ حضور والا آپ کو کیا پتہ ہے کہ آپ نے کیا قبول کیا تھا آپ نے تو زندگی بھر کیلئے میری جتنی ضرورتیں ہیں ان سب کو قبول کیا تھا اور یہ فہرست تو اسکی پہلی قسط ہے اس کے بعد اور قسطیں آتی رہیں گی۔

آمدم برسر مطلب تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ انسان کی اصل شرافت اس کے اعلیٰ اخلاق ہیں۔ اور فرمایا کہ اگر تمہاری زبان اچھی ہے تو تم اعلیٰ درجے کے انسان ہو، اگر تمہارا قلب اچھا ہے تو تم اعلیٰ درجے کے انسان ہو۔ معلوم ہوا کہ انسانیت دراصل سیرت کا نام ہے صورت کا نام نہیں ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے جانوروں میں سے انسانوں کی ایک جماعت بنائی۔ کیسے بنایا؟ کیا آج ہم اور آپ اس لائن اور اس طرز پر کوشش نہیں

کر سکتے؟ آج ہم اور آپ دیکھتے ہیں کہ ہر جگہ اس بات کا رونا رویا جاتا ہے کہ ہر چیز میں ملاوٹ ہو گئی ہے۔ اور اس قسم کی چیزوں کو بند کرنے کیلئے کہتے ہیں کہ آج ایک سو غنڈے پکڑے گئے۔ آج چار سو غنڈے پکڑے گئے۔ آج آٹھ سو پکڑے گئے۔ آج ایک ہزار پکڑے گئے۔ اور مجھے ایسا لگتا ہے کہ سارا کا سارا ملک ہی کہیں بند نہ ہو جائے۔ لیکن آپ ایمانداری سے بتایئے کہ کیا بے ایمانی، بددیانتی اور خیانت ختم ہو گئی؟

اسلام کا طریقۂ اصلاح تھوڑی دیر کیلئے سوچئے کہ حضور اکرم ﷺ نے جانوروں کو انسان کیسے بنایا تھا؟ ان کی اصلاح کیلئے کیا طریقہ اختیار کیا تھا؟ صرف ایک ہی طریقہ تھا دوسرا کوئی طریقہ نہیں تھا، اور وہ یہ کہ انسان کے اندر احساس ذمہ داری پیدا کی جائے، اس لئے کہ جب انسان کے اندر اپنی ذمہ داری کا احساس پیدا ہو جاتا ہے تو انسان کی حیثیت بدل جاتی ہے۔ ہنسے گا تو موقع دیکھ کر ہنسے گا کہ یہ ہنسنے کی جگہ ہے یا نہیں۔ مثلاً اگر قبرستان میں ہے تو نہیں ہنسے گا اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے قبرستان میں ہنسنے سے منع فرمایا ہے۔ ارے ظالم، یہاں جو مٹی کے ڈھیر پڑے ہوئے ہیں یہ تو تجھے تیری آخرت اور تیری موت کو یاد دلا رہے ہیں اس لئے تیری آنکھوں سے تو آنسو بہنے چاہئے تھے لیکن اگر تو اتنا سخت دل ہو گیا ہے تو خدا کیلئے قہقہہ نہ لگا.... بولے گا تو موقع دیکھ کر اور سوچ کر بولے گا کہ یہاں بڑے ہیں، چھوٹے ہیں مجھے کیا الفاظ استعمال کرنے چاہیں۔

میرے دوستو! یہ احساس ذمہ داری جو ہے یہ انسان کو انسان بنا دیتا ہے۔ تھوڑی دیر کیلئے آپ غور کریں۔ دنیا کی تمام حکومتوں کا سارا انتظام احساس ذمہ داری پر ہی چل رہا ہے۔ ایک چپراسی اور اردلی کے دل میں جب یہ احساس ہوتا ہے کہ ہمارا صاحب کہیں ہم سے جواب طلب نہ کر لے تو وہ صبح ہی اٹھتا ہے میز صاف کرتا ہے، کرسی صاف کرتا ہے، دروازہ کھول کر رکھتا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اگر دیر ہو گئی تو صاحب سزا دے گا، کان پکڑ کے نکال دے گا۔ میری تنخواہ بند ہو جائے گی۔ حالانکہ معاف کیجئے گا۔ جس

صاحب کو آپ اپنا صاحب سمجھ رہے ہیں وہ بے چارہ خود ایک ڈیڑھ سو روپے ماہوار کا کلرک (CLERK) ہے۔ لیکن اگر اس چپراسی سے پوچھئے تو وہ یہی کہے گا کہ میں تو کسی کو نہیں جانتا۔ میرا صاحب یہی ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہی میرا کان پکڑتا ہے۔ اور وہ کلرک خود بھی بے چارہ برابر اپنی ڈیوٹی (DUTY) پر آتا ہے اور کام انجام دیتا ہے وہ بھی اپنے صاحب سے ڈر رہا ہے کہ کہیں میرا صاحب مجھ سے جواب طلب نہ کرلے۔
دنیاوی نظام کا تانا بانا آپ نے اندازہ لگایا کہ چپراسی، کلرک سے ڈر رہا ہے اور کلرک اپنے افسر (OFFICER) سے ڈر رہا ہے اور افسر اپنے سے بڑے افسر سے ڈر رہا ہے یہاں تک کہ سکریٹری (SECRETARY) وزیر سے ڈرتا ہے کہ کہیں مجھ سے جواب طلب نہ ہوجائے۔ اور یہ بات میں نے نوٹس روا روی میں کہدی ورنہ اس زمانے میں تو کوئی سکریٹری وزیر سے نہیں ڈرتا ہے بلکہ خود وزیر سکریٹری سے ڈرتا ہے۔ البتہ وہ دونوں کے دونوں اپنے سے اوپر کے آدمی بادشاہ اور حاکم کل سے ڈرتے ہیں۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ ایک چپراسی سے لیکر صدر مملکت تک سب کے سب اپنے سے اوپر کے آدمی سے ڈر کر کام کرتے ہیں، حکومت کا سارا کاروبار جواب طلبی کے خوف سے ہوتا ہے کہ کہیں ہم سے جواب طلب نہ ہوجائے، کہیں ہماری کان نہ پکڑی جائے۔ اسی کا نام احساس ذمہ داری ہے۔
اب آپ ایمانداری سے بتایئے کہ چپراسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہوجائے کہ میں دفتر جاؤں یا نہ جاؤں میرا تو کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ اگر کلرک کے دل میں احساس ذمہ داری نہ رہے، اگر اس سے بڑا افسر کے دل میں احساس ذمہ داری نہ رہے تو حکومت کا سارا نظام درہم برہم ہوجائے گا۔
جب دل میں خوف خدا آجاتا ہے تو ــــــ تو نیچے سے لگا کر بادشاہ اور صدر مملکت تک سب احساس ذمہ داری کے ساتھ کام کر رہا ہے لیکن افسوس کی بات یہ ہے

کہ آج انسان کو انسان کی جواب طلبی کا تو احساس ہے، خدا کی جواب طلبی کا احساس نہیں ہے۔ جب ہمارے اندر خدا کی جواب طلبی کا احساس پیدا ہو جائے کہ کہیں خدا کی طرف سے میری پکڑ نہ ہو جائے کہیں خدا کی طرف سے میری گرفت نہ ہو جائے تو سمجھ لیں کہ اسی کا نام دراصل احساس ذمہ داری ہے، اسی کا نام خوف خدا اور خشیت الٰہی ہے۔ یہ جوہر جب کسی انسان کے اندر پیدا ہو جاتا ہے تو وہی انسان جنید بغدادیؒ بن جاتا ہے، شبلیؒ بن جاتا ہے، غزالیؒ بن جاتا ہے، حسن بصریؒ بن جاتا ہے اور وہ انسان اخلاق وعادات کے اعتبار سے ایک عظیم انسان بن جاتا ہے، صرف یہ کہ قدم قدم پر اس کے اندر یہ خیال پیدا ہو جائے کہ کہیں اللہ کے یہاں میری پکڑ نہ ہو جائے، کہیں اللہ کے یہاں مجھ سے جواب طلب نہ ہو جائے۔

دنیاوی نظام کا نقص تو میرے دوستو! ذمہ داری کا احساس اور جواب طلبی کا خوف دو طرح کا ہوتا ہے، ایک خدا کی جواب طلبی کا خوف، اور ایک انسان کی جواب طلبی کا خوف، لیکن دونوں میں فرق کیا ہے؟ دونوں میں فرق یہ ہے کہ اگر انسان کی جواب طلبی کا ڈر ہے تو یہ ڈر بادشاہ اور حاکم سے نیچے تک تو رہے گا مگر خود بادشاہ کسی سے نہیں ڈرے گا اس لئے کہ اس کے اوپر کوئی حاکم نہیں ہے۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ کی جواب طلبی کا خوف اور ڈر نہیں رہے گا تو بادشاہ اور حاکم بے خوف ہو کر جو چاہے گا کرے گا۔ ہر طرح کے ظلم پر آمادہ رہے گا اس لئے کہ اس کو اپنے اوپر سے جواب طلبی کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ لیکن اگر خدا کی طرف سے جواب طلبی کا اندیشہ ہو گا، اگر خدا کی طرف سے گرفت کا خوف اور ڈر رہے گا جسکو خوف خدا اور خشیت الٰہی کہتے ہیں تو ایک چپراسی سے لگا کر بادشاہ تک سب کے سب متقی اور پرہیزگار ہوں گے، نہ کوئی ملاوٹ کرے گا، نہ کوئی چوری کرے گا اور نہ معاشرہ کے اندر اس قسم کی کوئی اور بات ہوگی۔

اسلام نے دلوں میں خشیت الٰہی پیدا کیا۔ خدا کی قسم! یہی وہ طریقہ تھا جس کے
ذریعے سرکار دوعالم ﷺ نے جانوروں کو انسان بنا دیا۔ حضور اکرم ﷺ نے
عورتوں کے متعلق فرمایا کہ یہ عورتیں جو تمہارے نکاح میں ہیں خدا کی امانتیں ہیں
جنہیں اللہ نے تمہارے سپرد کیا ہے ان امانتوں میں تم خیانت نہ کرنا۔ آج معاشرہ کے
اندر ہم اور آپ اگر واقعۃً اپنی اپنی بیویوں کا ایسا ہی خیال رکھیں تو وہ تمام جو فساد پیدا
ہوتے ہیں یہ کبھی نہ ہوں گے۔

حضرت عمرؓ کو حضرت خولہؓ کی نصیحت | حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کا مکان
راستے میں ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کے پاس حاضر ہوئے اور فرمایا کہ
حضور! کچھ نصیحت فرما دیجئے۔ حضرت خولہؓ ایک معمر خاتون ہیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ
اے عمر! بچپن میں تجھے عمیر کہا جاتا تھا یقال لک عمیر بچپن میں لوگ پیار و محبت
میں تجھے عمیر کہا کرتے تھے۔ عمیر کا معنی ہے اے چھوٹے سے عمر! فیقال لک عمر
اس کے بعد لوگ تجھے عمر کہنے لگے۔ اور پھر اس کے بعد لوگوں نے تجھے امیر المومنین کہنا
شروع کیا لیکن اے عمر! ان الفاظ سے دھوکہ نہ کھانا اور ہمیشہ آخرت کو پیش نظر
رکھنا۔ یہ شخصیت بڑے بڑے الفاظ کبھی انسان کے ساتھ لگ جاتے ہیں لیکن یہ کچھ دن کا
کھیل ہوتا ہے اس لئے ان الفاظ سے متاثر نہ ہونا۔ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نصیحت
فرما رہی ہیں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ گردن جھکائے ہوئے سن رہے ہیں۔ اور
بڑی دیر تک نصیحتیں حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کرتی رہیں اور حضرت عمر فاروقؓ سنتے
رہے۔ ساتھیوں میں سے کسی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ان بڑی بی
ضعیفہ کی نصیحتیں کب تک سنیں گے؟ آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! اگر خولہؓ مجھے صبح
سے شام تک کھڑا کر کے نصیحتیں کریں تو سوائے نماز کے اوقات کے میں یہاں سے
نہیں ہلوں گا۔ اور فرمایا کہ میں کیا ہوں؟ جس کی خدا نے سنی ہے اس کی عمر نہیں سنے گا؟

وہ خاتون ہیں کہ جنکی بات اللہ تعالیٰ نے سنی تھی کیا عمران کی نصیحتیں نہیں سنے گا؟

مسائل کا حل کیا ہے خیر، میرے عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دراصل ایک ہی چیز ہے۔ اور وہ یہ کہ انسان کے اندر حسن ذمہ داری، اللہ کا خوف اور جواب طلبی کا ڈر پیدا ہو جائے کہ خدا کے یہاں کیا جواب دیں گے، خدا کے یہاں کیا منہ دکھائیں گے۔ اگر شوہر، بیوی کے ساتھ معاملات میں یہ سوچ لے، بیوی، شوہر کے ساتھ معاملات میں یہ سوچ لے، بیچنے والا، خریدار کے ساتھ معاملات میں یہ سوچ لے، خریدنے والا، بیچنے والے کے ساتھ معاملات میں یہ سوچ لے، پڑوسی، پڑوسی کے ساتھ معاملات میں یہ سوچ لے، حاکم رعایا کے ساتھ معاملات میں یہ سوچ لے اور رعایا حاکم کے ساتھ معاملات میں یہ سوچ لے تو خدا کی قسم، سارے کا سارا معاشرہ فرشتوں کا معاشرہ ہو جائے گا اور انسان کی ساری برائیاں دور ہو جائیں گی۔ صرف ایک چیز اپنے اندر پیدا کرلیں اور وہ ہے خوف خدا۔

اپنے ایمان کو تازہ رکھئے آپ کہیں گے کہ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے اندر آخرت کا خوف نہیں ہے؟ کیا ہم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے؟ کیا آپ ہمیں کافر سمجھتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ آپ کے متعلق میں اس بات نہیں کہہ سکتا، آپ سب کے سب مسلمان ہیں، واقعی آپ کو آخرت پر عقیدہ ہے لیکن یہ عقیدہ ایسا ہے جیسا کہ اگر کسی کاغذ کے اوپر کچھ لکھ دیں پھر اس کی خبر نہ لیں تو وہ تحریر دھندلی ہو جاتی ہے، اگر اس کو آئینہ لگا کر پڑھی جائے تو پڑھی جاسکتی ہے ورنہ بالکل نظر نہیں آتی۔ تو کاغذ پر تو تحریر لکھی ہوئی ہے لیکن اس کا نقش اتنا دھندلا ہو گیا ہے بغیر آئینہ کے نظر نہیں آتا۔ اسی طریقہ سے ہمارا عقیدہ آخرت بھی ہے۔

ایک شہزادہ کا قصہ اسی بات کو ایک اور مثال سے سمجھئے: ایک شہزادہ تھا، اس کے باپ نے اسکو پرورش کیلئے لڑکیوں کے اندر چھوڑ دیا، وہ چھوٹی چھوٹی بچیوں کے

ساتھ کھیلتا تھا اسی طرح وہ جوان ہو گیا۔ لیکن چونکہ ماحول اس کو لڑکیوں اور عورتوں کا ملا تھا اس لئے اس کے اندر یہ لڑکی زنانہ انداز پیدا ہو گیا چنانچہ وہ دوستوں کو نہیں جانتا تھا، سہیلیوں کو جانتا تھا سب اسکی سہیلیاں تھیں۔ ایک دفعہ کا واقعہ لکھا ہے کہ شاہی محل میں کہیں سے سانپ نکل آیا۔ عورتوں نے چلانا شروع کیا کہ ارے باہر کوئی ہے مرد، جو سانپ کو مار دے، تو شہزادے صاحب بھی چلانے لگے کہ ارے باہر ہے کوئی مرد، جو سانپ کو مار دے، تو عورتوں میں سے کسی نے کہدیا کہ حضور عالم پناہ شہزادے صاحب! آپ بھی تو مرد ہیں؟ کہنے لگے لاحول ولا قوۃ الا باللہ مجھے تو یاد ہی نہیں رہا کہ میں بھی مرد ہوں، یہ تو تمہارے یاد دلانے سے یاد آیا کہ میں بھی مرد ہوں۔ ارے ظالم! وہ مردانگی کس کام کی مردانگی ہے جو سانپ کے نکلنے سے یاد نہ آئے بلکہ عورتوں کے یاد دلانے سے یاد آئے؟ یہ کسی کام کی مردانگی نہیں ہے۔

مسلمانوں کی حالت شہزادہ کی سی ہے

اسی طریقہ سے میرے دوستو! خوف آخرت اور خشیت الٰہی معتبر ہے کہ جب انسان کسی کیلئے چھرا نکالے فوراً آخرت یاد آجائے، یاد آجائے۔ جب کوئی انسان چوری کرنے کا ارادہ کرے فوراً اسے یاد آجائے کہ خدا کو کیا منہ دکھاؤں گا؟ اگر کوئی پڑوسی کسی پڑوسی کی حق تلفی کرتا ہے اس وقت اسے یاد آجائے کہ مجھے آخرت میں خدا کے سامنے جواب دینا ہے۔

میرے دوستو! خوفِ آخرت دراصل اس کو کہتے ہیں، باقی جب مولوی صاحب وعظ کہتے ہیں تو عقیدہ آخرت یاد آجاتا ہے تو معاف کیجئے! آپ لوگ بھی اس شہزادہ کی طرح ہیں آپ کو یاد ہی نہیں ہے کہ آپ بھی مرد ہیں، مولوی صاحب جب یاد دلاتے ہیں تو آپ کہتے ہیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ میں تو بھول ہی گیا تھا۔ آپ کے یاد دلانے سے یہ بات یاد آئی۔

ہماری اصلاح کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ ہم اپنے اندر خوفِ خدا اور

خشیت الٰہی پیدا کریں اور حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات اور آپ کے اصلاح کے طریقہ کو اپنائیں جس طریقہ سے آپ نے اپنی امت کی اصلاح فرمائی بکریاں چرانے والوں کو صاحب تخت و تاج بنادیا۔

بس یہ چند کلمات عرض کرنے تھے اب دعا کیجئے کہ اللہ ہمیں اور آپ کو سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے......

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ
وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ اللھم
صلی علی سیدنا ومولینا محمد صلوٰۃ تنجینا
بہا من جمیع الاھوال والآفات، وتقضی لنا بہا جمیع
الحاجات، وتطھرنا بہا من جمیع السیئات، وترفعنا
بہا اعلی الدرجات، وتبلغنا بہا اقصی الغایات،
من جمیع الخیرات فی الحیوۃ وبعد الممات،
انک علی کل شئی قدیر برحمتک
یا ارحم الراحمین

حقیقت شرک

جو چیزیں اللہ کو سب سے زیادہ ناپسند ہیں ان میں سے ایک ظلم ہے۔ عام طور پر ظلم کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ مثلاً میں نے آپ کی کوئی چیز چھین لی تو میں نے ظلم کیا۔ آپ نے میرا مکان چھین لیا تو آپ نے ظلم کیا۔ لیکن نہیں! ظلم ایک ایسی چیز ہے کہ جس کے بہت سے انواع و اقسام ہیں۔ فرمایا کہ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا

ترجمہ: اور اس شخص سے زیادہ اور کون ظالم ہوگا جو خدا تعالیٰ کی مسجدوں میں ان کا ذکر کیے جانے سے بندش کرے اور ان کے ویران ہونے (کے بارے) میں کوشش کرے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۔

اللہ کی ذات وصفات میں اس کی قدرت و اختیار میں کسی کو شریک ٹھہرانا سب سے بڑا ظلم ہے۔ (ارشاد حضرت شعیب الاسنؒ)

حقیقتِ شرک

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ۝

وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابًا دُونَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٧﴾

سُورَةُ الطُّورِ

صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيمُ وَصَدَقَ رَسُولُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ وَالشَّاكِرِينَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

بزرگان محترم و برادران عزیز! اس سے پہلے کی آیتوں کے سلسلہ میں یہ عرض کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو خطاب کرکے فرمایا کہ آپ سمجھانے کے جتنے طریقے تھے ان تمام طریقوں سے سمجھا چکے کوئی کسر نہ چھوڑی لیکن یہ لوگ بغض و عناد اور ہٹ دھرمی میں آکر آپ کی باتوں کو ٹھکرا رہے ہیں اب آپ انکو ان کی حالت پر چھوڑ دیجئے اور یہ کہہ دیں کہ اس دن کا انتظار کرو جو عنقریب آنے والا ہے اور وہ قیامت کا دن ہے۔ فرمایا کہ

فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ ﴿٤٥﴾

يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿٤٦﴾

سُورَةُ الطُّورِ

ترجمہ: تو ان کو اسی کی حالت پر رہنے دیجئے یہاں تک کہ ان کو سابقہ اس دن سے ہو جس میں انکے ہوش اڑجاویں گے۔ جس دن ان کی تدبیریں ان کے کچھ بھی کام نہ آویں گی اور نہ انکو کہیں سے مدد ملے گی (معارف القرآن)

ظالم کو دونوں جہاں میں سزا دی جائیگی اس کے بعد فرمایا۔

وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابًا دُونَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٧﴾

ترجمہ: اور ان ظالموں کیلئے قبل اس (عذاب) کے بھی عذاب ہونے والا ہے لیکن ان میں اکثر کو معلوم نہیں (معارف القرآن)

اور صرف یہی نہیں بلکہ اس دن (قیامت کے دن) سے پہلے بھی یہ لوگ اپنی حرکتوں اور اپنے خیالات کا اور دانیوں کا ذائقہ چکھیں گے اسکی سزا بھگتیں گے اور عذاب سے دوچار ہوں گے۔ کیونکہ آیت میں دون ذالک کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو دو سزائیں دی جائیں گی ایک آخرت کی سزا اور دوسری دنیا کی سزا۔ اس آیت میں جس سزا کا ذکر ہے وہ آخرت کی سزا ہے۔ لیکن اس سے پہلے پہلے یہ لوگ دنیا کے اندر اپنی رسوائی دیکھیں گے۔

ظالم کون ہے؟ اب رہی یہ بات کہ ظالم کن لوگوں کو کہا گیا ہے؟ ان لوگوں کو کہا گیا ہے جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کو نعوذ باللہ جادوگر کہا، جنہوں نے آپ کو کاہن کہا، جنہوں نے آپ کو شاعر کہا۔ جنہوں نے آپ کو مجنون کہا، جنہوں نے آپ کو ایذائیں پہنچائیں اور آپ کے قتل کی تدبیریں کیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنکو قرآن کریم نے اس آیت میں ظالم کہا گیا ہے۔

ظلم ایک ایسی چیز ہے کہ جسکا عذاب، جسکی پاداش انسان اپنی زندگی میں تو بھگتتا ہی ہے مزید برآں یوم جزا، روز آخرت میں بھی اسے اسکی سزا بھگتنی پڑے گی۔ اس وقت مجھے اسی مسئلہ میں کچھ عرض کرنا ہے۔

ظلم کا تنوع سب سے پہلی بات یہ ہے کہ جو چیزیں اللہ کو سب سے زیادہ ناپسند رہی ہیں ان میں سے ایک ظلم ہے۔ عام طور پر ظلم کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ مثلاً میں نے آپکی کوئی چیز چھین لی تو میں نے ظلم کیا۔ آپ نے میرا مکان چھین لیا تو آپ نے ظلم کیا۔ لیکن نہیں، ظلم ایک ایسی چیز ہے کہ جس کے بہت سے انواع و اقسام ہیں۔ فرمایا کہ

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَى فِي خَرَابِهَا

ترجمہ: اور اس شخص سے زیادہ اور کون ظالم ہوگا جو خدا تعالیٰ کی مسجدوں میں ان کا ذکر کئے جانے سے بندش کرے اور ان کے ویران ہونے کے بارے میں کوشش کرے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا: إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ۔

اللہ کی ذات وصفات میں، اسکی قدرت واختیار میں کسی کو شریک ٹھہرانا سب سے بڑا ظلم ہے۔

ظلم کسے کہتے ہیں؟

معلوم ہوا کہ ظلم کے معنی صرف وہی نہیں ہیں جو ہمارے اور آپ کے ذہنوں میں ہے۔ علماء لغت نے ظلم کے معنی عربی الفاظ میں یہ لکھی ہے:

وضع الشئی فی غیر محلہ کسی چیز کو اسی جگہ پر رکھ دینا جو اس کے رکھنے کی جگہ نہیں ہے۔ کسی چیز کو غیر جگہ پر رکھ دینا ظلم کہلاتا ہے۔

مثال کے طور پر ایک شخص لاؤڈ اسپیکر (LOUD SPEAKER) کے اس آلہ کو جس میں بولا جاتا ہے نیچے کر دے اور جس پر (STAND) وہ رکھا ہوا ہوتا ہے اسے اوپر کر دے تو کہا جائے گا کہ اس نے ظلم کیا اس لئے کہ جو چیز اوپر رکھنے کی تھی اس نے اسے نیچے کر دی اور جو چیز نیچے رکھنے کی تھی اسے اوپر کر دی۔

مسلم معاشرہ ماضی اور حال کے آئینہ میں

جب شروع شروع میں مسلمانوں نے انگریزوں کی تہذیب اختیار کی تو اس طریقے سے اختیار کی جیسے کوئی چور چوری کرتا ہے۔ بالکل آہستہ آہستہ اپنی وضع قطع بدلی۔ سب سے پہلے جوتا بدلا۔ پھر شرعی پاجامہ کی کاٹ بدلی۔ پھر کرتے کی جگہ قمیص (SHIRT) بدلی۔ پھر ٹوپی ہٹی اور اس کی جگہ بعضوں نے ہیٹ (HAT) اختیار کیا اور بعضوں نے ننگے سر رہنا پسند کیا اور سب سے آخر میں گلے کی وہ پٹی اختیار کی جسکو ٹائی (TIE) کہا جاتا ہے۔ اور اسی طریقہ پر جب بھی کوئی مسلمان اس تہذیب کو اختیار کرتا ہے تو وہ یہ سمجھ کر کرتا ہے کہ میں تھوڑی سی برائی کر رہا ہوں اور اس طرح سے رفتہ رفتہ وہ اس میں مکمل طریقہ سے رچ بس جاتا۔ لیکن پھر بھی عمومی طور پر پچھے مغربی تہذیب میں اس قدر رچی بسی صورتیں نظر نہیں آتی تھیں جتنی کہ آج نظر آتی ہیں بلکہ اس دور میں ہر خاندان کے افراد خواہ وہ بڑے بڑے امراء اور نوابوں یا

بادشاہ سلاطین ہوں سب اسلامی وضع قطع میں رہتے تھے۔ ان کو دیکھتے ہی یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ مسلمان ہیں، متشرع ہیں۔

میری خوشدامن جو حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی حقیقی بھتیجی تھیں اور مولانا سے انہوں نے تفسیر بیان القرآن بھی پڑھی تھی اور کسی جگہ مولانا نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے اور فرمایا ہے کہ وہ اتنی ذہین تھیں کہ ان کے سوالات مجھے بہت بھاتے تھے۔ میری خوشدامن نے مجھ سے یہ بیان کیا کہ میں نے اپنی زندگی میں پہلا انسان جس کے چہرہ پر ڈاڑھی نہیں تھی اپنی شادی کے بعد دیکھا، کیونکہ اس زمانہ میں ماحول ایسا تھا کہ شادی سے پہلے کبھی کوئی ایسا مرد نہیں دیکھا کہ جس کے چہرے پر ڈاڑھی نہ ہو۔ پہلی دفعہ شادی کے بعد دیکھا، وہ ایک تحصیلدار تھے جن کے چہرے پر ڈاڑھی نہیں تھی۔ فرماتی ہیں کہ صبح شام اٹھتے بیٹھتے ہر وقت ان سے میرا یہی کہنا تھا کہ تمہاری صورت کیسی ہے، میں نے تو ایسا آدمی کبھی نہیں دیکھا، میرے اس جملے کا اثر ان پر یہ ہوا کہ مہینہ دو مہینہ کے اندر انہوں نے ڈاڑھی رکھ لی۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا حیرت انگیز واقعہ اور آج سے تقریباً ساٹھ سال پہلے کا ایک واقعہ ہے جو مجھے عرض کرنا ہے اور یہ ذہن نشین کرلیں کہ یہ کوئی افسانہ اور گھڑی ہوئی بات نہیں ہے، حقیقت میں یہ واقعہ پیش آیا ہے اور کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جو علم حدیث کے زبردست عالم تھے، بڑے اللہ والے تھے، ان کی بڑی شہرت تھی۔ ایک مرتبہ سہارنپور سے ایک انگریز کمشنر (COMMISSIONER) ان کی شہرت سن کر ان کے پاس آیا۔ اس وقت مولانا حدیث کا درس دے رہے تھے، طلبہ کا حلقہ بنا ہوا تھا، مولانا کو اس کے آنے کی خبر ہوگئی لیکن انہوں نے اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا، درس حدیث میں مصروف رہے۔ اس انگریز نے یہ سوچا کہ یہ تو نہایت خشک مزاج اور بد اخلاق معلوم ہوتے ہیں۔ ان

کے علاقے کا حاکم آیا ہے لیکن انہوں نے اس کی طرف کوئی التفات اور توجہ نہیں کی وہ بیٹھ گیا تھوڑی دیر کے بعد جب مولانا درس حدیث سے فارغ ہوگئے تو اس سے باتیں کیں، اس نے باتوں ہی باتوں میں اپنے دل کی چوٹ ظاہر کردی، اس نے کہا سب سے پہلے میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ کے مذہب میں بادشاہوں کی تعظیم اور ان کے احترام کی کوئی جگہ ہے یا نہیں؟ اس کا مقصد یہ تھا کہ میں ایک ضلع کا حاکم ہونے کی حیثیت سے آپ کے پاس آیا ہوں لیکن آپ نے میرا کوئی نوٹس (NOTICE) نہیں لیا، آیا آپ کے مذہب میں ایسے اخلاق کی تعلیم ہے یا نہیں؟

مولانا نے فوراً جواب دیا کہ ہاں ہمارے مذہب میں بادشاہوں کیلئے ہی کیا بلکہ اوپر سے نیچے تک سب کیلئے خلق برتنے کا حکم ہے اور یہ حدیث بھی فرمائی کہ

انزلوا الناس منازلهم

ہر آدمی کو اس کے منزل اور مرتبے کے اعتبار سے رکھو ہمارے مذہب میں اخلاق کی یہ تعلیم ہے لیکن آپ کو یہ کہہ لینا چاہئے کہ آپ چاہے ضلع کے حاکم ہوں یا پورے ملک کے حاکم ہوں لیکن جب آپ یہاں آئے تو میں دونوں جہان کے بادشاہ کا کلام پڑھ رہا تھا، حدیث پڑھا رہا تھا اور جب میں اس حاکم کے کلام کی طرف متوجہ تھا تو پھر کسی اور حاکم کی طرف متوجہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اسی لئے دوران درس حدیث میں آپ کی طرف متوجہ نہیں ہوا اور جب فارغ ہوگیا تو پھر توجہ دیا۔

ایک عاشق رسول کا خواب اور اس کی تعبیر خیر، یہ واقعہ تو میں نے ویسے ہی عرض کردیا ہے، مجھے جو واقعہ سنانا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے زمانے میں دلی کے پاس غازی آباد کا رہنے والا ایک شخص نے ایک خواب دیکھا اور اس کا مولانا کے پاس لکھ کر بھیجا کہ اس کی تعبیر کیا ہے اور میرا یہ خیال ہے کہ آج سے پچاس سے ساٹھ سال پہلے جو تعبیر دی گئی وہ آج حرف بحرف صحیح ثابت ہو رہی ہے، انہوں

نے یہ لکھا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں غازی آباد کے اسٹیشن (STATION) پر ہوں اور اسٹیشن پر بڑا ہجوم ہے اور دہلی کی طرف سے گاڑی آرہی ہے اور علی گڑھ کی طرف جانے والی ہے۔ میں نے لوگوں سے پوچھا۔ بھائی! کیا بات ہے؟ کیوں لوگ یہاں جمع ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ اس گاڑی سے سرکار دوعالم ﷺ تشریف لارہے ہیں۔ میرے دل میں بھی حضور اکرم ﷺ کو دیکھنے کیلئے بڑا اشتیاق اور بڑی تڑپ پیدا ہوئی۔ چنانچہ میں بھی اس ہجوم میں شامل ہوگیا۔ لاکھوں آدمی جمع تھے۔ تھوڑی دیر میں جب وہ گاڑی آئی اور اسٹیشن پر کھڑی ہوگئی تو لوگوں نے ادھر ادھر دوڑنا شروع کیا۔ ایک ڈبہ میں سے کسی نے اشارہ کیا کہ سرکار دوعالم ﷺ اس ڈبہ میں ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد اس ڈبہ میں سے ایک صاحب نکلے جو مغربی لباس میں ملبوس تھے۔ کوٹ۔ پتلون۔ ٹائی۔ ہیٹ وغیرہ پہنے ہوئے تھے۔ لوگوں نے کہا۔ یہ حضور اکرم ﷺ ہیں۔

خواب دیکھنے والے نے اس خواب کو نقل کرنے کے بعد لکھا کہ حضرت! جب سے میں نے یہ خواب دیکھا ہے میرا جسم کانپ رہا ہے۔ میں پریشان ہوں اور زیادہ پریشانی اس لئے ہے کہ حدیث میں آتا ہے کہ اگر خواب میں حضور اکرم ﷺ کو دیکھا جائے یا یہ بتایا جائے کہ یہ حضور اکرم ﷺ ہیں تو وہ حضور ہی ہوتے ہیں۔ دوسرا کوئی حضور کی شکل اختیار نہیں کرسکتا۔ اب مجھے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں نے حضور کو اس حالت میں خواب میں دیکھا ہے یہ میری بداعمالیوں کا نتیجہ ہے۔ میرے ایمان کی کمزوری ہے یا کیا ہے۔ اس نے نہایت پریشانی کے اندر اپنا یہ خواب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو لکھا۔ مولانا نے اس کے جواب میں لکھا کہ آپ نے جو حضور کو خواب میں دیکھا ہے وہ دراصل حضور اکرم ﷺ ہی ہیں لیکن جس حالت میں آپ نے حضورؐ کو دیکھا ہے دراصل وہ حالت خود سرکار دوعالم ﷺ کی نہیں ہے بلکہ اس کے ذریعہ آپؐ کی امت اور آپؐ کی ملت کی حالت دکھائی گئی ہے کہ آگے چل کر امت کی یہی حالت

ہونے والی ہے اور فرمایا کہ اسی طرح اگر کوئی خواب میں حضور اکرم ﷺ کو بیمار دیکھے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ امت بیمار ہے، حضور بیمار نہیں ہیں، اور اگر آپ ﷺ کو اس حالت میں دیکھا جائے کہ آپ گرا ہوئے ہیں تو اسکی تعبیر یہ ہے کہ امت بے چین اور پریشان ہے۔ تو فرمایا کہ کبھی خواب میں حضور کی حالت سے ملت کی حالت کے طرف اشارہ ہوتا ہے اور کبھی خود خواب دیکھنے والے کی حالت اور اسکی کیفیت مراد ہوتی ہے۔ حضور کی حالت اور کیفیت مراد نہیں ہوتی۔

خواب جو حقیقت بن گیا تو مولانا نے فرمایا کہ اس خواب سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آگے چل کر پوری امت مسلمہ پر نصاریٰ کا غلبہ ہونے والا ہے۔ اور یہ تعبیر مولانا نے آج سے تقریباً ساٹھ سال پہلے دی جبکہ پوری قوم میں دو چار افراد ایسے نظر آتے ہوں گے جو مغربی تہذیب کو اختیار کئے ہوں، لیکن آج وہ تعبیر حرف بحرف صحیح ثابت ہورہی ہے، آج آپ جس شخص کو دیکھئے خواہ وہ کسی جھونپڑی میں رہتا ہو، خواہ وہ کسی عالیشان مکان میں رہتا ہو مکمل طور پر مغربی تہذیب میں رنگا ہوا ہے اور ہوش سنبھالتے ہی بچہ کو جو لباس سب سے پہلے پہنایا جاتا ہے وہ مغربی لباس ہوتا ہے اور جب وہ ہوش سنبھالتے ہی سب سے پہلے اسی لباس سے متعارف ہوتا ہے تو اسے یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ اس لباس کے علاوہ بھی اپنے آباء و اجداد کا کوئی لباس ہے۔ اور جیسا کہ میں نے عرض کیا اس وقت شاذ و نادر ہی کوئی ایسا آدمی نظر آتا تھا جو غیر اسلامی لباس اور غیر اسلامی لباس اور غیر اسلامی وضع قطع اختیار کئے ہوئے ہو۔

ملت کے سر خیلوں کا لباس اور وضع قطع دور کیوں جاتے ہیں ان دو شخصیتوں کو دیکھ لیجئے جنہوں نے انگریزی تعلیم کیلئے جدوجہد اور کوششیں کیں۔ میری مراد ان سے دو سرسید ہیں، ایک بڑے سرسید، دوسرے چھوٹے سرسید، بڑے سرسید تو وہ تھے جنہوں نے علیگڑھ کالج (ALIGARH COLLEGE) اور علیگڑھ یونیورسٹی

(ALIGARH UNIVERSITY) قائم کی۔ ان کی شکل وصورت اور وضع قطع بالکل اسلامی تھی، ترکی ٹوپی تھی، لمبی ڈاڑھی اور اچکن پہنے ہوئے رہتے تھے۔ اور چھوٹے سر سید سے میری مراد خان بہادر بشیر الدین ہیں جنھوں نے اٹاوہ کے اندر ایک اسکول قائم کیا تھا۔ بچپن میں میں نے بھی ان کے اسکول کو دیکھا ہے، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی دینی مدرسہ کی درسگاہ ہے، اور دینی مدرسوں کی طرح وہاں بھی نماز کی پابندی لازمی تھی، سر گھٹانا اور لباس اور وضع قطع اسلامی طرز کا تھا، اٹاوہ کے اندر خان بہادر بشیر الدین کا ایک پرچہ بھی "البشیر" کے نام سے نکلتا تھا۔

آپ ان دونوں سر سید کو دیکھ لیجئے! بڑے متشرع تھے، اسلامی لباس پہنتے تھے اور کالج کے لڑکوں کیلئے بھی ایسا لباس تجویز کیا جسے دیکھتے ہی یہ پتہ چلے کہ یہ مسلمان ہیں۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ایک دور ایسا گذرا ہے کہ مسلمان اپنی ظاہری حالت کو بھی اسلامی طرز کے مطابق بنائے رکھتے تھے اور اپنی ہر نشست و برخاست میں اسلام کی حفاظت کرتے تھے، اور جہاں تک عورتوں کی بات ہے تو ان کے متعلق میرا یہ خیال ہے کہ بہت زمانے تک انھوں نے اپنی قدامت اور اسلام پسندی کو باقی رکھا، کافی زمانے کے بعد انھوں نے بھی آپ کی دیکھا دیکھی مغربی تہذیب کو اختیار کرنا شروع کر دیا۔ کچھ عورتیں تو مردوں کی زبردستی سے جدت پسندی میں مبتلا ہوئیں اور کچھ دیکھا دیکھی کی وجہ سے، یہی وجہ ہے کہ اکبر الہ آبادی مرحوم نے عورتوں کی آزادی میں عورتوں کا قصور نہیں بتلایا، بلکہ مردوں کا قصور بتلایا فرمایا کہ ۔

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں اکبر زمیں میں غیرت قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے پردہ تمہارا وہ کیا ہوا کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

مردوں کا قصور بتایا عورتوں کا نہیں بتایا، اور جو رنگ اکبر کا تھا وہی رنگ علامہ اقبال مرحوم کا بھی تھا انھوں نے بھی عورتوں کی آزادی کو کبھی پسند نہیں کیا۔

مسلمانوں نے بے سوچے سمجھے آنکھیں بند کر کے اس نئی تہذیب کو اپنایا ہے۔

کسی انگریز نے کہا تھا کہ اگر ہندوستانی سوچ سمجھ کر ہماری تہذیب کو اختیار کرتے تو میرا خیال یہ ہے کہ سب سے پہلے انہیں ہیٹ (HAT) پہننا چاہئے تھا اس لئے کہ ہمارے لباس کے اندر ایک یہی لباس ایسا ہے جو دھوپ سے بچاتا ہے۔ باقی دوسرے لباس کے اندر کوئی خوبی نہیں ہے لیکن اس نے کہا کہ ان کے عجیب معاملہ کیا ہے کہ جو شخص انگریزی طرز اختیار کرتا ہے وہ پہلے پاؤں سے شروع کرتا ہے اور آخر میں سر تک جاتا ہے۔ سر سے شروع نہیں کرتا۔

اور حقیقت بھی یہی ہے۔ جب تاریخ اٹھا کر آپ دیکھئے۔ سب سے پہلے لوگوں نے یہی کہا کہ یہ ہندوستانی طرز کا جوتا بدشکل اور بھدا ہے اس لئے اس کی جگہ انگریزوں کا بوٹ (SHOE) پسند کیا۔ پھر پاجامہ کی تراش بدلی۔ پھر کرتا چھوڑ کر قمیص اختیار کیا پھر اس کے اوپر کوٹ آیا۔ گلے کی ٹائی (TIE) آئی پھر سب سے آخر میں ہیٹ (HAT) آیا۔ وہی انگریز نے کہا کہ اگر یہ قوم سوچ سمجھ کر ہماری تہذیب کو اختیار کرتی تو سر سے شروع کرتی، پاؤں سے شروع کر کے سر پر ختم نہ کرتی۔

بہرحال شروع دور میں لوگ آہستہ آہستہ مغربی تہذیب کو اپناتے گئے اور آج ہماری یہ حالت ہو گئی ہے کہ ہم اپنے اسلامی تہذیب سے مکمل طور پر ناواقف اور ناآشنا ہو گئے ہیں۔

دیکھئے کوئی دیدہ عبرت ہو

ایک صاحب میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ایک مرتبہ میں مقابلے کے انٹرویو (INTERVIEW) میں بیٹھنا چاہتا تھا تاکہ مرکزی حکومت میں کوئی ملازمت مل جائے۔ اور یہ وہ زمانہ تھا جب گرمیوں میں حکومت سندھ کا دفتر مری میں ہوتا تھا اور سردیوں میں یہیں ہوتا تھا، گرمی کا زمانہ تھا۔ مجھے ایک چٹھی ملی جس کے ذریعہ انٹرویو کیلئے بلاوا آیا کہ فلاں تاریخ کو انٹرویو ہے آپ یہاں آکر اس میں شامل ہو جائیں۔ کہنے

لگے کہ جب میں انٹرویو میں شریک ہونے کیلئے شملہ پہنچا تو مجھے دیکھ کر بعض لوگوں نے کہا ارے بھائی! تم گورنمنٹ آف انڈیا (GOVERNMENT OF INDIA) کی ملازمت کیلئے انٹرویو دینے آئے ہو تو پھر اپنا حلیہ بھی درست کر لو، تم جس حلیہ میں آئے ہو وہ ملازمت والا حلیہ نہیں ہے، دیکھو! پہلے کوٹ، پتلون سلوا کر پہن لو پھر انٹرویو میں جاؤ، ورنہ تمہیں کامیابی نہیں ملے گی۔

آج کل بھی تو آپ لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ جب کوئی انگریز آپ کو انگریزی لباس میں دیکھتا ہے تو اس کا دل خوش ہو جاتا ہے کہ یہ ہمارا بھائی ہے، یہ ہمارا لباس اختیار کئے ہوا ہے، لیکن نہیں! یہ آپ کی غلط فہمی ہے، حقیقت یہ ہے کہ وہ آپ کو دیکھتے ہی آپ کو حقیر سمجھنے لگتا ہے وہ آپ کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے کیونکہ آپ کے متعلق وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ ذہنی طور پر اعتراف شکست کر چکا ہے، یہ ہماری نقالی کر رہا ہے، اس لئے اگر آپ تمام عمر بھی اسکی نقالی کریں گے جب بھی وہ آپ کو اپنا برابر نہیں سمجھے گا۔ ترکوں کی ساری عمر انگریز کی نقالی کرتے ہوئے گذر گئی لیکن کیا انگریزوں نے ترکوں کو انگریز سمجھ لیا؟ نہیں! کبھی نہیں!

خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ کی کہانی تاریخ کی زبانی

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے جلیل القدر خلیفہ خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ (جن کے اشعار آپ رمضان المبارک کی ستائیسویں شب کو سنتے ہیں) سب سے پہلے علیگڑھ سے فارغ ہوئے وہاں انہوں نے (B.A.) کیا، پھر حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی تو ان سے بیعت ہو گئے، اس زمانے میں وہ لکھنؤ کے اندر ڈپٹی کلکٹر (DEPUTY COLLECTOR) کے عہدہ پر فائز تھے، لیکن انہوں نے یہ محسوس کیا کہ کوئی دیندار آدمی اس عہدہ پر رہ کر کام نہیں کر سکتا، اس لئے انہوں نے مولانا تھانویؒ سے مشورہ کیا۔ مولانا نے فرمایا کہ بھائی! فی الوقت تم اس ملازمت کو چھوڑو نہیں، البتہ

دوسری ملازمت تلاش کرو جب مل جائے تو پھر تم اس کو چھوڑ دینا چنانچہ خواجہ صاحب نے کوشش کر کرا کے ڈپٹی انسپکٹر آف اسکول (DEPUTY INSPECTOR OF SCHOOL) کی جگہ قبول کر لی اور ڈپٹی کلکٹری کو چھوڑ دیا لیکن وہ ان عہدوں سے بڑی نفرت کرتے تھے۔ ایک دفعہ کسی صاحب کو خان بہادر کا خطاب حکومت کی طرف سے ملا تو ان کو خواجہ صاحب نے لکھا کہ تم خان بہادر ہو، ہم ایمان بہادر ہیں، ہمیں یہ خطاب پسند نہیں ہے۔

بہرحال حضرت خواجہ صاحب انسپکٹر آف اسکول ہو گئے۔ ایک مرتبہ لکھنؤ میں گورنر (GOVERNOR) آیا، وہ انگریز تھا۔ اس نے ایک جلسہ بلایا جس میں تمام بڑے حکام جمع ہوئے، بڑے بڑے افسران گورنر کے ساتھ ڈائس (DIAS) (اسٹیج) پر بیٹھے ہوئے تھے، خواجہ صاحب کی جگہ بھی ڈائس پر تھی، حضرت خواجہ صاحب کا لباس یہ تھا کہ لمبا کرتہ پہنتے تھے اور اچکن کے بجائے انگرکھا پہنتے تھے اور سر پر دو پلی ٹوپی لگاتے تھے جیسے صوفیوں کی ٹوپی ہوتی ہے، اور بڑا حسین چہرہ تھا ان کا، وہ خود فرماتے ہیں کہ مجھے جلسہ گاہ میں پہنچنے میں کچھ دیر ہو گئی، گورنر اور دوسرے امراء و حکام جمع ہو گئے تھے۔ قدرے تاخیر کے بعد جب میں وہاں پہنچا تو مجھے دیکھتے ہی گورنر فوراً کرسی سے کھڑا ہو گیا، اور اس کا کھڑا ہونا تھا کہ جتنے لوگ ڈائس (DIAS) پر تھے وہ بھی کھڑے ہو گئے اور جتنے لوگ ہال (HALL) میں تھے وہ بھی کھڑے ہو گئے۔ میں آیا اور گورنر سے مصافحہ کر کے اپنی جگہ بیٹھ گیا۔

اندازہ لگایئے کہ کوٹ پتلون والے اتنے بڑے بڑے حکام آئے لیکن کسی کیلئے گورنر کے دل میں احترام کا وہ جذبہ پیدا نہیں ہوا جو خواجہ صاحب کیلئے ہوا۔ گورنر نے چپکے سے کسی سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ یہ ہمارے انسپکٹر آف اسکول ہیں۔ گورنر نے کہا یہ بڑے شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ پھر جتنے کوٹ پتلون والے تھے

کہنے لگے کہ ہم نے ساری عمر تمہاری نقالی کی تو ہم شریف نہ بنے شریف وہ بنے جنہوں نے اپنی وضع باقی رکھی۔

انگریز کمشنر کی غیرت انسانیت | میرٹھ کے علاقہ میں ایک کمشنر (COMMISSIONER) تھا جسکا نام مارش (MARSH) تھا وہ انگریز تھا لیکن ہندوستان میں پیدا ہوا تھا اس لئے کچھ ٹوٹی پھوٹی اردو بھی بول لیتا تھا عام لوگوں میں یہ مشہور تھا کہ یہ بڑا رحم دل ہے اور سب سے متا ہے۔ کچھ عورتیں برقعہ پہنے ہوئے اس کے بنگلہ پر گئیں اور کہا کہ ہم کمشنر سے ملنا چاہتے ہیں۔ کمشنر باہر آیا اور اپنی ٹوٹی پھوٹی اردو میں بیگمات سے پوچھا کہ آپ کیسے آئیں؟ انہوں نے کہا کہ ہم میں سے کچھ بیوہ ہیں۔ کچھ خستہ حالت میں ہیں۔ ہمارے گذارے کی کوئی سبیل نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ آپ رحمدل حاکم ہیں اس لئے ہم آپ کے پاس آئے ہیں۔ یہ سن کر وہ اندر گیا اور نوٹ لیکر آیا یہ رقم وہ ان عورتوں کو دینے کیلئے ہی لایا لیکن دینے سے پہلے اس نے کہا کہ دیکھئے بیگمات! ایک بات سنئے! یہ برقعہ پہننا اور منہ ڈھانکنا ہمارے یہاں تو نہیں ہے اس لئے آپ میں سے جو اپنا منہ کھولیں گی میں یہ رقم انہیں کو دوں گا چنانچہ ان میں سے دو تین عورتوں نے اپنا منہ کھول دیا۔ اس کمشنر نے ساری رقم ان عورتوں کو دے دی جنہوں نے اپنا چہرہ نہیں کھولا تھا۔ اور اس نے کہا کہ یہ عورتیں باحیا ہیں ان کا گذارہ بہت مشکل ہو سکتا ہے اور تم نے اپنا چہرہ کھول دیا۔ تم ہر جگہ جا کر سوال کر سکتی ہو تمہارا گذارہ اتنا مشکل نہیں ہے۔

جسکا مطلب یہ ہے کہ ہم اور آپ جو یہ سمجھتے ہیں کہ انگریزوں کی نقالی کرنے سے ان کے دل میں جگہ پیدا ہوتی ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ ان کے دل کوئی جگہ پیدا نہیں ہوتی اور یہ موقعہ ایسا ہے کہ بہت سے بات شکل آتی ہے تو ایک اور واقعہ سن لیجئے۔

خلیفہ ہارون الرشید کو استاد کی نصیحت | خلیفہ ہارون الرشید جب خلافت پر متمکن

ہوئے تو سب نے انہیں مبارکباد دی لیکن ان کے استاد جن سے وہ حدیث و فقہ
اور دوسری کتابیں پڑھتے تھے انہوں نے کوئی مبارکباد نہیں دی۔ خلیفہ ہارون
رشید بڑے حیران تھے کہ سب نے مجھے مبارکباد دی ہے لیکن میرے استاد نے
مبارکباد نہیں دی۔ انہوں نے اپنے استاد کے پاس ایک پیغامبر (قاصد) بھیجا اور اس
سے یہ کہہ کر کہ وہ ہمارے استاد ہیں بڑے ادب و احترام اور تعظیم کے ساتھ ان
سے جا کر ملو اور میرا یہ خط ان کو دے دینا۔ اس خط میں انہوں نے یہ لکھا تھا کہ مجھے اللہ
تعالیٰ نے یہ عزت عطا فرمائی کہ مجھے تخت خلافت پر متمکن فرمایا۔ میں اس خوشی کا
حصہ آپ کو دے رہا ہوں

وہ قاصد اپنی سرکاری رتبے کے لحاظ سے عمدہ قبا اور شاہی لباس زیب تن کئے
ہوئے سفر کر کے جب وہاں پہنچا تو مجلس میں جا کر سلام و آداب کے بعد عرض کیا کہ
میں خلیفہ وقت ہارون الرشید کی طرف سے ایک پیغامبر اور قاصد کی حیثیت سے یہ خط
لیکر آیا ہوں۔ آپ یہ خط وصول کر لیں اور اس کا جواب دیں۔ انہوں نے سلام کا جواب
دیا اور حاضرین مجلس سے کہا کہ یہ آدمی جس کا خط لیکر آیا ہے وہ ظالم ہے وہ خلق کی
امانتوں میں خیانت کرتا ہے اس لئے میں اس کے خط کو ہاتھ نہیں لگاتا۔ تم میں سے کوئی
اس خط کو لے لے اور پڑھے کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ پھر اسکا جواب لکھے۔ کسی نے خط
پڑھا تو فرمایا کہ جواب لکھو۔ اور جواب یہ لکھوایا کہ یہ صدقے اور بیت المال اور
سلطنت کی تمام اموال جو تمہارے پاس ہیں یہ سب اللہ کی امانت ہے اور تو تخت خلافت
پر بیٹھا ہوا اس امانت میں خیانت کر رہا ہے اور جو خیانت کرتا ہے اسکا خط میں نہیں
چاہتا ہوں اور نہ مبارکباد دینا چاہتا ہوں۔

انہوں نے جب یہ جواب لکھ کر دیا تو وہ قاصد جو خط لیکر آیا تھا خط کا جواب لے لیا اور
اپنا ریشمی اور شاہی قبا اتار کر پھینک دیا اور درویشوں کا لباس زیب تن کر لیے

درویشوں کا وضع قطع اختیار کر لیا اور سنت نبوی سرکاری وضع قطع کے اوپر اور کہنے لگا کہ ہارون الرشید بادشاہ نہیں ہے، بادشاہ تو یہ ہیں۔ اسی وضع قطع کے اندر خط کا جواب لیکر واپس ہو گیا۔ جب ہارون الرشید کے پاس پہنچا تو وہ اسے دیکھتے ہی یہ کہہ گیا کہ یہ تو بالکل میرے استاد اور میرے شیخ کا حلیہ اختیار کر لیا ہے، وہ رونے لگا، اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے، اور کہنے لگا کہ تو میرا پیغام لیکر گیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے تجھے یہ سعادت عطا فرمادی اور میں اس سعادت سے محروم رہ گیا۔

محبت خود سکھا دیتی ہے آداب محبت بھی یاد رکھئے، جس فرد کو آدمی پسند کرتا ہے تو اس کی چال ڈھال، وضع قطع، نشست و نشست سب کچھ پسند کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ سرکار دوعالم ﷺ کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ آپ کیسے چلتے تھے؟ آپ کیسے بیٹھتے تھے؟ جب آپ لوگوں کے ساتھ چلتے تھے تو اس کا کیا طریقہ ہوتا تھا؟ آپ جھک کر چلتے تھے یا تن کر چلتے تھے؟ جب آپ کھانا کھاتے تو اس کا کیا طریقہ ہوتا تھا۔

صحابہ کرام اور اتباع سنت ایک صحابی عراق کے اندر شاہان عجم کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے نمائندہ بن کر کسی دعوت میں شریک ہوئے۔ بہت سے سلاطین، بادشاہ اور امراء دعوت میں شریک تھے اور کھانا کھا رہے تھے۔ کھانا کھاتے ہوئے صحابی کا ایک لقمہ نیچے دستر خوان پر گر گیا۔ انہوں نے فوراً دستر خوان پر سے اسے اٹھایا اور کھا لیا۔ جو آدمی ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا اس نے کہا کہ یہ حرکت جو آپ نے کی ہے یہ شاہان عجم کے ایٹیکیٹ کے خلاف ہے، یہ ان کے مراسم و عادات کے خلاف ہے، یہ سنتے ہی صحابی کو غصہ آگیا اور فرمایا أأترک سنة حبیبی لهؤلاء الحمقی فرمایا کہ میں ان سلاطین عجم کو کیا جانوں کہ یہ کیا حقیقت رکھتے ہیں۔ میری نظر میں یہ احمق ہیں، سرکار دوعالم ﷺ کی یہ سنت جو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے ان احمقوں کی وجہ سے کیوں چھوڑ دوں؟

میرے دوستو! آج ہم اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتے ہیں، قرآن و حدیث کو بھی سامنے رکھتے ہیں اور اولیاء اللہ کی تعلیمات بھی ہمارے سامنے ہے لیکن تہذیب و تمدن انگریز کا اختیار کرتے ہیں، زندگی انگریز کی اختیار کرتے ہیں، معاشرہ یورپ (EUROPE) والوں کا اختیار کرتے ہیں، ان دونوں کے اندر ایسا تضاد ہے کہ قدم قدم پر ان کا ضمیر پوچھتا ہے کہ کتاب تیری کیا کہتی ہے؟ اور معاشرہ تیرا کیا کہتا ہے؟ تو کس طرف جارہا ہے اور تیری کتاب تجھے کس طرف لے جانا چاہتی ہے؟

دیکھئے کون گردیدۂ عبرت ہو گئے

تو خیر! یہ باتیں بیچ میں نکل آئیں، میں ان آدمی کا واقعہ عرض کر رہا تھا جو مرکزی حکومت میں ملازمت کیلئے انٹرویو دینے شملہ گیا تھا، وہ خود اپنا واقعہ بیان کرتے تھے، کہتے تھے کہ جب میں شملہ پہنچا تو لوگوں نے کہا کہ آپ جس لباس میں آئے ہیں اس لباس میں انٹرویو میں کامیابی نہیں ہوگی، جیسے کوٹ پتلون سو آپ پھر سے پہن کر انٹرویو میں جاؤ، جب کامیابی ہوگی، میں نے دوستوں سے کہا کہ بھائی! پرسوں انٹرویو ہے صرف ایک دن درمیان میں رہ گیا ہے، میں ایک دن کے اندر میں ساری تیاری کیسے کر سکتا ہوں؟ انہوں نے کہا: آپ اس کی فکر نہ کریں، آپ ہمیں اختیار دے دیں، یہاں ایسے درزی موجود ہیں جو ایک دن میں سی کر دے سکتے ہیں، انہوں نے کہا اچھا اگر آپ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس کے بغیر کامیابی نہیں ہو سکتی ہے تو کسی کو بھیجیں اور درزی کو بلالیں، چنانچہ درزی آیا اور ناپ لے گیا اور دوسرے دن رات کو سل کر دے دیا، اب یہ بیچارے چونکہ تمام عمر کبھی کوٹ پہنتے تھے نہ پتلون پہنے تھے اب جو پتلون پہنا تو اس طرح پہنا کہ جو حصہ آگے کا تھا اسے پیچھے کر دیا اور جو حصہ پیچھے کا تھا اسے آگے کر دیا۔

یہ واقعہ میں نے اس لئے عرض کیا کہ آپ کو ظلم کی حقیقت معلوم ہو جائے۔

اس واقعہ سے آپ کو یہ سمجھ میں آجائے گا کہ ظلم کسے کہتے ہیں، ظلم کے معنی یہ ہیں کہ

جس چیز کو جس جگہ رکھنا ہے اس جگہ کے خلاف جگہ رکھ دینا، انہوں نے بھی یہی کیا، آگے کا حصہ پیچھے اور پیچھے کا حصہ آگے کر لیا، اب جو انہوں نے اس طریقہ سے پتلون پہنا تو پیچھے سے کھنچ رہا تھا، کس رہا تھا اور آگے سے بالکل ڈھیلا تھا، عجیب معلوم ہو رہا تھا، انہوں نے اپنے میزبان سے کہا میرا خیال ہے کہ درزی نے اسکو خراب کر دیا، پتہ نہیں میں اسکو پہن کر چل سکتا بھی ہوں یا نہیں، میزبان نے کہا، اگر درزی نے خراب کر دیا ہے تو پھر اس کو بلوا لیتے ہیں چنانچہ درزی کو بلایا گیا۔

جب لوگ مہذب تھے تو؟ اس زمانے میں لوگوں کے اندر تہذیب تھی، آداب تھا اور آجکل کی یہ حالت ہے کہ اگر آپ کو کسی درزی سے اس قسم کا واسطہ پڑے گا تو وہ چھوٹتے ہی آپ سے یہ کہے گا کہ کبھی تم نے یا تمہارے باپ دادا نے پہنا بھی تھا یا نہیں؟ ایک صاحب تمبا کو لینے گئے، انہوں نے کہا، بھائی اس کی کیا قیمت ہے؟ دکان دار نے قیمت بتائی، انہوں نے جب پیسے کم کروائے تو دکاندار نے کہا، کبھی تم نے پیا بھی ہے یا نہیں؟ آجکل ایسا ہی زمانہ ہے۔

بہرحال جب درزی آیا تو انہیں دیکھ کر یہ سمجھ گیا کہ یہ کوئی نیا رنگروٹ ہے، اس بیچارے کو پتہ نہیں ہے، اس نے کہا، حضور، اس کے اندر مجھ سے جو خرابی ہوئی ہے اسے میں سمجھ گیا، آپ اسے اتار دیجئے میں ابھی ٹھیک کر دیتا ہوں، انہوں نے اسے اتار دیا، اس کے بعد درزی نے اسے لیکر ایک جھٹکا دیا پھر ان سے کہا، حضور، اب پہنئے، اور جب انہیں سیدھا طریقہ سے پہنایا تو کہنے لگے کہ ہاں، اب ٹھیک ہے۔

آمدم بر سر مطلب اب آپ ظلم کی حقیقت سمجھ لیجئے کہ اگر آپ اس طریقہ پر پتلون پہنیں کہ آگے کا حصہ پیچھے اور پیچھے کا حصہ آگے ہے تو یہ ظلم ہے، اگر آپ قمیص ٹانگوں میں پہنیں اور پتلون گلے میں ڈال لیں، یہ ظلم ہے، کیوں؟ اس لئے کہ جس چیز کی جو جگہ تھی آپ نے اس جگہ سے اسے ہٹا دیا۔

وضع الشئ فی غیر محلہ ظلم یہ ہے ظلم کی تعریف۔

شرک کسے کہتے ہیں؟ اب آپ کو یہ سمجھنے میں بڑی آسانی ہو جائے گی کہ اگر آپ نے اللہ کو مخلوق کی جگہ پر بٹھا دیا یعنی اس کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا جیسے مخلوق کے ساتھ برتاؤ کرتے ہیں۔ مثلاً آپ نے کہا اللہ میاں کھاتے ہیں، اللہ میاں پیتے ہیں، اللہ میاں شادی کرتے ہیں، اللہ میاں کے اولاد ہوتی ہے اور اللہ میاں سے یہ ہوتا ہے، اور وہ ہوتا ہے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کو مخلوق کی جگہ پر بٹھا دیا، اس کو ظلم کہیں گے، اور شریعت کی زبان میں اسی کو شرک کہیں گے۔ اور اگر آپ نے مخلوق کو خالق کی جگہ پر بٹھا دیا مثلاً پتھر کو سجدہ کیا، درخت کو سجدہ کیا، جانور کو سجدہ کیا، قبر کو سجدہ کیا، کسی زندہ شخص کو سجدہ کیا یا کسی سے آپ نے اولاد مانگی۔ کسی سے آپ نے صحت و تندرستی مانگی، کسی سے آپ نے مراد مانگی تو اسکا مطلب یہ ہے کہ آپ نے مخلوق کو خالق کی جگہ بٹھا دیا یہ ظلم ہے اور شریعت کی زبان میں اسکو بھی شرک کہتے ہیں۔

جب یہ بات آپ کے سمجھ میں آگئی تو اب قرآن کریم کی اس آیت کو سمجھئے فرمایا کہ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ تم نے تو غضب کر دیا، تم نے صرف یہی نہیں کیا کہ آگے کا پچھل پیچھے اور پیچھے کا آگے کر دیا ہے بلکہ تم نے تو بالکل کایا پلٹ دی ہے خالق کو مخلوق اور مخلوق کو خالق بنا دیا ہے، خالق کی جگہ مخلوق کو بٹھا دیا اور مخلوق کی جگہ خالق کو بٹھا دیا ہے یہ سب سے بڑا ظلم ہے اس سے بڑا ظلم کوئی نہیں ہو سکتا، اسی کو شریعت کی زبان میں شرک کہتے ہیں۔ اس لئے فرمایا کہ ہر چیز معاف ہو سکتی ہے لیکن شرک معاف نہیں ہو سکتا۔ فرمایا۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ

اللہ تعالیٰ اس بات کو کبھی معاف نہیں فرمائیں گے کہ ان کے ساتھ کسی شریک ٹھہرایا جائے، اس کے علاوہ ہر گناہ کو جس کیلئے چاہیں گے معاف فرما دیں گے۔

اگر آپ نے نادانستہ طور پر اللہ کے حق میں بے ادبی کے الفاظ استعمال کئے، گستاخی کے الفاظ استعمال کئے، تو وہ اللہ کے یہاں معاف ہے۔ اس لئے کہ آپ نے وہ بڑا ظلم نہیں کیا ہے کہ خالق کی جگہ مخلوق کو اور مخلوق کی جگہ خالق کو بٹھا دیا ہے۔ صرف اتنا ہے کہ آپ دیہاتی ہیں۔ آپ گاؤں کے رہنے والے ہیں۔ آپ کو مراسم و آداب نہیں معلوم، اس لئے آپ کے منھ سے یہ بات نکل گئی۔

ایک چرواہا کا واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک چرواہا یہ کہہ رہا تھا کہ اے اللہ، اگر تو مجھے کسی جگہ مل جائے تو میں تیری ٹانگیں دباؤں۔ میں تیرے بالوں میں کنگھی کروں اور دونوں وقت بھی تکڑی ہوئی روٹیاں تجھے پہنچاؤں۔ وہ محبت سے کہہ رہا تھا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ جانتے تھے کہ یہ اللہ کی شان کے خلاف ہے، اس لئے فرمایا کہ ؎ این چہ ژاژست واین چہ کفرست وفشار

پنبہ اندر دہان خود فشار — مثنوی دفتر دوم / ۱۰۱

ارے ظالم! یہ کفریہ کلمات بک رہا ہے؟ اپنے منھ میں روئی لیکر منھ بند کر۔ یہ بیہودہ کلمات تھے لیکن اللہ کو یہی بات پسند تھی کہ میرا بندہ مجھے محبت سے یاد تو کر رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ڈانٹنے پر وہ چپ ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی کہ میرا ایک بندہ کیسے پیار سے مجھے یاد کر رہا تھا۔ تم نے اس کی یاد کو بند کر دیا۔ فرمایا کہ ؎ تو برائے وصل کردن آمدی

نے برائے فصل کردن آمدی — مثنوی رومی دفتر دوم / ۱۰۲

تُو تو بندہ کو خدا کے ساتھ ملانے کیلئے آیا تھا جدا کرنے کیلئے نہیں آیا تھا۔ ایک بندہ مجھے یاد کر رہا تھا۔ تو نے اسے چپ کر دیا۔ ہم ان الفاظ کو بے ادبی میں شمار نہیں کرتے۔ ایسے ہی اگر کوئی اللہ تعالیٰ کیلئے بجائے کریم کے کریل۔ کریل کہہ کر پکار رہا تو چاہے اس کے کچھ بھی معنیٰ نہ ہوں لیکن اللہ کو یہ معلوم ہے کہ یہ دیہاتی ہے۔ یہ اپنی زبان میں مجھے

یاد کر رہا ہے اور اس کے دل میں میری محبت ہے، اس لئے اللہ کی طرف سے لبیک کہہ کر پکارا جاتا ہے یعنی میرا بندہ مجھے پکار رہا ہے میں حاضر ہوں۔

تو میرے دوستو! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ خالق کو مخلوق بنا دینا، مخلوق کو خالق بنا دینا، گائے کو معبود بنا لینا، پیپل کو معبود بنا لینا، سورج کو معبود بنا لینا، پیر کو معبود بنا لینا اور بادشاہ کو معبود بنا لینا فرمایا کہ یہ سب شرک کی قسمیں ہیں، یہ سب سے بڑا ظلم ہے۔

نا دانستہ الفاظ کی معافی مگر کس حد تک؟ ہاں، اگر نادانستہ طور پر بے ادبی کے الفاظ زبان سے نکل گئے تو وہ معاف ہے جیسے مجذوبوں کی بے ادبی ہے۔ بعض اوقات مجذوبوں کی زبان سے ایسے کلمات نکل جاتے ہیں کہ اگر ہم اور آپ قانون کی کتاب لیکر بیٹھیں تو یہ کہہ دیں گے کہ نعوذ باللہ، اس نے کیا کہہ دیا، یہ تو کافر ہو گیا، مگر خدا سے پوچھئے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ میرا مقبول بندہ ہے یہ مجھ سے محبت کر رہا ہے اور محبت میں آکر یہ کہہ رہا ہے، یہ کافر نہیں ہوا ہے۔ تو نادانستہ طور پر بے ادبی کے الفاظ اگر زبان سے نکل جائیں تو معاف ہے لیکن ہوش والوں کو اس کی اجازت نہیں ہے۔

اسکی مثال یوں دیا کرتا ہوں کہ جیسے آپ کی گود میں ایک چھوٹا سا بچہ ہے، آپ اس سے بڑی محبت کرتے ہیں۔ اس چھوٹے سے بچے نے کسی بات کے اوپر آپ کی داڑھی پکڑی اور آپ کے منہ پر چانٹا مار دیا، آپ نے اس بچہ کا ہاتھ لیا اور اسے چوم لیا، بچے کو پیار کیا، آپ کو داڑھی پکڑنے پر غصہ آیا نہ چانٹا مارنے پر غصہ آیا، اسے دیکھ کر بچے کے جوان بھائی نے کہا کہ اوہو، میرے ابا کو یہ حرکت بڑی اچھی لگتی ہے چلو میں بھی داڑھی پکڑ کر ایک چانٹا مار دوں، لیکن یاد رکھئے؟ اگر جوان لڑکا یہ حرکت کرے گا تو قابل گردن زدنی ہوگا، باپ اسے عاق کر دے گا۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس بچہ کو ہوش نہیں ہے اور یہ صاحب ہوش ہے، اور جس کو ہوش ہے اس کے آداب الگ ہیں اور جس کو ہوش نہیں ہے اس کے آداب الگ ہیں۔

حضرت سرمدؒ اور اورنگ زیب عالمگیرؒ

اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ ہے، حضرت سرمدؒ ننگے پھرتے ہیں، بالکل ننگ دھڑنگ اور ننگے رہتے تھے۔ کسی نے عالمگیرؒ کے پاس جا کر چغل کھائی کہ اسلامی حکومت کے اندر ایک آدمی ننگا پھرتا ہے۔ اور آجکل تو ننگے ناچ بھی ناچے جاتے ہیں پھر بھی ہم اسلامی حکومت رکھتے ہیں۔ تو کسی نے عالمگیر کے پاس جا کر چغلی کھائی کہ ایک فقیر قسم کا آدمی مادر زاد ننگا پھرتا ہے۔ یہ حضرت سرمد علیہ الرحمۃ ہیں۔ عالمگیرؒ نے ایک وزیر کو بلایا اور کہا کہ دیکھو: میں نے سنا ہے کہ ایک درویش اور اللہ کے مقبول بندے ننگے پھرتے ہیں، میں نہیں چاہتا کہ ایسے لوگوں پر ظلم و زیادتی ہو اس لئے تم جاؤ اور دیکھ کر آؤ اور رپورٹ دو۔

لیکن اللہ والوں کو پہچاننے کیلئے اللہ والا ہی چاہئے۔ ہو سکتا ہے کہ اس وزیر کے چہرہ پر وہ آنکھ نہ ہو جس سے اللہ والوں کو پہچانا جاتا ہے کیونکہ بسا اوقات لوگوں کی آنکھوں میں وہ نور نہیں ہوتا ہے کہ جس سے وہ اللہ والوں کو پہچان سکیں۔ اس لئے میں یہ عرض کیا کرتا ہوں کہ ولی را ولی می شناسد

بلکہ اس سے بھی بہتر یہ ہے کہ۔ ولی را نبی می شناسد

یعنی ولی کو وہ پہچانتا ہے جو ولایت سے اونچا درجہ رکھتا ہو، اور وہ نبوت کا درجہ ہے یعنی ولی کو نبی پہچانتا ہے اور اگر پہچاننے والا نبی نہ ہو تو کم از کم ولی کو ولی تو پہچانے۔ یہ بھیجا ہوا وزیر کیا جانتا ہے۔ خیر! جب وہ وزیر گیا تو دیکھا کہ ایک آدمی ہے جو نہایت گستاخی اور بے تمیزی کے ساتھ پھر رہا ہے۔ اس نے جا کر عالمگیرؒ کو رپورٹ پیش کی۔ وہ رپورٹ منظوم ہے۔ عالمگیر بھی شاعر تھے۔ انہوں نے یہ رپورٹ دی۔ فرمایا کہ

بر سرمد برہنہ کرامات تہمت است

کشفے کہ ظاہر است ازو کشف عورت است

ننگ دھڑنگ سرمدؒ کے اوپر کشف کا الزام غلط ہے۔ بس ایک ہی کشف ہے اور

پتہ کہ وہ مادر زاد ننگا پھرتا ہے اور کوئی کشف وغیرہ نہیں ہے تو وہ (نعوذ باللہ) کس قسم کا آدمی
ہے اس کیلئے کوئی سزا مقرر ہونی چاہئے

بادشاہ کا تحفہ لینے سے سرمد کا انکار وزیر نے جاکر جب یہ رپورٹ دی تو پھر بھی
عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے انکا احترام کیا اور وزیر سے کہا کہ جاؤ یہ تحفہ جس کے اندر
خلعت وغیرہ لباس اور کپڑے وغیرہ بھی شامل ہے جاکر حضرت سرمد کو دے دینا اور ان
سے کہنا کہ بادشاہ وقت نے یہ تحفہ بھیجا ہے جس میں لباس وغیرہ ہے یہ آپ پہن
لیں وزیر اس لباس کو لیکر جب ان کے پاس پہنچا تو وہ تو الٹے ہو گئے تھے انہوں نے ہاتھ
بھی نہیں لگایا اور فرمایا کہ انہیں واپس لے جاؤ اور بادشاہ کو میرا جواب دے دو۔ فرمایا
کہ ۔

آنکس کہ ترا تاج جہانبانی داد
ما را ہمہ اسباب پریشانی داد

جس اللہ نے تیرے سر پر تاج رکھا ہے اس اللہ نے مجھے ننگا رکھا ہے یہ اسکی
شان ہے جو کبھی تاج کی شکل میں نظر آتی ہے اور کبھی فقیری کی شکل میں نظر آتی ہے
فرمایا ۔

آنکس کہ ترا تاج جہانبانی داد ما را ہمہ اسباب پریشانی داد
پوشاند لباس ہر کرا عیبے دید بے عیباں را لباس عریانی داد

لباس اس کو پہنایا جن کے بدن پر داغ دھبہ دیکھا اور جن کے بدن پر کوئی
داغ دھبہ نہیں ہے ان کا لباس عریانی کو بنایا لے جاؤ اس لباس کو بادشاہ کو واپس کردو
اب آپ ایمانداری سے بتایئے کہ اس فقیر کے اندر اس شان بے نیازی کا
جس کا اظہار حضرت سرمد نے کیا ہے ان کے اوپر کسی قسم کا شک وشبہ کیا جاسکتا
ہے؟ معاف کیجئے ہم اور آپ جب قربانی کیلئے تیار ہوتے ہیں تو پہلے جیب میں ہاتھ
ڈال کر یہ دیکھ لیتے ہیں کہ پیسہ وپیسہ کیلئے کھانے کو ہے یا نہیں اگر ہے تو قربانی دیتے

ہیں ورنہ کہنے لگتے ہیں کہ قربانی کا ہے کو دیں؟ کچھ ہو جب ہی تو دیں! لیکن حضرت سرمد کو دیکھئے! انکی بے نیازی اور ان کا استغنا۔ یہ ظاہر کر رہا ہے ان کے سینے میں کوئی روحانی دولت اور سرمایہ ہے۔ اگر ان کے سینہ میں کوئی روحانی دولت اور روحانی سرمایہ نہ ہوتا تو کبھی وہ بادشاہ کو اس طریقہ سے جواب نہ دیتے۔ یہ دولت دنیا کی دولتوں سے بہت بڑی دولت ہے۔

حضرت سرمد کی شہادت اور ان کا مزار میرے دوستو! بزرگوں کے ذکر میں ہی کافی وقت گذر گیا۔ حضرت سرمد رحمۃ اللہ علیہ بزرگ تھے۔ ان کو شہید کر دیا گیا۔ وہ جامع مسجد دہلی کی سیڑھیوں پر شہید ہوئے اور جامع مسجد دہلی کے قریب ہی انکا مزار ہے ہیرے بھرے صاحب کا جو مزار کہلاتا ہے وہ حضرت سرمد رحمۃ اللہ علیہ کا ہی مزار ہے۔ بعضوں نے لکھا ہے کہ وہ افغانستان کے جاسوس تھے۔ لیکن حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا کہ ان کے کلام میں اتنی نورانیت اور اتنی معرفت ہے کہ میرا دل یہ قبول نہیں کرتا کہ وہ جاسوس ہوں گے۔ فرمایا کہ مجھے ایسا لگتا ہے کہ وہ اللہ کے بڑے مقبول بندہ تھے اور بڑے مجذوب تھے

تو خیر! بات یہاں سے چلی تھی کہ آدمی کو جس چیز سے محبت ہوتی ہے وہ اسی کو اختیار کرتا ہے۔ اس کے ہر ادا کو پسند کرتا ہے۔ وقت ختم ہو گیا ہے۔ دعا کیجئے اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ حافظ نذیر احمد صاحب جو ہمارے قابل احترام رفیق اور ساتھی ہیں ان کا آپریشن ہوا ہے ان کیلئے خاص طور پر دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو شفا اور تندرستی اور صحت تامہ عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس دعا کو قبول فرمائے۔ **اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه سبحان ربک رب العزة عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العلمین برحمتک یا ارحم الراحمین**

تخلیق کائنات

اور

شرعی امتیازات

عورتوں کیلئے یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ بال کٹوا کر مردوں کا
بھیس بنائیں۔ اسی طرح مردوں کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ عورتوں کی
طرح بال رکھ کر اپنی شکل بگاڑیں۔ اسی طریقہ سے مردوں کو یہ اجازت
نہیں ہے کہ وہ ننگے ہونے کیلئے یہ پہنیں یا ایسا لباس پہنیں جو عورتوں
کے ساتھ مخصوص ہے۔ مثلاً آپ کو دوپٹہ اوڑھنے کی اجازت نہیں ہے
۔ آپ کو غرارہ پہننے کی اجازت نہیں ہے۔ آپ کو ساڑی باندھنے کی
اجازت نہیں ہے۔ اس لئے کہ جن لباسوں سے امتیاز ہوتا ہے کہ یہ جنس
مرد ہے اور یہ جنس عورت ہے اور جو ایسی کسی ایک جنس کے ساتھ
مخصوص ہوں ان کا استعمال کسی دوسرے جنس کیلئے جائز نہیں ہے۔ اسی
طریقہ سے عورتوں کو یہ اجازت نہیں ہے کہ جو علامتیں اور نشانیاں اللہ
نے عورت کے طور پر رکھ دی ہیں ان علامتوں اور نشانیوں کو مٹا کر
مردوں کا بھیس اور مردوں کا طریقہ اختیار کریں۔ یہ منشاء خداوندی کے
بالکل خلاف ہے۔ اس لئے مردوں کو داڑھی منڈانے کی بھی اجازت
نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بھی ایک ایسی علامت اور نشانی ہے اور کہ جس کے
ذریعہ اللہ نے مرد اور عورت میں امتیاز کیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ
وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا
وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا
مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ
وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ
لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا
عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ
وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

أَمَّا بَعْدُ! فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ ﴿١﴾ وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ﴿٢﴾ وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ﴿٣﴾ وَإِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ﴿٤﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ ﴿٥﴾ يٰٓأَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ﴿٦﴾ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ﴿٧﴾ فِيْٓ أَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ﴿٨﴾ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ﴿٩﴾ وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ﴿١٠﴾ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ﴿١١﴾ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿١٢﴾ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿١٣﴾ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ﴿١٤﴾ يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿١٥﴾ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ ﴿١٦﴾ وَمَآ أَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿١٧﴾ ثُمَّ مَآ أَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿١٨﴾ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴿١٩﴾

سورة الانفطار

صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! میں نے آپ حضرات کے سامنے قرآن کریم کی ایک لمبی سورت تلاوت کردی ہے۔ برکت کیلئے میں نے پوری سورت تلاوت کی ہے لیکن مجھے صرف ایک جملے کے بارے میں کچھ عرض کرنا ہے۔

میدانِ حشر کا ایک سوال

اس سورہ کا مضمون یہ ہے کہ حق تعالیٰ اس سورہ میں قیامت کے مناظر میں سے ایک منظر بیان فرمارہے ہیں۔ فرمایا کہ:

إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ ﴿١﴾ وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ﴿٢﴾ وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ﴿٣﴾ وَإِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ﴿٤﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ ﴿٥﴾

یعنی جب آسمان، زمین، چاند اور سورج سب معطل ہو جائیں گے، دن رات کا نظام گڑبڑ ہو جائے گا اور یہ عالم شہود جس میں ہم اور آپ موجود ہیں فنا ہو جائے گا اور ایک عالم نو وجود میں آئے گا۔ اس عالم نو میں اللہ تعالیٰ ہر انسان سے ایک سوال فرمائیں گے۔ انسان خواہ امیر ہو یا غریب، مرد ہو یا عورت، ولی اور غوث ہو یا فاسق و فاجر، سب سے اللہ تعالیٰ ایک ہی سوال فرمائیں گے۔ وہ سوال کیا ہو گا؟ فرمایا کہ

يَآ أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ۞

آج تم سے ہمارا یہ سوال ہے کہ ہم نے دنیا کے اندر جب تمہیں بھیجا تھا تو ہم نے قدم قدم پر تمہارے لئے ایسی نشانیاں اور علامتیں قائم کر دی تھیں کہ تم انہیں جھلا نہ سکو۔ چلتے پھرتے، آگے پیچھے، دائیں بائیں، اوپر نیچے جہاں کہیں دیکھو۔ خود اپنے وجود کو دیکھو۔ ہر ہر منزل پر ہم نے ایسی نشانیاں اور علامتیں لگا دی تھیں کہ جن علامتوں کو دیکھ کر تم خدا کو بھول نہ سکو۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ پھر بھی ان نشانیوں کے باوجود تم نے خدا کو بھلا دیا۔ تو وہ کون سی چیز تھی جس نے تمہیں خدا سے غافل کر دیا۔ فرمایا کہ

يَآ أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ۞
الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ ۞

تخلیق انسانی اور قرآنی تعبیر تم نے اس رب اور اس پروردگار کو بھلا دیا اور فراموش کر دیا کہ جو تمہارا خالق ہے، جس نے تمہیں نہایت حسین قسم کا قالب دیا، جس نے تمہارے اندر حسین قسم کے پرزے رکھے، بہترین قسم کی مشینیں (MACHINES) رکھیں، عقل و خرد کی صلاحیتیں تمہارے اندر رکھیں۔ تم کو مظہر صفات خداوندی بنایا۔ اس کیلئے اللہ نے تین لفظ استعمال کئے ہیں۔ فرمایا کہ الَّذِي خَلَقَكَ جس نے تمہیں وجود دیا۔ فَسَوّٰكَ اور صرف یہی نہیں کہ وجود دیا بلکہ ایک سڈول جسم اور ایک اچھا اور حسین قالب دیا۔ فَعَدَلَكَ اور تمہارے اندر اعتدال

تعالیٰ نے وہ وہ صلاحیتیں ودیعت فرمائیں کہ اس کائنات کی کسی مخلوق کو نہیں عطا فرمائیں۔

انسانی شکلوں کے اختلاف کا مقصد ان انعامات اور ان نعمتوں کے ساتھ ساتھ ایک اور نعمت یہ فرمایا کہ۔

أَلَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ ۝ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ ۝

بہترین وجود دیا، اچھا قالب دیا، اچھی صلاحیتیں تمہارے اندر رکھیں، اس کے علاوہ ایک اور بات ہم نے تمہارے اندر پیدا کی، وہ یہ کہ تم سب انسان ہو مگر ہم نے تمہاری شکلوں میں اور تمہاری صورتوں میں تھوڑا تھوڑا فرق اس طریقے سے باقی رکھا کہ جس کی وجہ سے تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ فرمایا کہ

فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ ۝

شکل وصورت سب کی انسان اور آدم جیسی ہی بنائی یہاں تک کہ کالے ملکوں میں بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ہم ایک آدمی کو دیکھتے ہیں پھر دوسرے وقت کسی دوسرے کو دیکھتے ہیں تو یہ شبہ ہو جاتا ہے کہ یہ وہی آدمی ہے جو صبح آیا تھا۔ پھر معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ آدمی نہیں ہے بلکہ یہ دوسرا ہے۔

قدرت کا کرشمہ تو فرمایا کہ تم ذرا اللہ کے اس انعام پر بھی غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے تمام بنی نوع انسان کو صرف ایک شکل اور ایک صورت پر پیدا نہیں کیا۔ لاکھوں نہیں، کروڑوں نہیں، اربوں کھربوں سانچے اللہ تعالیٰ نے بنائے ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر آج تک اللہ نے کسی مخلوق کو ایک شکل پر دوبارہ پیدا نہیں کیا، یہاں تک کہ ہاتھ کے نشانات اور لکیریں کسی انسان کی اللہ تعالیٰ نے کبھی دوبارہ نہیں بنائے، ہر انسان کے ہاتھ کے نشانات، دوسرے سے مختلف، دوسرے کے تیسرے سے مختلف، تیسرے کے چوتھے سے مختلف۔

غرضیکہ دنیا کے تمام انسان ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ بعض اوقات ایک ماں باپ سے بارہ بارہ، پندرہ پندرہ، بیس بیس بچے پیدا ہوتے ہیں۔ سب کے سب آپس میں بالکل ہمشکل ہوتے ہیں لیکن اللہ کا یہ حسن انتظام ہے کہ باوجود اس کے کہ سب آپس میں ہمشکل ہیں لیکن ان کے درمیان تھوڑا فرق اور امتیاز ایسا رکھا ہے کہ جس کی وجہ سے وہ بیسوں ایک نہیں سمجھے جاتے، الگ الگ سمجھے جاتے ہیں۔

شکلوں کے امتیاز کا فائدہ: فرض کر لیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ معمولی امتیاز بھی باقی نہ رکھتا تو اولاد کے جوان ہونے کے بعد یہ پہچاننا بہت مشکل ہو جاتا کہ یہ میرا شوہر ہے یا میرا بیٹا، یہ میرا بھائی ہے یا میرا باپ، یہ میری بیوی ہے یا میری بہن۔ یہ میری بیوی ہے یا میری سالی، یہ پہچاننا بالکل مشکل ہو جاتا۔ اللہ کا یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ جس طرح اس نے انسانوں کی شکل وصورت کو اور اس کے ڈھانچے کو جانوروں سے الگ اور مختلف بنایا ہے اسی طرح خود انسانوں کی شکلوں میں بھی باہمی فرق رکھا ہے، تاکہ انتظام عالم برقرار رہے، اس میں کسی قسم کی گڑبڑی پیدا نہ ہو۔

جنسی اختلاف اور اس میں خلل اندازی: اور صرف یہی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں کی بناوٹ میں بھی ایسا امتیاز رکھا ہے کہ مرد الگ پہچانا جاتا ہے، عورت الگ پہچانی جاتی ہے، یہ اور بات ہے کہ بعض وہ لوگ جو اللہ کے انتظام کے خلاف بغاوت کرنے والے ہیں انہوں نے اس انتظام میں خلل ڈالنے کی کوشش کی۔ لڑکوں نے لڑکیوں کی صورت اختیار کیا، لڑکیوں نے لڑکوں کی شکل اختیار کیا، یہی وجہ ہے کہ اسلام کے اندر یہ جائز نہیں ہے کہ مرد، عورتوں کی نقالی کرے یا عورت، مردوں کی نقالی کرے۔ اس لئے کہ جس حکمت کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے یہ فرق رکھا ہے تم اس فرق کو مٹا کر اللہ کے نظام کو درہم برہم کرنا چاہتے ہو، لہذا یہ جائز نہیں ہے۔

بال کی تحقیق اور اسکا حکم | مثلاً عورتوں کیلئے یہ حکم ہے کہ وہ بال رکھیں اور مردوں کیلئے یہ حکم ہے کہ وہ یا تو حلق کرادیں یعنی منڈادیں یا اگر بال رکھیں تو صرف اتنی مقدار میں رکھیں کہ جتنی مقدار میں سرکار دو عالم ﷺ نے رکھے ہیں اور وہ مقدار کان کی لو تک ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ تین قسم کے بال رکھتے تھے، وفرہ، لمہ، جمہ۔ وفرہ ان بالوں کو کہتے ہیں جو کان کی لو تک ہوں، لمہ ان بالوں کو کہتے ہیں جو گردن تک ہوں اور جمہ ان بالوں کو کہتے ہیں جو مونڈھے تک ہوں جسکا مطلب یہ ہے کہ در حقیقت حضور اکرم ﷺ بال کان کی لو تک رکھتے تھے، لیکن جب اصلاح کرانے اور حجامت میں کچھ دیر ہو جاتی تھی تو بال بڑھ کر کان کی لو سے ذرا نیچے ہو جاتے تھے اور جب اصلاح ہو جاتی تھی تو کان کی لو سے ذرا اونچے ہو جاتے تھے۔ البتہ عموماً آپ ﷺ کے بال کان کی لو تک ہوتے تھے۔

تشبہ کی ممانعت | بہرحال! عورتوں کیلئے یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ بال کٹوا کر مردوں کا بھیس بنائیں۔ اسی طرح مردوں کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ عورتوں کی طرح بال رکھ کر اپنی شکل بگاڑیں۔ اسی طریقہ سے مردوں کو یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ رنگے ہوئے کپڑے پہنیں یا ایسا لباس پہنیں جو عورتوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ مثلاً آپ کو دوپٹہ اوڑھنے کی اجازت نہیں ہے، آپ کو غرارہ پہننے کی اجازت نہیں ہے، آپ کو ساڑی باندھنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس لئے کہ جن لباسوں سے امتیاز ہوتا ہے کہ یہ جنس مرد ہے اور یہ جنس عورت ہے اور جو لباس کسی ایک جنس کے ساتھ مخصوص ہو ان کا استعمال کسی دوسرے جنس کیلئے جائز نہیں ہے۔

ڈاڑھی مردانگی کی علامت ہے | اسی طریقہ سے عورتوں کو یہ اجازت نہیں ہے کہ جو علامتیں اور نشانیاں اللہ نے عورت کے چہرہ پر رکھ دی ہیں ان علامتوں اور نشانیوں

کو مثلاً کہ مردوں کا لباس اور مردوں کا طریقہ اختیار کرلیں۔ یہ منشاء خداوندی کے بالکل خلاف ہے۔ اسی سے مردوں کو ڈاڑھی منڈانے کی بھی اجازت نہیں ہے کیونکہ یہ بھی ایک نسبی علامت اور نشانی ہے کہ جس کے ذریعہ اللہ نے مرد اور عورت میں امتیاز رکھا ہے۔

ڈاڑھی کے بغیر...... حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ بڑے مزاح کی باتیں بیان فرمایا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ جب سے نوجوانوں نے داڑھیاں منڈانا شروع کی ہیں، خیر یہ ہم کو تو شرعاً ناپسندی ہے لیکن چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی بڑی مشکل پیدا ہو گئی ہے۔ رات کو اگر وہ ماں اور باپ کے درمیان سو جائیں اور آدھی رات کو ان کی آنکھ کھلے اور ہاتھ پھیر کر یہ دیکھنا چاہیں کہ وہ باپ کے پاس لیٹا ہے یا ماں کے پاس لیٹا ہے تو کچھ پتہ نہیں چلے گا۔ کیونکہ شکلیں دونوں کی ایک سی ہو گئی ہیں۔ قدرت نے جو امتیاز رکھا تھا وہ امتیاز باقی نہیں رہا۔

یاد رکھئے! مردوں کو عورتوں کا شعار اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہے اور عورتوں کو مردوں کا شعار اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو نشانیاں اور علامتیں رکھی ہیں اسی پر انتظام عالم کا دار و مدار ہے۔ اگر تم نے وہ نشانیاں مٹا دیں تو منشاء خداوندی پامال ہو جائے گا۔

انسان اور حیوان کا فرق جس طرح اللہ تعالیٰ نے حیوانات سے انسانوں کو الگ کر دیا اور اس طرح پر الگ کیا کہ عقل حیران ہے۔ آپ غور کریں کہ اللہ نے تجھے بھی ہاتھ دیئے ہیں، پاؤں دیئے ہیں، آنکھیں دی ہیں، کان دیا ہے، معدہ دیا ہے، جبڑا دیا ہے، زبان دی ہے، اس میں چکھنے کی قوت دی ہے، جگر دیا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے کڑوا بھی رکھا ہے۔ غرضیکہ تمام جسم کے اندر اللہ نے ہر قسم کے اعضاء عطا فرمائے ہیں۔ آپ گن گن کر دیکھ لیجئے ہر ایک قسم جانوروں میں بھی یہ سب چیزیں موجود ہیں لیکن کیا وجہ ہے کہ ایک گھوڑا لاؤڈ اسپیکر (LOUD SPEAKER) کے سامنے کھڑے ہو کر

تقریر نہیں کر سکتا؟ کیا اس کے جبڑے بنے ہوئے نہیں؟ کیا اس کی زبان بدلی ہوئی ہے؟ کیا اس کا گلا جلا ہوا ہے؟ کیا اس کے دو ہونٹ نہیں ہیں؟ سب کچھ ہے۔

لیکن یہ عجیب قدرت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حلق، گلا، یہی نظام جانوروں کو بھی دیا ہے اور وہی نظام انسانوں کو بھی دیا ہے لیکن انسان بولنے پر قادر ہے جانور بولنے پر قادر نہیں ہے۔ آپ تقریر کر سکتے ہیں وہ تقریر نہیں کر سکتا ہے، آپ ناطق ہیں وہ ناطق نہیں ہے۔ اسی لئے آپ کو حیوان ناطق کہتے ہیں یعنی بولنے والا انسان، منطق کرنے والا انسان۔

آپ نے اندازہ لگایا؟ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے آپ کے اندر ایک ایسی نشانی رکھی ہے کہ جس کی وجہ سے آپ جانور سے ممتاز ہو گئے

شرعی احکام میں بھی جنسی امتیاز کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور جس طرح اللہ نے حیوانات کے مقابلہ میں آپ کی نشانی برقرار رکھی ہے اسی طرح مردوں اور عورتوں کی نشانی کو بھی برقرار رکھا ہے۔ تمہارا لباس تمہاری بناوٹ کے مطابق، عورتوں کا لباس ان کی بناوٹ کے مطابق، تمہارا طریقہ عبادت مردوں کی شان کے مناسب، عورتوں کا طریقہ عبادت ان کی شان کے مناسب ہے۔

تکبیرات تشریق میں فرق مثلاً قربانی کے دنوں میں جب تکبیر تشریق کا زمانہ آتا ہے تو آپ کو حکم ہے کہ آپ تکبیر زور سے کہیں اور عورتوں کو حکم ہے کہ وہ تکبیر آہستہ کہیں، وہ بھی حنفی مسلک کی بناء پر میں عرض کر رہا ہوں، میری عادت یہ نہیں کہ میں کسی مسلک کی تردید کروں لیکن مجھے یہ حق ضرور ہے کہ میں حنفی مسلک کی وضاحت کروں۔

حالت سجدہ میں فرق حنفی مسلک کے مطابق مردوں کے سجدہ کا طریقہ اور ہے، عورتوں کے سجدہ کا طریقہ اور ہے اس لئے کہ ان کے جسم کی بناوٹ ایسی ہے کہ جس کی وجہ سے انہیں مردوں کی طرح سجدہ کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ ان کے جسم کا کچھ حصہ

ایسا ہے جو ظاہر ہوگا اور لٹکے گا اس لئے منع کر دیا گیا۔ فرمایا کہ عورتیں اس طرح سجدہ کریں جسکو آپ بیٹھک سجدہ کہتے ہیں۔ کھڑا سجدہ نہیں۔ یعنی وہ اپنی کہنیوں کو سمیٹ کر سجدہ کریں۔ اپنے آپ کو لپٹا لپٹایا کر کے سجدہ کریں۔ مردوں کو اس طرح سجدہ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

تجہیز و تکفین میں فرق اسی طرح مردوں اور عورتوں کے کفن میں بھی فرق ہے اور مردوں اور عورتوں کے جنازہ میں بھی فرق ہے۔ مرد کا جنازہ تو آپ اس طرح لے جائیں کہ جیسے آپ نے کفن دے دیا۔ اوپر سے چادر ڈال دی اور بس۔ لیکن فرمایا کہ عورت کا جنازہ اس وقت تک نہ اٹھایا جائے جب تک کہ چارپائی پر یا جس چیز پر آپ ان کا جنازہ لے جا رہے ہیں کوئی ایسی کھپچ نہ لگا دی جائے کہ جسکی وجہ سے اوپر کی چادر اوپر کو اٹھی رہے۔

اللہ کی غیرت اندازہ لگایئے: آج ہماری مائیں اور بہنیں اپنی زندگی میں اور جوانی میں اپنے جسم کے ان حصوں کو نہیں چھپاتی ہیں جن حصوں کے بارے میں مرنے بعد اللہ کی غیرت یہ کہتی ہے کہ ان کو چھپایا جائے۔ حالانکہ مرنے کے بعد ان حصوں کو دیکھ کر کسی کی نیت خراب نہیں ہوتی۔ اگر آپ کسی عورت کی میت کو دیکھیں تو آپ کے دل میں برا خیال نہیں آتا بلکہ موت یاد آتی ہے مگر فرمایا کہ اسلام وہ غیرت پیدا کرنا چاہتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی جنازہ لے جاتے وقت عورت کے جسم کا حصہ ظاہر نہ ہو۔

پردہ کے سلسلہ میں ایک غلط فہمی آپ اندازہ لگایئے: بعض عورتیں جو یہ کہا کرتی ہیں کہ ارے پیر سے کیا پردہ کرنا؟ نوکر سے کیا پردہ کرنا؟ محلے والوں سے کیا پردہ کرنا؟ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ مجھے آپ یہ بتایئے کہ مرنے کے بعد تو ظاہر ہے کہ سب کے دلوں میں خوف خدا ہوتا ہے۔ موت ہی موت یاد آتی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ شریعت اب بھی یہ حکم دے رہی ہے کہ اس خاتون کا جسم چھپانا چاہیئے؟ اور اس طریقہ

سے جنازہ لے جانا چاہئے کہ ان کے جسم کا کوئی حصہ ظاہر نہ ہو؟

عورت کے جنازہ کو قبر میں کیسے اتاریں؟ یاد رکھئے، کسی عورت کا جنازہ جب آپ قبر میں اتاریں تو پہلے جتنے نامحرم وہاں ہیں ان سب کو ایک طرف کردیا جائے، چادر لگائی جائے، پھر چادر کے اندر ہی عورت کے جنازے کو قبر میں اتارا جائے، اس زمانے میں میں نے دیکھا ہے کہ مردوں اور عورتوں کی میت قبر میں اتارنے میں کوئی فرق نہ رہا۔ لوگ کھڑے رہتے ہیں اور انہیں کے سامنے عورت کی میت قبر میں اتاردی جاتی ہے، یہ اسلام کے خلاف ہے۔ اور آجکل تو موت کے، غسل میت کے اور جنازہ کے مسائل تو میرے خیال میں کسی کو یاد بھی نہیں رہے، لوگوں کو معلوم ہی نہیں رہے۔

ایک افسوسناک واقعہ نئی دہلی کا یہ واقعہ ہے کہ کسی صاحب کا انتقال ہوگیا پڑوس میں ایک خان بہادر صاحب رہتے تھے، ان سے کہا گیا کہ صاحب، وہ آپ کے جو پڑوسی تھے، ان کا انتقال ہوگیا ہے۔ ظہر کے بعد مسجد میں جنازہ کی نماز پڑھی جائے گی۔ انہوں نے شاید تمام عمر جنازے کی نماز پڑھی ہی نہ دیکھی تھا، مگر چونکہ پڑوسی تھے، اس لئے چلے آئے، جب وہ آئے تو دیکھا کہ مسجد سے باہر نیم کے درخت کے نیچے جنازہ رکھا ہوا ہے، نہ وہاں چٹائی بچھی ہوئی ہے نہ صف لگائی گئی ہے، وہ خان بہادر صاحب کسی سے فرمانے لگے کہ بھائی، دیکھو! اسی لئے تو میں جنازہ کی نماز پڑھنے آتا نہیں: یہاں پر چٹائی بھی نہیں بچھائی گئی ہے۔ بھلا بتاؤ کہ یہاں پر سجدہ کریں گے تو کپڑے خراب نہیں ہوں گے؟ انہوں نے کہا، خان بہادر صاحب آپ کو پتہ نہیں ہے؟ یہ نماز جنازہ ہے اور نماز جنازہ میں رکوع، سجدہ نہیں ہے۔ تو انہوں نے جو جواب دیا وہ اگرچہ مجھے نقل کرنے کو جی نہیں چاہتا، لیکن بہرحال نقل کئے دیتا ہوں، انہوں نے وہی مشہور جواب دیا۔ (I AM SORRY) آئی۔ ایم سوری۔ معاف کرنا۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ نماز جنازہ میں سجدہ نہیں ہے۔

مٹی دینے کا طریقہ اسی طرح بعضے لوگ قبر پر اس طرح مٹی ڈالتے ہیں کہ مٹھی میں مٹی لی اور ڈال دی۔ یہ مٹی دینے کا طریقہ نہیں ہے۔ مٹی دینے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ قرآن کریم کی اس آیت کی تصویر بن جائیں اور پہلی مرتبہ ہاتھوں میں مٹی لیکر یوں کہیں

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہی وہ مٹی ہے جس سے ہم نے تمہیں پیدا کیا تھا۔ پھر دوسری مٹھی مٹی لیکر یہ پڑھیں وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ اور آج ہم اسی مٹی میں تمہیں واپس کر دیتے ہیں۔ پھر تیسری مٹھی مٹی لیکر یہ پڑھیں

وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى اور قیامت میں اسی مٹی سے ہم تمہیں اٹھائیں گے۔ تین مٹھیوں کے اوپر یہ آیت پڑھی جاتی۔ مٹی دینے کا یہی طریقہ ہے۔ یہ طریقہ مٹی دینے کا نہیں ہے کہ آپ نے مٹی لی اور قبر پر پھینک دیا۔

ملی امتیاز کو بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے خیر! آپ نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طریقے سے موت میں، کفن میں، جنازہ میں اور دوسری عبادتوں میں مرد اور عورت کے امتیاز کو باقی رکھا ہے اور جس طرح مرد اور عورت کے درمیان اللہ نے فرق رکھا ہے اسی طرح ملتوں اور شریعتوں کے درمیان بھی اللہ تعالیٰ نے فرق رکھا ہے۔ یعنی ایک علامت اور نشانی وہ ہے کہ جس سے انسان پہچانا جائے اور ایک نشانی وہ ہے کہ جس سے شریعت اور ملت پہچانی جائے۔ مثلاً اگر پانچ عیسائی ہوں پانچ یہودی ہوں، پانچ مشرک ہوں اور پانچ مسلمان ہوں۔ یہ بیس آدمی ایک جگہ موجود ہیں، آپ مجھے بتائیے کہ ہم کیسے پہچانیں کہ یہ مسلمان ہیں؟ کیسے پہچانیں کہ یہ عیسائی ہیں؟ کیسے پہچانیں کہ یہ یہودی ہیں؟ کیسے پہچانیں کہ یہ مشرک ہیں؟

ملت اسلامیہ کے پہچاننے کی ایک ظاہری علامت تو ملتوں کے پہچاننے کی، شریعتوں کے پہچاننے کی علامت بھی خدا نے برقرار رکھی ہے۔ کس طریقہ پر؟ ایک آدمی آپ کو راستے میں ملتا ہے اور مل کر کہتا ہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ جواب میں کہتے ہیں "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" یہ اس بات کی نشانی ہے کہ یہ سرکار دو عالم ﷺ کی امت میں سے ہے، یہ ملت اسلامیہ اور شریعت محمدیہ کے ماننے والوں میں سے ہے۔ اس لئے کہ یہ سرکار دو عالم صلی اللہ کے امتی ہونے کی نشانی ہے، یہ مسلمان ہونے کی نشانی ہے۔ اب اگر فرض کرلیجئے کہ آپ نے نصرانیوں کا سلام کیا، آپ نے یہودیوں کا سلام کیا یا آپ نے اسلام کی سنت اور اسلام کے طریقے سے ہٹ کر کہا "آداب عرض ہے"، "تسلیمات"۔

اور آجکل ایک نیا طریقہ یہ نکلا ہے کہ جب ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں تو کہتے ہیں "خدا حافظ" کوئی نہیں کہتا "السلام علیکم" "وعلیکم السلام" تو اگر آپ نے صرف "خدا حافظ" کہہ دیا، یا آپ نے "آداب عرض ہے" کہہ دیا، یا آپ نے "تسلیمات" کہہ دیا، یا آپ نے صرف ہاتھ اٹھا دیا تو ہم کیسے سمجھیں کہ آپ کس امت سے تعلق رکھتے ہیں؟ اس لئے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ کے امتی ہونے کی جو علامت تھی، آپ ﷺ کی امت میں سے ہونے کی جو نشانی تھی وہ تو آپ نے باقی نہیں رکھی، وہ تو مٹا دی۔

تو میرے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" یہ وہ نشانی ہے کہ جس سے ملت محمدیہ پہچانی جاتی ہے، اور یہ ملت دوسری ملتوں سے ممتاز ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ حضور اکرم ﷺ نے اس کا خاص اہتمام کیا ہے کہ ملت اسلامیہ ملت موسویہ کے ساتھ گڈمڈ نہ ہو جائے۔ کیسے؟

ملت اسلامیہ اور ملت موسوی کے درمیان مابہ الامتیاز

حدیث میں آتا ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ ہجرت فرما کر مدینے تشریف لے گئے تو مہینہ ربیع الاول کا تھا، اس کے بعد جب پہلی مرتبہ محرم کا مہینہ آیا تو دسویں محرم کو آپ نے دیکھا کہ مدینے میں جو یہود آباد ہیں ان سبھوں نے روزہ رکھا ہے آپ نے فرمایا کہ یہود سے پوچھو کہ انہوں نے

کیسا روزہ رکھا ہے؟ یہود نے کہا کہ آج ہمارا یوم نجات ہے۔ اس لئے کہ آج کے دن حضرت موسیٰ علیہ السلام یہود قوم کو فرعون کے پنجے سے نکال کر آزاد کرائے تھے۔ ہم نے آج دسویں محرم کو ہم روزہ رکھتے ہیں۔ تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ لوگ آج کے دن اس لئے روزہ رکھتے ہیں کہ آج حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یوم نجات ہے تو ہم اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ ہم بھی روزہ رکھیں۔ لیکن ایسا نہ ہو کہ ملت محمدیہ اور ملت موسویہ آپس میں گڈمڈ ہو جائے۔ اس لئے دسویں تاریخ کا روزہ نویں کے ساتھ ملا کر رکھو یا دسویں تاریخ کا روزہ گیارہویں کے ساتھ ملا کر رکھو۔ تاکہ ملت موسویہ الگ نظر آئے اور ملت محمدیہ الگ نظر آئے۔ اندازہ لگایا آپ نے کہ حضور اکرم ﷺ نے ملتوں اور شریعتوں کے امتیاز کو کس طرح باقی رکھا ہے؟

سجدہ سے متعلق ایک اہم نکتہ

ایک اور بات یاد آ گئی۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پیاری عبادت نماز ہے اور نماز کے اندر بھی سب سے زیادہ پیارا عمل اور سب سے زیادہ پیارا رکن سر کو زمین پر ڈالنا ہے جسکو سجدہ کہتے ہیں۔ اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی جو فضیلت ہے وہ اسی سجدہ کی وجہ سے ہے۔ اس لئے کہ اگر تم نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی ہے تو تم نے اپنا سر جتنا اونچا اٹھایا اتنا ہی نیچا لے گئے جتنا اونچا لے جانا چاہئے تھا۔ پھر تم نے سجدہ کر کے انتہائی پستی میں اسکو ڈالا۔ اس کے برخلاف اگر تم نے بیٹھ کر نماز پڑھی ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ تم نے سر تو پستی میں ڈالا لیکن اتنی اونچائی سے نہیں ڈالا جتنی اونچائی سے ڈالنا چاہئے تھا۔ تم نے آدھے راستے سے ڈالا ہے۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ارکان نماز میں سب سے زیادہ فضیلت سجدہ کو ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب ایک بندہ سجدہ کرتا ہے تو اسکا سر اللہ کے قدموں میں رکھا ہوا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سب سے زیادہ سکون نماز میں ملتا ہے۔ اس لئے کہ سجدہ میں صرف اللہ سے ملاقات ہی نہیں ہوتی بلکہ سجدہ میں تم نے اللہ کے قدموں کو چھو لیا ہے۔

جگر مرحوم کا شعر ہے، فرمایا کہ -

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آہی گیا

عاشق کو سب سے زیادہ چین اور سکون جب ملتا ہے جب محبوب کا قدم مل جائے۔

تین وقتوں میں سجدہ حرام ہے تو سجدہ کی عبادت اتنی اہم ہے لیکن باوجود اس اہمیت کے اسلام نے کہہ دیا کہ تین وقت ایسے ہیں کہ ان میں سجدہ حرام ہے۔ جب سورج نکل رہا ہو، جب سورج ڈوب رہا ہو اور جب سورج نصف النہار پر ہو۔ فرمایا کہ ان تین وقتوں میں سجدہ کرنا گناہ ہے جرم ہے۔

اوقات ممنوعہ کی علت اب یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اے اللہ! یہ عبادت تو تیرے نزدیک سب سے زیادہ پیاری عبادت ہے لیکن اس کو بھی تو نے حرام قرار دے دیا، کیا وجہ ہے؟ یاد رکھئے کہ یہ عبادت ان تین وقتوں کے اندر اس لئے حرام ہے کہ دنیا میں ایک قوم (مشرک) ایسی بھی ہے جو سورج کی پرستش کرتی ہے۔ سورج کے نکلنے کے وقت اس کی بندگی کرتی ہے، سورج کے غروب ہونے کے وقت اس کی پرستش کرتی ہے اور سورج کے نصف النہار پر پہنچنے کے وقت اس کی عبادت وبندگی کرتی ہے۔ یہ قوم، سورج جیسی مخلوق ہے، یہ مشرک قوم کا طریقہ ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ہم بے شک سجدہ کرتے ہیں لیکن ان وقتوں میں سجدہ ممنوع قرار دے دیا گیا ہے تاکہ کسی مشرک قوم سے مسلمانوں کی مشابہت پیدا نہ ہو جائے۔ سجدہ ہمارے لئے سب سے زیادہ پیاری عبادت ہے لیکن اس سے زیادہ پیاری چیز ہمارے نزدیک یہ ہے کہ است مسلمہ کا امتیاز باقی رہے، امت مسلمہ کی نشانی باقی رہے۔

بس اب آپ اس سے اندازہ لگا لیجئے کہ جس طرح مردوں اور عورتوں کے پہچاننے کیلئے نشانیاں ہیں اور ان نشانیوں کو آپ جنسی نشانیاں کہیں گے کیونکہ

ان سے جنس پہچانی جاتی ہے۔اسی طرح ملتوں اور شریعتوں کے پہچاننے کی بھی نشانیاں ہیں جنکو شعائر۔ کہتے ہیں ۔جیسے شعائر دین شعائر اسلام ۔شعائر اللہ ۔

نماز میں امام کہاں کھڑا ہو؟ مثال کے طور پر نماز میں امام کے کھڑے ہونے کا مسئلہ ہے۔اسلام یہ کہتا ہے کہ ہمارا امام جب نماز پڑھانے کیلئے کھڑا ہو تو اس کے کھڑے ہونے کیلئے کوئی الگ کمرہ نہ بنایا جائے کیونکہ یہ طریقہ یہودیوں کا ہے۔وہ بھی نماز پڑھتے ہیں لیکن ان کا طریقہ یہ ہے کہ امام کیلئے کمرہ کے طور پر ایک الگ جگہ بنی ہوتی ہے۔ اس میں انکا امام کھڑا ہوتا ہے ۔مگر حضور اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو منع فرما دیا ۔فرمایا کہ اگر محراب میں بھی کھڑے ہو تو اتنے باہر کو نکل کر کھڑے ہو کہ پیچھے صف والے تمہیں دیکھ سکیں ۔ کیوں؟ اس لئے کہ کمرہ میں کھڑا ہونا شریعت موسویہ کا طریقہ ہے۔ شریعت محمدیہ کا طریقہ نہیں ہے ۔میں کہاں تک آپ کو بتاؤں قدم قدم پر علامتیں اور نشانیاں ہیں۔

شعائر دین کسے کہتے ہیں؟ بہر حال! میں یہ سمجھانا چاہتا تھا کہ شریعتوں اور ملتوں کے پہچاننے کیلئے نشانیاں اور علامتیں ہیں جنکو شعائر دین اور شعائر اسلام کہا جاتا ہے۔ فرمایا کہ وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ۝

صفا اور مروہ شعائر اللہ میں سے ہیں ،اور شعائر اللہ کا احترام ،اور شعائر اللہ کی تعظیم ،دل کا تقویٰ ہے۔

لفظ شعائر کی تحقیق شعائر جمع ہے شعیرۃ کی یا شعارۃ کی ۔ش ۔ع ۔ر ۔ شعر کا معنی ہے محسوس کرنا ۔شعر کو شعر اس لئے کہتے ہیں کہ آپ مضمون پڑھتے چلے جایئے ۔ جہاں شعر

آنے لگو تو وہاں آپ کو محسوس ہوگا کہ یہ کلام منظوم ہے۔ شاعر کہتے ہیں اس آدمی کو جسکے سینے میں حساس دل ہو۔ وہ ایسی باتیں محسوس کر لے جیسے ہم اور آپ محسوس نہیں کر سکتے فرمایا کہ ؎ گلستاں میں جاکر ہر اک گل کو دیکھا

تیری ہی سی رنگت تیری ہی سی بو ہے

شاعر کہتا ہے مجھے تو ہر پھول کو دیکھ کر یہ خیال ہوا کہ یہی میرا محبوب ہے۔ پھر جب دوسرا شاعر جاتا ہے تو وہ بھی محسوس کرتا ہے مگر وہ دوسری بات محسوس کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ ؎ گلستاں میں جاکر ہر اک گل کو دیکھا

نہ تیری سی رنگت نہ تیری سی بو ہے

یہ کہتا ہے کہ میں نے تو یہ دیکھا کہ پھول کا مرتبہ کم ہے۔ میرے محبوب کا مرتبہ بڑا ہے۔ تو شاعر کہتے ہیں محسوس کرنے والے کو۔

حضرت حسان بن ثابتؓ کے فرزند کی ذہانت حضرت حسان ابن ثابت رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہے، چھوٹی عمر کا ہے۔ اکیلا بیٹھا تھا کہ کوئی جانور اسے کاٹ کر بھاگ گیا۔ اس نے رونا شروع کیا اور روتے روتے جا رہا تھا کہ یہاں پر کوئی جانور کاٹ گیا [ڈس لیا] حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے پوچھا، وہ کیسا جانور تھا؟ وہ کیا کہتا ہے، کہتا ہے، کانہ ملتف ببردی حبرۃ وہ جانور جو مجھے کاٹ کر بھاگا ہے وہ ایسا تھا جیسے نقش و نگار والی دو چادروں کو اوڑھ رکھا تھا۔ حضرت حسان بن ثابتؓ بڑے خوش ہوئے، فرمایا کہ اس کو بچھو نے کاٹ لیا ہے، لیکن خدا کی قسم میرا بیٹا شاعر ہوگا اس لئے کہ اس نے اس جانور کا کیسا اعلیٰ نقشہ کھینچا ہے کانہ ملتف ببردی حبرۃ نقش و نگار والی دو چادریں اس نے اوڑھ رکھی تھی، اور وہ کاٹ کر چلا گیا۔ فرمایا کہ واللہ صار ابنی شاعر خدا کی قسم میرا بیٹا شاعر ہوگا۔

شعائر اسلام کا مطلب اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ شعار کس کو کہتے ہیں۔ شعار

اس علامت اور نشانی کو کہتے ہیں جس سے کوئی چیز پہچانی جائے۔ جیسے سرکاری درختوں پر نشان ہوتا ہے اور اس پر نمبر لکھا ہوا ہوتا ہے۔ اسی طرح سرکاری گھوڑوں کے پشت پر نشان لگا ہوا ہوتا ہے۔ جس سے سرکاری اور غیر سرکاری کا پتہ چلتا ہے۔ اسی کو شعار کہتے ہیں۔ شعائر اللہ اور شعائر اسلام ان علامتوں کو اور ان نشانیوں کو کہا جاتا ہے جس سے اللہ کا دین پہچانا جاتا ہے۔ جس سے اسلام پہچانا جاتا ہے۔

تو میرے دوستو! میں نے یہ باتیں اس لئے عرض کیں کہ آگے جو رمضان المبارک کا مہینہ آرہا ہے۔ وہ شعائر اللہ میں سے ایک شعار ہے۔ اسی طرح جمعہ اور عیدین شعائر اسلام میں سے ہیں۔

دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو سب کو عمل کی توفیق عطا فرمادیں۔

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا

اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ

سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون

وسلام علی المرسلین

والحمد للہ رب العلمین

صراطِ مستقیم

انسان کی زندگی ایک گاڑی کے مانند ہے اور اس گاڑی کے دو پہیے ہیں ایک پہیہ مرد اور دوسرا پہیہ عورت ہے اور زندگی کی گاڑی ان دونوں پہیوں کے بغیر نہیں چل سکتی۔ میرے خیال میں یہ کوئی غلط نہیں کہتے لیکن آج کا جیسا ماحول ہے اور ہم اور آپ جس طریقہ پر چل رہے ہیں مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آج مردوں سے عورتیں متاثر نہیں ہورہی ہیں۔ مردوں سے عورتیں رنگ نہیں پکڑتی ہیں بلکہ عورتوں سے مرد متاثر ہو رہے ہیں عورتوں کے بتائے ہوئے طریقے اور ان کے مشورے پر مرد چلتے ہیں۔ اس لئے میرا خیال یہ ہے کہ عورتیں ہماری زندگی کی گاڑی کا ڈیڑھ پہیہ ہیں اور مرد آدھا پہیہ ہیں۔ لہذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہمارے معاشرہ میں دینی انقلاب آئے، مذہبی فضا پیدا ہو تو معاف کیجئے یہ زندگی کی گاڑی کے آدھے پہیے سے نہیں ہو سکتا۔ جب تک آپ عورتوں کو ساتھ لے کر نہ چلیں معاشرہ کے اندر دینی ماحول پیدا نہیں ہو سکتا۔

(ارشاد حضرت خطیب ملت)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِیْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ ۔

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

إِنَّا أَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝

إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۝ سُوْرَةُ الْكَوْثَرِ

صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

تمہید میرے قابل احترام بزرگ مولانا انصاری صاحب، بزرگان محترم اور برادران عزیز اور میری اسلامی بہنو! سب سے پہلے میں اپنی خوشی کا اظہار کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ اس سفر میں جبکہ ساؤتھ آفریقہ (SOUTH AFRICA) کا کوئی پروگرام (PROGRAMME) نہیں تھا پھر بھی ماریشش (MAURITIUS) کے سفر کے دوران آپ حضرات کی خدمت میں حاضر ہونے کا مجھے موقع ملا کہ آپ کے سامنے بیٹھ کر آپ حضرات کے ساتھ کچھ دین کی باتیں کر سکوں۔ دین کی خدمت کرنا علماء کرام کی ذمہ داری ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا انصاری صاحب نے میرے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا، حقیقت یہ ہے کہ یہ ان کی بزرگانہ شفقت ہے۔

دین کی خدمت کرنا علماء کی ذمہ داری ہے ورنہ کسی عالم کی وہ خدمت جو دین کے سلسلہ میں ہو وہ قابل شکر گذاری نہیں ہے، اس لئے کہ وہ عالم کی ذمہ داری اور اسکا فرض ہے، اگر ہم اللہ کے دین کو لوگوں تک نہ پہنچائیں اور تبلیغ دین نہ کریں تو ہم نے اس علم کا حق ادا نہیں کیا جو اللہ نے ہمیں عطا فرمایا ہے اور ہم نے اپنی ذمہ داری ادا کرنے میں کوتاہی کی۔ بلکہ ہم آپ حضرات کے شکر گذار ہیں کہ آپ نے ہمیں ایسے مواقع فراہم کئے کہ آسانی اور سہولت کے ساتھ بلکہ اچھی اچھی دعوتوں کے ساتھ دین

پہنچا رہے ہیں مدد ملی۔

اسلامی ملک سے محبت بھی ضروری ہے

دوسری بات مولانا نے میرے بارے میں یہ ارشاد فرمائی ہے کہ یہ پکے پاکستانی ہیں۔ میں اس پر یقین نہیں کرتا کہ میں پکا پاکستانی ہوں اور شاید دوسرے کچے پاکستانی ہیں۔ اس لئے کہ ہر مسلمان خواہ وہ دنیا کے کسی خطہ میں آباد ہو اگر اس کے دل میں اسلام کی محبت ہے تو وہ ہر اسلامی ملک سے محبت کرے گا اور پاکستان سے بھی محبت کرے گا۔ تو ہر مسلمان دل سے پکا اسلامی اور پاکستانی ہے خواہ اس کی نیشنلٹی (NATIONALITY) کسی کی بھی ہو۔

نگاہ نصب العین پر ہونی چاہئے

اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی عرض کردوں کہ کبھی کبھی کسی اسلامی ملک کا سربراہ (HEAD OF THE STATE) ایسا آجاتا ہے کہ لوگوں کو بڑی مایوسی ہوتی رہتی ہے لیکن میں اپنے دوستوں سے یہ کہا کرتا ہوں کہ اگر آپ کی کار (CAR) اور آپ کی گاڑی بہت اچھی اور قیمتی ہے اور اس پر کوئی خراب ڈرائیور (DRIVER) آجائے تو اس ڈرائیور کے آنے سے گاڑی کی پوزیشن (POSITION) خراب نہیں ہوتی۔ وہ آج ہے کل نکل جائے گا لیکن گاڑی تو قیمتی ہے لہذا اس کی حفاظت کرنا نہایت ضروری ہے۔ بہرحال مجھے اس پر بڑی خوشی ہوئی کہ مولانا نے پاکستان کیلئے بھی دعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ اس کو صحیح معنی میں اسلامی سلطنت بنائے اور ہمیشہ ہمیشہ اسکو باقی رکھے۔

تیسری بات مجھے یہ عرض کرنی ہے کہ یہ معلوم کرکے مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ آج خواتین کیلئے بھی انتظام کیا گیا ہے اور شاید کل بھی انتظام تھا لیکن مجھے معلوم نہیں تھا۔

انسانی زندگی میں عورتوں کا کردار

بہرحال: عورتوں کیلئے جو یہ انتظام کیا گیا ہے اسے سن کر بڑی خوشی ہوئی کیونکہ آجکل ہر خاص وعام کی زبان سے یہ سننے کو ملتا ہے کہ انسان کی زندگی ایک گاڑی کے مانند ہے اور اس گاڑی کے دو پہیے ہیں ایک پہیہ مرد اور

دوسرا پہیہ عورت ہے اور زندگی کی گاڑی ان دونوں پہیوں کے بغیر نہیں چل سکتی۔ میرے خیال میں یہ کوئی غلط نہیں کہتے لیکن آج کا جیسا ماحول ہے اور ہم اور آپ جس طریقہ پر چل رہے ہیں مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آج مردوں سے عورتیں متاثر نہیں ہو رہی ہیں۔ مردوں سے عورتیں رنگ نہیں پکڑتی ہیں بلکہ عورتوں سے مرد متاثر ہو رہے ہیں عورتوں کے بتائے ہوئے طریقے اور ان کے مشورے پر مرد چلتے ہیں۔ اس لئے میرا خیال یہ ہے کہ عورتیں ہماری زندگی کی گاڑی کا ڈیڑھ پہیہ ہیں اور مرد آدھا پہیہ ہیں۔ لہذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہمارے معاشرہ میں دینی انقلاب آئے۔ مذہبی فضا۔ پیدا ہو تو معاف کیجئے یہ زندگی کی گاڑی کے آدھے پہیہ سے نہیں ہو سکتا۔ جب تک آپ عورتوں کو ساتھ لے کر نہ چلیں معاشرہ کے اندر دینی ماحول پیدا نہیں ہو سکتا۔

مرد کو مؤثر ہونا چاہیے میرے دوستو! جیسا کہ ابھی میں نے عرض کیا کہ آج مرد عورتوں سے متاثر ہو رہے ہیں۔ لیکن یاد رکھئے یہ منشاء اسلام کے خلاف ہے۔ آپ جانتے ہوں گے کہ اسلام نے اہل کتاب (وہ لوگ جو کسی آسمانی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں چاہے اس کتاب میں تحریف ہو گئی ہو) کی لڑکیوں اور ان کی عورتوں سے ایک مسلمان کے نکاح کو جائز قرار دیا ہے۔ لیکن یہ ذہن نشین کرلیجئے کہ یہ میں صرف مسئلہ کی بات بتا رہا ہوں، مشورہ نہیں دے رہا ہوں اس لئے کہ بعض جائز امور بھی ایسے ہیں کہ جب آپ ان پر عمل کرتے ہیں اس کا نتیجہ آپ کے حق میں اچھا نہیں نکلتا۔ انہیں امور میں سے اہل کتاب عورتوں سے شادی کرنا بھی ہے، اس لئے میں مشورہ نہیں دے رہا ہوں، البتہ قانون کی بات بتا رہا ہوں۔ قانون یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان مرد اہل کتاب عورت سے شادی کرلے تو اسکا نکاح جائز ہے لیکن اگر اس کے بالعکس کوئی مسلمان عورت اہل کتاب مرد سے شادی کرلے تو یہ نکاح جائز نہیں ہے۔ اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اہل کتاب کے ساتھ نکاح جائز قرار دینا تھا تو خواہ مرد ہو خواہ

عورت ہو دونوں صورتوں میں جائز قرار دینا چاہئے تھا مگر ایسا اسلام نے نہیں کیا۔ مرد مسلمان ہو اور عورت کتابیہ ہو تو نکاح جائز اور اگر اس کے بالعکس صورت ہو تو نکاح ناجائز قرار دیا۔ کیوں؟

اسلام کی حکمت علماء نے لکھا ہے کہ اصل حکمت یہ ہے کہ قدرتی طور پر عورتیں مردوں سے متاثر ہوتی ہیں۔ ان کا رنگ قبول کرتی ہیں۔ ان کے اثرات قبول کرتی ہیں لیکن مرد عورتوں سے متاثر نہیں ہوتے لہذا اگر مرد مسلمان ہے اور عورت کتابیہ ہے تو اس نکاح کی اجازت دی گئی کیونکہ ایسی صورت میں لازمی طور پر کتابیہ عورت اپنے مسلمان شوہر سے متاثر ہوگی اور آج نہیں تو کل وہ بھی اسلام قبول کرلے گی اور اپنے شوہر کے طریقہ پر چلے گی۔ لیکن اگر مرد اہل کتاب ہے اور عورت مسلمان ہے تو یہاں بھی وہی فلسفہ ہے کہ چونکہ مرد سے متاثر ہوتی ہے اس لئے یہ نکاح جائز نہیں ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ مسلمان عورت اپنے شوہر سے متاثر ہو کر دین اسلام کو چھوڑ دے اور اہل کتاب کا مذہب قبول کرلے۔

معلوم ہوا کہ منشاء اسلام یہ ہے کہ مردوں سے عورتوں کو متاثر ہونا چاہئے، عورتوں سے مردوں کو متاثر نہیں ہونا چاہئے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ اس زمانے میں بڑے سے بڑے روشن خیال، بڑے سے بڑے اپ ٹو ڈیٹ (UP TO DATE) بڑے سے بڑے تعلیم یافتہ سب ملاجیون بنے ہوئے ہیں۔

ملاجیونؒ کی سادگی آپ نے ملاجیونؒ کا قصہ سنا ہوگا کہ وہ اپنی بیوی سے بہت ڈرتے تھے اور مولانا انصاری صاحب! کہیں ناراض نہ ہو جائیں۔ لوگوں نے تو یہ مشہور کر رکھا ہے کہ سارے ہی مولوی بیویوں سے ڈرتے ہیں۔ لیکن ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ بیوی سے بہت ڈرتے تھے۔ ان کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ کھانا کھا رہے تھے۔ آگے دال روٹی رکھی ہوئی تھی جیسے ہی دال کا لقمہ توڑ کر دال میں لگا کر کھایا تو پتہ چلا کہ دال

پھیکی ہے؟ اس میں نمک نہیں ہے۔ مگر اتنی ہمت کہاں سے جتائیں کہ بیوی سے کہیں کہ دال میں نمک نہیں ہے۔ بڑے پریشان ہوئے۔ سوچنے لگے کہ کیا کروں۔ اچانک ایک ترکیب ذہن میں آئی۔ روٹی رکھی اور چارپائی سے اترے۔ بیوی نے کہا۔ کہاں جارہے ہو؟ کہنے لگے ابھی آتا ہوں۔ یہ کہہ کر باہر چلے گئے۔ بادشاہ وقت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ ملا جیون کے شاگرد تھے۔ یہ فوراً دوڑے ہوئے عالمگیر کے پاس گئے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ مولانا! اس وقت کیسے تشریف لائے؟ فرمایا کہ ایک بڑی مشکل پیش آگئی ہے اس لئے میں آپ سے فوج کا ایک دستہ لینے کیلئے آیا ہوں! بادشاہ نے کہا۔ مولانا! آپ فوج لیکر کیا کریں گے؟ کہنے لگے۔ بتانے کی بات نہیں ہے لیکن ایک ضرورت ایسی پیش آگئی ہے اس لئے فوج کا ایک دستہ میرے ساتھ بھیج دو۔ عالمگیر نے اپنے فوجیوں سے کہا۔ بھائی! یہ ہمارے استاذ ہیں۔ ہم ان کا بڑا ادب واحترام کرتے ہیں۔ ذرا تم ان کے ساتھ جاؤ اور دیکھو انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ فوج کو لیکر جارہے ہیں۔ آگے آگے ملا جیون ہیں اور پیچھے پیچھے فوج کا دستہ آرہا ہے۔ اپنے مکان پر پہنچے اور فوج سے کہا۔ کچھ لوگ اوپر چھت پر چڑھ جاؤ اور کچھ لوگ نیچے رہو اور اس طرح سے فوج کو ترتیب دی جیسا کہ باقاعدہ مورچہ لگاتے ہیں۔ جب مورچہ لگ گیا تو ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکان کی چھت پر چڑھ گئے اور بیوی کو آواز دی۔ بیوی آواز سنتے ہی صحن میں آگئی۔ ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بیوی! تیری دال میں نمک پھیکا ہے۔ بیوی نے کہا ہو گا پھیکا۔ کبھی کبھی ایسا اتفاق ہو جاتا ہے۔ میں اگلی دال میں نمک ڈال دیتی ہوں۔ ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ نے فوج سے کہا۔ بس! اب آپ لوگ واپس جائیے۔ خیریت کے ساتھ گذر گئی۔

آج ہر شخص ملا جیون بنا ہوا ہے | تو میں عرض کر رہا تھا کہ آج تہذیب وتمدن دور میں ہر روشن خیال ملا جیون بنا ہوا ہے۔ آج عورتیں ہم سے متاثر نہیں ہوتیں بلکہ ہم

عورتوں سے متاثر ہوتے ہیں اور ہونا بھی چاہئے۔ اس لئے آج شوہر صاحب کو تو کمانے سے فرصت نہیں ہے گھر کی ساری ذمہ داری عورتیں ہی انجام دیتی ہیں۔ بچوں کی صفائی ستھرائی سے لیکر ان کی تعلیم و تربیت ان کو سدھارنا اور تہذیب سکھانا سب عورتوں ہی کا کام ہے۔

آپ نے علماء سے یہ حدیث سنی ہوگی الجنۃ تحت اقدام امھاتکم جنت تمہارے ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔ لیکن کبھی کسی مولانا سے آپ نے یہ نہیں سنا ہوگا کہ جنت تمہارے باپ کے قدموں کے نیچے ہے۔ میری بچی نے جب یہ حدیث سنی تو کہنے لگی کہ میری اماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے اور ابا کے قدموں کے نیچے نہیں ہے۔ بات تو اس نے صحیح کہی تھی۔ اب آپ اندازہ لگائے کہ کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کو اتنا بڑا مرتبہ عطا فرمایا ہے؟

حضرت تھانویؒ کی موقع شناسی حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اپنے وعظ میں یہ مسئلہ بیان کر دیا کہ ماں اگر اپنے بچے کو دودھ پلاتی ہے تو بہت اچھی بات ہے لیکن دودھ پلانا اس کی ذمہ داری نہیں ہے اس لئے اگر وہ چاہے تو انکار کر سکتی ہے۔ یہ شوہر کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچے کو دودھ پلوانے کا انتظام کرے۔ لوگوں نے کہا حضور آپ نے کیا مسئلہ بیان کر دیا۔ اب ہم اپنے گھر کو جائیں گے تو ہماری بیویاں کہیں گی کہ لاؤ اپنے بچے کو دودھ پلواؤ، ہم انہیں دودھ نہیں پلاتے۔ مولانا نے فرمایا کہ اچھا تم اس کی فکر نہ کرو۔ اگلے دن جو وعظ ہوگا اس میں اسکی تلافی کر دوں گا۔ دوسرے دن مولانا نے یہ مسئلہ بیان کیا کہ اگر بیوی بیمار ہوجائے تو اس کا علاج کرانا مرد کی ذمہ داری نہیں ہے۔ پھر مولانا نے مردوں سے فرمایا کہ اب اگر کسی کی بیوی یہ کہے کہ لاؤ اپنے دودھ پلواؤ تو تم کہہ دینا کہ اگر تو بیمار پڑنے لگی تو میں دوا لا کر نہیں دوں گا۔ فرمایا کہ اب دونوں برابر ہوگیا۔

لیکن یاد رکھئے یہ قانون کی بات ہے اور ازدواجی رشتے قانونی اصول پہ نہیں

چلتا محبت کیا اصول پر چلتا ہے۔ اور محبت و قانون کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔ محبت کے تقاضے اور ہیں۔ قانون کے تقاضے اور ہیں۔

ایک چٹکلہ تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ بعض حالات میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کا درجہ بڑھا دیا ہے۔ کسی اسکول کے اندر انسپکٹر آف اسکول (INSPECTOR OF SCHOOL) گیا اور وہاں جا کر اس نے ایک بچہ سے یہ سوال کیا کہ میاں! یہ بتاؤ کہ جو زبان تم بولتے ہو یہ ماں اور باپ دونوں کی زبان ہے پھر کیا وجہ ہے کہ اسے مادری زبان کہتے ہیں؟ پدری زبان کیوں نہیں کہتے؟ بچے نے بڑا اچھا جواب دیا۔ اس نے کہا بات اصل میں یہ ہے کہ ہماری امی جان اتنا بولتی ہیں کہ ابا کو بولنے ہی نہیں دیتیں اس لئے یہ مادری زبان کہلاتی ہے۔ بات اس نے بڑے پتے کی کہی۔

بچے پر ماں کے اثرات تو بات یہ چل رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو جو مرتبہ عطا فرمایا ہے یہ کس وجہ سے عطا فرمایا ہے؟ اس وجہ سے عطا فرمایا ہے کہ آنے والی اولاد اور نسل کی استاذ معلم اور مربی عورت ہی ہے۔ مرد نہیں ہے۔ اور صرف معلم اور استاذ ہی نہیں بلکہ اس کو حیوان سے انسان بناتی ہے۔

حضور اکرم ﷺ سے کسی صحابی نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوت خطابت اور قوت گویائی بدرجہ کمال عطا فرمائی ہے۔ حالانکہ حضور اکرم ﷺ کے سارے کمالات وہبی ہیں اللہ کی طرف سے عطا کردہ ہیں مگر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں نے کس خاتون کا دودھ پیا ہے؟ میں نے خاندان بنو سعد کی ایک نیک خاتون کا دودھ پیا ہے جس کا نام حلیمہ سعدیہ ہے۔ فرمایا کہ یہ اس کے دودھ کی تاثیر ہے۔

جسکا مطلب یہ ہے کہ بچے کے اندر ماں کے سینے سے جو دودھ کے قطرے جاتے ہیں تو اگر ماں دیندار ہے تو اس کے دودھ کے ساتھ بچے کے اندر نور معرفت بھی

پتہ چلا کہ اصل کایا پلٹ گئی ہے ۔ انسان کامل بن گیا ہے اب بادشاہ نے اس سے کہا کہ اب اگر تم چاہو تو میرے پرسنل اسٹاف میں داخل ہو سکتے ہو اس نے بادشاہ کو جو جواب دیا اس کے الفاظ کتنے پیارے ہیں۔ میں فارسی کے وہی الفاظ نقل کئے دیتا ہوں جو حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ۔ فرمایا کہ

وقتے کہ من قابل خدمت شما بدم

خدمت مرا قبول نہ کردید

جب میرے دل میں یہ خواہش تھی کہ میں آپ کا ذاتی نوکر بن کر آپ کی خدمت کروں اس وقت آپ نے میری خدمت کو قبول نہیں کیا ۔ جب میں جانور تھا اس وقت آپ مجھے نہیں رکھا ۔

حالا کہ من قابل خدمت خدا شدم

خدمت شما قبول نہ کردیم

اور اب جبکہ میں نے علم حاصل کر لیا ہے اور خدمت کے قابل ہو گیا ہوں تو اب میں تیری خدمت کو قبول نہیں کرتا ۔

اب آپ ایمانداری سے بتایئے کہ اس جانور کو انسان کس نے بنایا ؟ اتنی بلندی تک کس نے پہنچایا ؟ علم نے پہنچایا ۔ اساتذہ اور اللہ والوں نے پہنچایا ۔ اب آپ یہ سمجھ گئے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے خواتین اور عورتوں کو جو مرتبہ دیا ہے اور جو فضیلتیں دی ہیں وہ اس لئے دی ہیں کہ عورتیں آنے والی نسل کی استاذ اور مربیہ ہیں ۔ آنے والی نسل کی تعلیم دینے والی ہیں ۔ لہذا اگر ایک عورت دیندار ہو جائے تو اس کی گود میں پلنے والے سارے بچے دیندار ہو جائیں گے ۔ اسی طرح اگر ایک عورت بد دین ہو جائے یا دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے تو اس کی ساری اولاد اس کے نقش قدم پر چلے گی ۔

مدراس کی کہانی سفر کی زبانی تقسیم (PARTITION) کے بعد مدراس کے

مسلمانوں نے مجھے بلایا تھا میں وہاں گیا تو وہ مجھے ایک ایسی جگہ لے گئے جو ایسی بستی تھی جہاں سوداگران چرم رہتے ہیں جو لبے یا لبا بین کہلاتے ہیں۔ دراصل ان کی اصل یہ ہے کہ وہ عرب سے آئے ہیں اور وہاں آکر انہوں نے دراوڑین (DRAVIDIAN) عورتوں سے شادیاں کی ہیں۔ ان لوگوں نے اپنے لڑکے اور لڑکیوں کی دینی حفاظت کا بہترین انتظام کیا ہے۔ جب میں وہاں گیا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ ہمارے یہاں لڑکیوں کا ایک اسکول ہے آپ وہاں چل کر معائنہ کریں۔ میں نے پوچھا کہ کس عمر کی لڑکیاں وہاں پڑھتی ہیں؟ انہوں نے کہا کہ بڑی بڑی عمر کی لڑکیاں ہیں۔ تقریباً نو دس سال سے لے کر چودہ پندرہ سال تک کی لڑکیاں وہاں پڑھتی ہیں۔ میں نے کہا کہ ہم ایسے اسکول میں کیسے جائیں؟ (پردہ کا مسئلہ تھا) انہوں نے کہا کہ ہم آپ کو باہر بٹھائیں گے اور اندر لڑکیاں رہیں گی بیچ میں پردہ ہوگا اور آپ ان بچیوں سے امتحان لیجئے۔ میں نے کہا بہت اچھا۔ جب وہاں گیا تو ایک استاذ نے میرے ہاتھ میں قرآن شریف دیا اور کہا کسی جگہ سے پڑھوائیے۔ میں نے قرآن کریم کھولا تو یہ آیت سامنے تھی۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً

میں نے ایک لڑکی سے کہا بچی یہاں سے پڑھو۔ اس نے پڑھنا شروع کیا، مجھے بہت اچھا لگا۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ آپ اس سے اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر پوچھئے۔ میں نے ترجمہ پوچھا تو اس نے ترجمہ بھی کردیا۔ میں نے کہا اس کی تفسیر بیان کرو؟ تو اس لڑکی نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق و پیدائش کا سارا واقعہ بیان کرکے اس کی تفسیر بھی کردی۔ اس کے بعد وہاں کے ذمہ داروں نے مجھ سے کہا کہ آپ اس لڑکی سے قرآن کریم کی اس عبارت کے اندر گرامر (GRAMMAR) یعنی نحو و صرف کے اعتبار سے بھی سوال کیجئے۔ میں نے کہا کہ اس سوال کے کرنے سے پہلے آپ مجھے یہ بتائیے کہ یہاں کا کورس (COURSE) کیا ہے؟ آپ ان لڑکیوں کو کیا پڑھاتے ہیں؟

انہوں نے کہا کہ ہم یہاں لڑکیوں کو وہی نصاب تعلیم اور وہی کورس پڑھاتے ہیں جو دیوبند میں عالموں کو پڑھایا جاتا ہے۔ ہم فقہ پڑھاتے ہیں۔ تفسیر پڑھاتے ہیں اور وہ تمام علوم پڑھاتے ہیں جنکو پڑھا کر آپ ایک عالم پیدا کرتے ہیں اور اس کے علاوہ ہم ان کو کھانا پکانا، سینا پرونا وغیرہ بھی سکھاتے ہیں۔

میں نے کہا: یہی وجہ ہے کہ یہاں کی	بن کر علامہ وبال جہل و نادانی نہ بن

مسجدوں میں دیکھتا ہوں کہ نوجوان لڑکے جو B.A.، M.A. پڑھتے ہیں اذان کے بعد فوراً مسجد میں آجاتے ہیں اور جماعت کا انتظار کرتے ہیں۔ پہلی صفوں میں وہی لوگ رہتے ہیں۔ اور یہ حقیقت بھی ہے کہ ایسی ماؤں کی گود میں جو اولاد پرورش پائے گی وہ اولاد واقعی اپنے دور کے جنید بغدادی اور شبلی نعمانی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو بلند درجہ عطا فرمایا ہے۔ میں کبھی یہ نہیں کہتا کہ آپ عورتوں کو تعلیم نہ دیں۔ بلکہ آپ ان کو ضرور علم سکھائیں لیکن کس طرح؟ راز چاند پوری کے دو شعر یاد آگئے۔ بس میں یہی چاہتا ہوں۔ فرمایا کہ:

مشرقی ومغربی تعلیم حاصل کر مگر — بن کر علامہ وبال جہل و نادانی نہ بن
اپنے گھر کے آئینہ خانہ میں دیکھ اپنا جمال — محفلِ اغیار میں تو سرو بستانی نہ بن

اسلام تعلیم سے یہی چاہتا ہے۔ ان کا یہ انتظام دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی اور معاینہ کے رجسٹر (REGISTER) پر یہ الفاظ میں لکھنے والا تھا کہ عرب و عجم میں میں نے ایسا مدرسہ نہیں دیکھا۔ لیکن جب میں اس رجسٹر میں پیچھے کا ایک ورق الٹ کر دیکھا تو اس پر شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر تھی، اور مولانا" کے قلم سے یہی الفاظ لکھے ہوئے تھے کہ میں نے عرب و عجم کے اندر لڑکیوں کا ایسا مدرسہ نہیں دیکھا۔

میرے دوستو! میرے عرض کرنے کا منشا یہ کہ	چمن میں تلخ نوائی مری گوارہ کر

آپ عورتوں کو گاڑی کا ایک بے کار پارٹ (PART) نہ سمجھیں، کیونکہ معاف کیجئے آپ کی تو ساری گاڑی انہیں کے سہارے چلتی ہے لہٰذا اگر ہم انہیں دیندار بنائیں گے تو انکی وجہ سے ہم بھی دیندار بنیں گے اور ہماری آنے والی نسل بھی دیندار بنے گی۔ میں نے بہت سے دوستوں کو دیکھا ہے ان کی بڑی بڑی ڈاڑھیاں تھیں، اچانک غائب ہو گئیں۔ میں نے پوچھا، بھائی! ڈاڑھی کہاں گئی؟ کہنے لگے کہ بیگم صاحب پسند نہیں کرتی۔ آپ اندازہ لگایئے: بچوں کا مسئلہ تو بعد کا ہے یہاں تو خود ہمارا اور آپ کا سوال ہے۔ اور بھائی! ہمیں تو یہ خطرہ ہے کہ اگر عورتوں میں دینی تعلق باقی نہیں رہا تو یہ مسجدوں کی حاضری بھی باقی نہیں رہے گی۔

اسی لئے میں کہا کرتا ہوں، بات تو ہنسی کی ہے لیکن حقیقت بھی ہے کہ اگر مردوں کو ڈاڑھی رکھوانی ہو تو اس کی فضیلت مردوں میں بیان کرنا بے کار ہے اس کی فضیلت عورتوں میں بیان کرنی چاہئے اور اگر عورتوں کو پردہ کرانا مقصود ہو تو اسکی فضیلت عورتوں میں بیان کرنا فضول ہے اسکی فضیلت مردوں کو بتانی چاہئے۔ اس لئے کہ عورتوں کو بے پردہ بنانے میں مردوں کا ہاتھ ہے جیسا کہ مردوں کی ڈاڑھی صاف کرانے میں عورتوں کا دخل ہے۔

مخاطب کی رعایت ضروری ہے | بہرحال! مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ ہماری مائیں اور بہنیں بھی یہاں موجود ہیں اور ہماری باتیں سن رہی ہیں۔ اور مجھے اس کا مکمل احساس ہے کہ بڑے بڑے الفاظ کہنے میں آپ لوگوں کو شاید دقت اور دشواری ہوتی ہوگی لیکن میں آپ حضرات کو یقین دلاتا ہوں کہ جب میں ساؤتھ آفریقہ آتا ہوں تو چھانٹ چھانٹ کر انتہائی آسان اور سہل الفاظ بولنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اس لئے کہ میں جانتا ہوں کہ اگر میں نے آپ کے سامنے موٹے موٹے الفاظ استعمال کئے تو آپ جیسے آئے تھے ویسے ہی اٹھ کر جائیں گے۔

لکھنؤ کی فصاحت | کسی زمانہ میں لکھنؤ میں بڑی اعلیٰ قسم کی اردو بولی جاتی تھی جسے ٹکسالی اردو کہا جاتا تھا کسی گاؤں کے دو دیہاتی کسان اپنے زمیندار آقا کے پاس آئے تو آقا کو ان کسانوں سے صرف یہ پوچھنا تھا کہ جہاں ہماری زمین ہے وہاں بارش ہوتی ہے یا نہیں مگر اس نے لکھنؤ کی زبان میں پوچھا کہ

"امسال کشت زار گندم پر تقاطر امطار ہوا یا نہیں؟"

امسال کے معنی ہیں "اس سال" "کشت زار" کے معنی ہیں "کھیتی" "گندم" کے معنی ہیں "گیہوں" "تقاطر" کے معنی ہیں "ٹپکنا" اور "امطار" کے معنی ہیں "بارش" اس عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ اس سال گیہوں کی کھیتی پر بارش ہوئی یا نہیں؟ یہ سنتے ہی وہ دونوں کسان آپس میں یہ بات کرنے لگے کہ چلو بھائی چلو، بعد میں آئیں گے، ابھی شاید میاں صاحب قرآن شریف پڑھ رہے ہیں۔ اسی طرح اگر میں بھی آپ حضرات کے سامنے موٹے موٹے الفاظ بولوں تو آپ بھی یہی کہیں گے کہ چلو بھائی چلو، شاید مولوی صاحب قرآن شریف کی تلاوت کر رہے ہیں، لہٰذا میں ایسے الفاظ آپ کے سامنے بولوں گا کہ ان شاء اللہ مطلب آپ کی سمجھ میں آجائے گا۔

آمدم بر سر مطلب | اس وقت میں نے آپ حضرات کے سامنے قرآن کریم کی ایک چھوٹی سی سورہ تلاوت کی ہے۔ پہلے میں اسکا مختصر سا ترجمہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیتا ہوں پھر وہ بات بتاؤں گا جس کیلئے میں نے اس سورہ کی تلاوت کی ہے۔

ترجمہ: بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی ہے سو آپ اپنے پروردگار کی نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے بالیقین آپ کا دشمن ہی بے نام و نشان ہے (معارف القرآن)

اولاد نرینہ سے محبت ایک فطری امر ہے | واقعہ یہ ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کو اپنی اولاد نرینہ حضرت ابراہیم سے بڑی محبت تھی اور بیٹے بھی قدرتی طور پر ماں باپ کو اولاد میں بیٹیوں سے زیادہ محبت ہوتی ہے، خواہ وہ بڑے سے بڑا مجرم ہو، بڑے سے بڑا

دولت مند ہو یا بڑے سے بڑا بادشاہ ہو سب کو اپنی اولاد میں سے بیٹوں سے زیادہ محبت ہوتی ہے اسی طرح بیٹیوں اور ہمشیروں کو بھی بیٹوں سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔ لیکن دھوکہ نہ کھائیے گا۔ کیونکہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو ہماری زندگی میں بھی ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بھی تھیں۔ اور بظاہر یہ دونوں یکساں معلوم ہوتی ہیں مگر ان دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔

کام کی نوعیت مختلف ہوا کرتی ہے مثلاً سجدہ سہو نماز میں ہم بھی کرتے ہیں اور سرکار دو عالم ﷺ نے بھی کیا ہے مگر دونوں کی بنیادیں الگ الگ ہیں۔ دونوں کا پس منظر الگ الگ ہے اور دونوں کے اسباب الگ الگ ہیں۔ ہم اور آپ سجدہ سہو اس لئے کرتے ہیں کہ جیسے ہی مسجد میں آ کر ہم نے نماز کیلئے نیت باندھی اور اللہ اکبر کہا تو فوراً مارکیٹ (MARKET) میں پہنچ گئے۔ گاہک آ رہے ہیں اس سے لین دین کی باتیں کر رہے ہیں اس لئے پڑھنا بھول گئے۔ تو ہمارا یہ حال یہ ہے کہ جب ہم نماز شروع کرتے ہیں تو خیال رہتا ہے کہ ہم مسجد میں ہیں اور جب نماز ختم کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ہم مسجد میں ہیں باقی بیچ کا زمانہ کہاں گذرا؟ کوئی پتہ نہیں، چنانچہ پڑھنا بھول گئے تو ہمارے سجدہ سہو کی بنیاد ہے غفلت۔ یعنی خدا سے غفلت دین و عبادت سے غفلت۔ اور تلاوت کلام پاک سے غفلت۔ لیکن سرکار دو عالم ﷺ کے سجدہ سہو کی بنیاد غفلت نہیں تھی۔ آپ ﷺ کے سجدہ سہو کی بنیاد یہ تھی کہ جب آپ ﷺ تلاوت فرماتے تھے تو ذات و صفات الٰہی کے اندر اس قدر مستغرق ہو جاتے تھے کہ کوئی رکن ادا کرنے سے رہ جاتا تھا۔

تو آپ نے اندازہ لگایا کہ حضور اکرم ﷺ سجدہ سہو کی بنیاد یاد الٰہی تھی اور ہمارے اور آپ کے سجدہ سہو کی بنیاد خدا سے غافل ہوتا ہے....

انسان کا سطحی ذوق اسی طرح ایک دولت مند تاجر یا بادشاہ کے دل میں اولاد نرینہ

کی محبت اس لئے ہوتی کہ اس سے خاندان کا نام چلے گا، یہ میرا وارث بنے گا، یہ میرا ولی عہد بنے گا، حالانکہ جب تخت پر بیٹھنے کا زمانہ آتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ جس حکومت کا یہ وارث بننے والا تھا وہ حکومت ہی ختم ہو گئی، جس دولت کا وہ وارث بننے والا تھا اس دولت کا کوئی پتہ نہیں ہے۔

میرے دوستو! یہ سارے خیالات ذہنی اور دماغی بیماریوں کے وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اولاد نرینہ سے خاندان کا نام چلے گا، لیکن آپ ایمانداری سے بتایئے کہ اس زمانہ میں کتنے نوجوان ایسے ہیں جنکو اپنے دادا، پردادا کا نام معلوم ہو گا؟ بلکہ بعض لوگ تو ایسے بھی ہیں کہ اگر ان سے باپ کا نام پوچھو تو بھی استفارہ کرتے ہیں۔

ایک عبرتناک واقعہ ہمارے یہاں کراچی میں ایک شخص روتا ہوا میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مولانا صاحب! میری کچھ مدد کیجئے! میں نے کہا، بھائی کیا ہوا ہے؟ کہنے لگا کہ وہ جو ہمارا پراپرٹی (PROPERTY) کا کلیم (CLAIM) تھا کہ ہم نے انڈیا میں اتنا چھوڑا ہے اس کلیم (CLAIM) کو کلیم کمشنر (CLAIM COMMISSIONER) نے پھاڑ کر پھینک دیا ہے۔ میں نے کہا بھائی! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کہنے لگا کہ اس نے پوچھا کہ تمہارے باپ کا نام کیا ہے؟ میں سوچنے لگا، اس نے پھاڑ کر پھینک دیا۔ میں نے کہا، باپ کے نام میں سوچنے کی کیا بات ہے؟

دور حاضر کا انسان آج بعینہ ہماری یہی حالت ہے کہ بہت زیادہ تو باپ اور دادا تک کے نام تو بتا دیتے ہیں لیکن اگر پردادا کا نام پوچھا جائے تو کہتے ہیں، جی! مجھے نہیں معلوم! اماں جی سے پوچھ کر بتا دوں گا، اور اسی کیلئے ہم اور آپ کہتے ہیں کہ ہمارا نام چلے گا؟ ارے بھائی! ایک دو پشت سے آگے تو کوئی جاننے والا بھی نہیں ہے! لیکن آپ ایمانداری سے بتایئے کہ نسلیں کی نسلیں گذر گئی ہیں مگر امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا نام کسی نے بھلایا؟ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا نام کسی نے بھلایا؟ خواجہ معین الدین اجمیری

رحمۃ اللہ علیہ کا نام کسی نے بھلایا؟ حضرت سیدنا عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا نام کسی نے بھلایا؟ قیامت تک ان کا نام کوئی نہیں بھلا سکتا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم جو یہ کہتے ہیں کہ اولاد نرینہ کی وجہ سے ہمارا نام چلے گا یہ واقعی ہماری کم عقلی ہے۔ اسی طرح ہمارے دلوں میں جو یہ خیال ہے کہ اولاد نرینہ ہماری جائیداد کا وارث بنے گی تو اس کے متعلق یہ سمجھ لیجئے کہ ع

کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک

جب وارث بننے کا وقت آئے گا تو پتہ نہیں کیا انقلاب آئے گا اس کو وراثت میں کچھ ملے گا بھی یا نہیں؟ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا: تو ہمارے دلوں میں اولاد نرینہ سے محبت کی بنیاد یہ ہیں لیکن نبیوں اور پیغمبروں کو جو اپنے نرینہ اولاد سے محبت ہوتی ہے اس کی بنیاد یہ باتیں نہیں ہوتیں۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنے نرینہ اولاد اور بیٹے سے محبت اس لئے زیادہ ہوتی ہے کہ میرے مرنے کے بعد میرا بیٹا اس کام کو جاری رکھے گا جس کام کو اللہ تعالیٰ نے میرے حوالے کیا ہے۔ اس سے نہیں کہ یہ میری جائیداد کا وارث بنے گا یا اس کے ذریعہ میرا نام چلے گا! نام چلنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کے غلاموں کو وہ زندگی عطا فرمائی ہے جو قیامت تک ختم نہیں ہو سکتی۔ قیامت تک ان کے نام کو کوئی نہیں مٹا سکتا تو سرکار دو عالم ﷺ کا نام کیسے ختم ہو سکتا ہے؟

آب حیات بلکہ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ قرآن کریم کی ایک آیت ہے جس میں حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری کا ذکر ہے کوئی شخص اس آیت کی تلاوت کرلے تو جس دن تلاوت کرتا ہے اس دن کو موت نہیں آئے گی۔ وہ آیت یہ ہے۔ فرمایا کہ

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ

عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝

اب آپ کے دلوں میں یہ سوال پیدا ہو رہا ہوگا کہ مولانا نے تو یہ بڑا اچھا نسخہ بتادیا روزانہ سکو پڑھ لیا کریں گے پھر دنیا میں مرنے کا تو سوال ہی نہیں ہے۔ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ایسے ہی ذہین قسم کے لوگ سوالات کرنے آتے تھے اور انہیں جواب بھی ایسے ملتے تھے کہ دوسرے ذہن پر شبہ کبھی انہیں وہ جوابات نہیں مل سکتے تھے۔

حضرت تھانوی کا نرالا جواب ایک صاحب مولانا کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے کہ حضرت جی! ایک مسئلہ پوچھنے آیا ہوں، وہ یہ کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے مگر بات یہ ہے کہ میں طلاق حلالہ سے نہیں دی ہے بلکہ اس سے دی ہے، طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اب آپ اس کی چالاکی کا اندازہ لگائیے، مولانا سمجھ گئے، فرمایا کہ تمہاری طلاق تو مٹ سے بھی واقع ہوگئی اس لئے کہ تمہارا نکاح بھی پھول سے ہوا تھا بلکہ مرچ سے نہیں ہوا تھا، سبحان اللہ کیا جواب دیا۔

اسی طرح کسی نے سوال کیا کہ حضرت جی! بس یہ آیت روزانہ پڑھا کریں گے پھر تو موت نہیں آئے گی؟ فرمایا کہ تمہارا خیال غلط ہے، اس آیت کی خاصیت تو یہ ہے کہ جس دن اس کو پڑھو گے اس دن موت نہیں آئے گی لیکن یہ بھی سمجھو کہ جس دن موت آنی ہوگی اس دن تم اس آیت کی تلاوت بھول جاؤ گے۔ تو آیت کی خاصیت بھی اپنی جگہ برقرار ہے اور موت بھی اپنی جگہ برقرار ہے۔

سرور کونین ﷺ کی اولاد بہرحال، حضور اکرم ﷺ کو اپنی اولاد سے محبت اس لئے نہیں تھی کہ یہ میری جائداد کے وارث ہوں گے، اس لئے نہیں تھی کہ تخت و تاج کے وارث ہوں گے، اس لئے نہیں تھی کہ ان کے ذریعہ نام چلے گا بلکہ اس لئے تھی

کہ میرے بعد دین کی خدمت اللہ تعالیٰ ان سے لے گا۔ ابھی حضور اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا نہیں فرمائی تھی کہ آپ کے دو بیٹے کا انتقال ہو گیا جس کی وجہ سے آپ ﷺ کو بے حد غم ہوا اس لئے کہ اب آپ کا کوئی بیٹا باقی نہیں رہا صرف چار لڑکیاں تھیں سب سے بڑی لڑکی حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہیں، دوسری لڑکی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا ہیں، تیسری لڑکی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا ہیں اور چوتھی لڑکی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں ان چار لڑکیوں کے علاوہ دو لڑکے تھے جو آپ کی نبوت سے پہلے ہی اللہ کو پیارے ہو گئے۔

فرزند رسولؐ حضرت ابراہیمؑ کی سوانح حیات

پھر نبوت کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ایک بیٹا عطا فرمایا، آپ نے ان کا نام ابراہیمؑ رکھا۔ آپ ﷺ کے یہ تیسرے صاحبزادے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے، پرورش کیلئے آپ ﷺ نے ان کو ایک دایہ کے پاس بھیج دیا، وہاں حضرت ابراہیمؑ کی پرورش ہو رہی تھی کہ اچانک بیمار پڑ گئے اور رفتہ رفتہ ان کی حالت بگڑتی چلی گئی، ایک شخص دوڑتا ہوا آپ ﷺ کے پاس آیا اور اطلاع دی کہ حضورؐ! حضرت ابراہیمؑ کی حالت نازک ہے، حضورؐ یہ خبر سنتے ہی گھبرا کر حضرت ابراہیمؑ کے پاس تشریف لے گئے، حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ جو ایک جلیل القدر صحابی ہیں آپ کے ساتھ ساتھ ہیں۔ آپ ﷺ نے حضرت ابراہیمؑ کو لیکر اپنے زانو پر لٹا دیا، اسی وقت میں ان کی وفات ہو گئی، آپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور آپؐ نے فرمایا

انا بفراقک یا ابراھیم لمحزونون

اے ابراہیمؑ! آج تو مجھ سے جدا ہو رہا ہے، مجھے تیری جدائی کا بڑا صدمہ اور غم ہے۔ اور آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ میرا دل غمگین ہے اور میری آنکھیں رو رہی ہیں لیکن میں اپنی زبان سے کوئی ایسی بات نہیں کہوں گا جو اللہ کی مرضی اور اسکی مشیت کے

خلاف ہو

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا سوال حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ تو نبی اور پیغمبر ہیں، آپ بھی روتے ہیں؟ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے یہ بڑا اچھا سوال کیا۔ اس لئے کہ بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں نبوت کا مفہوم ہی الگ ہے جیسا کہ آج لوگوں کے ذہنوں میں بزرگی کا مطلب

اور اس کا مفہوم بدل گیا ہے۔ آج اگر کوئی آدمی سیدھا سادھا اور بھولا بھالا ہو تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ بہت بڑے بزرگ ہیں... ہمارے مولانا فرمایا کرتے تھے کہ اگر سیدھا سادھا اور بھولا بھالا ہونا کوئی بزرگی ہوتی تو انبیاء کرام سب سے زیادہ بھولے ہوا کرتے لیکن کوئی نبی بھولے نہیں تھے تو اگر کوئی سیدھا سادھا ہونے کی وجہ سے لوگوں کے دھوکے میں آجاتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ بڑے بزرگ ہیں اور اگر کوئی دھوکے میں نہیں آتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ بڑے چالاک ہیں، بزرگ نہیں ہیں۔

مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ کی فراست ایمانی ایک واقعہ یاد آگیا۔ ہندوستان میں ایک بہت بڑے بزرگ گذرے ہیں۔ حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ یہ بڑے زبردست عالم تھے۔ ان کا ایک خانقاہ ہے خانقاہ رحمانی۔ حضرت مولانا فضل الرحمان صاحب گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے موسوم ہے۔ اور مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ ان کے صاحبزادے حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی (رحمۃ اللہ علیہ) دیوبند میں ہمارے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ جب ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف تحریک شروع ہوئی تو گاندھی جی نے حکیم اجمل خان صاحبؒ، ڈاکٹر انصاری صاحبؒ، مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کو جمع کر کے یہ کہا کہ اس تحریک کے اندر اس وقت تک جوش پیدا نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس میں کوئی بڑے مذہبی پیشوا شامل

نہیں ہوں گے لہذا کسی طریقے سے مذہبی پیشواؤں کو اس میں شامل کیجئے۔ طے پایا کہ
ایک دن گاندھی جی کے ساتھ ایک ڈپوٹیشن (DEPUTATION) مولانا محمد علی
مونگیری کے پاس جائے چنانچہ سب سے پہلے گاندھی جی کے ساتھ مولانا محمد علی
مونگیری ﷫ کے پاس گئے اور گاندھی جی نے مولانا سے کہا کہ مولانا میں نے
پیغمبر اسلام کی زندگی کا مطالعہ کیا ہے ان کی زندگی سے بہتر کسی کی زندگی کو میں نے
نہیں پایا۔ ان کی زندگی سب سے اعلیٰ اور سب سے اونچی زندگی تھی اور میں نے قرآن
کا بھی مطالعہ کیا ہے میں نے اس کتاب کو سب سے اعلیٰ اور مقدس ترین کتاب پایا
چنانچہ میں نے اس کا کچھ حصہ اپنی دعا میں بھی شامل کر لیا ہے اس کے علاوہ اور بہت سی
تعریفیں کیں۔

مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ گاندھی جی آپ نے پیغمبر
اسلام کی جتنی تعریفیں کی ہیں وہ ٹھیک ہیں، ہمارے پیغمبر اس سے بھی اونچے تھے اور آپ
نے قرآن کریم کی جتنی تعریفیں کی ہیں وہ بھی ٹھیک ہیں۔ ہمارا قرآن اس سے بھی
اونچا ہے لیکن گاندھی جی مہربانی کر کے رسول خدا کا اور قرآن کریم کا وہ عیب بھی تو
بتا دیجئے جس کی وجہ سے آپ نے اب تک ایمان قبول نہیں کیا ہے۔ جب قرآن کریم
آپ کو ساری دنیا کی کتابوں میں سب سے بہتر کتاب معلوم ہوتی ہے۔ پیغمبر اسلام اور ان
کی زندگی آپ کو سب سے بہتر زندگی معلوم ہوتی ہے پھر آپ کو وہ کونسا عیب ان کے
اندر نظر آیا جس کی وجہ سے اب تک آپ ایمان نہیں لائے ہیں؟ اب گاندھی جی بغلیں
جھانکنے لگے۔ ان سے کوئی جواب نہیں بن پڑا۔ مولانا نے فرمایا کہ جب کوئی شکاری شکار
کرنے نکلتا ہے تو شکار گاہ میں جا کر جانوروں کی بولی بولتا ہے تاکہ جانور جال میں
پھنس جائیں، اسی طرح آپ کے دل میں نہ تو پیغمبر اسلام کی کوئی عظمت ہے اور نہ
قرآن کریم کی کوئی عظمت ہے۔ آپ صرف مجھے پھانسنے کیلئے آئے ہیں اس لئے میری

یوں بول رہے ہیں فرمایا کہ ؎

زانکہ صیاد آورد بانگ صفیر
تا کہ گیرد مرغ را آں مرد گیر

اور حدیث میں آتا ہے اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ
مؤمن کی فراست سے ڈرتے رہنا وہ صرف چہرہ کی آنکھ سے نہیں دیکھتا دل کی آنکھ
سے بھی دیکھتا ہے۔

دین کے معاملہ میں آجکل کی بے احتیاطی ہمارے یہاں میرٹھ میں جہاں میں
نے فارسی پڑھی تھی ایک صاحب تھے جن کے کپڑوں میں ہمیشہ جوئیں بھری رہتی
تھیں اور جب ان سے کہا جاتا کہ بھائی ان جوؤں کو مار دیجئے۔ یہ نجس اور غلیظ چیز ہے تو
کہتے کہ میں کیوں ماروں؟ اللہ تعالیٰ نے ان کی غذا میرے جسم میں اتاری ہے۔ وہاں کے
لوگ ان کے پیچھے پیچھے پھرتے تھے۔ کہتے تھے کہ جی۔ یہ بڑے درویش ہیں۔ ان کے کپڑوں
میں جوئیں بہت زیادہ ہیں۔

تو میرے دوستو۔ ہم لوگوں کا یہی حال ہے۔ معاف کیجئے اگر ہمیں اور آپ کو کوئی
بیماری ہو جائے تو کسی ڈاکٹر کے ہاتھ میں ہاتھ دیتے ہوئے ہم ڈرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ پہلے
اس کی ڈگری بتاؤ کہ کیا ہے؟ یہ کہاں سے پڑھ کر آیا ہے؟ لیکن جب ایمان کا مسئلہ ہوتا
ہے تو کہتے ہیں کہ جی ہم تو عاشق مزاج ٹھہرے۔ جو حسین ہمارے آگے سے گذرتا ہے ہم
اسے اپنا ایمان دے دیتے ہیں۔ جسم کی پرواہ ہے لیکن ایمان کی کوئی پرواہ نہیں۔ فارسی
کے کسی شاعر نے بڑا اچھا شعر کہا ہے۔ فرمایا کہ ؎

قسمت بردہ از دل گم گشتہ خبر کہ ز پیشم
من قاش فروش دل صد پارہ خویشم

آپ نے ہندوستان میں دیکھا ہوگا کہ تربوز بیچنے والے تربوز کی قاشیں (ٹکڑے)

بنا کر رکھ لیتے ہیں اور ایک ایک آدمی میں ایک ایک قاش (ٹکڑا) بیچتے ہیں۔ اسی طرح ہم نے بھی ایمان کی قاشیں بنا کر رکھ لی ہیں اور جو جو آرہا ہے کہہ دیتے ہیں کہ ایک قاش تم بھی لے جاؤ۔ ایک قاش تم بھی لے جاؤ۔

تو جان کے معاملہ میں ہم اور آپ فیاض نہیں ہیں لیکن ایمان کے معاملہ میں بڑے فیاض ہیں۔ اگر کسی کے بدن میں جو تیاں لگ گئیں اسکو بھی ایمان دے دیا۔ کسی کا بولنا پسند آگیا اسے بھی ایمان دے دیا۔ کسی کا چپ رہنا پسند آگیا اسے بھی ایمان دے دیا۔ کسی کا رونا یا ہنسنا پسند آگیا اس کے حوالہ بھی ایمان کر دیا۔ حالانکہ اسلام کے اندر ایمان کسی کے حوالہ کرنے کی ایک ہی شرط ہے وہ یہ ہے کہ یہ دیکھو کہ وہ حضور اکرم ﷺ کا سچا پیروکار اور آپ کی سنت اور آپ کے نقش قدم پر مکمل طریقہ سے چلتا ہے یا نہیں؟ اگر چلتا ہے تو ضرور اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے سکتے ہو۔

حضور اکرم ﷺ کا جواب خیر! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ پوچھتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ نبی اور پیغمبر ہیں اور آپ بھی روتے ہیں؟ جواب سنئے! آپ ﷺ نے فرمایا کہ بیٹے کی جدائی پر اتنا غم ہوتا کہ آنکھوں سے آنسو نکل آئیں یہ جدا ہونے والے بیٹے کا حق ہے جو مجھے ادا کرنا ہے۔

جسکا مطلب یہ ہے کہ میرا یہ بیٹا جو جدا ہو رہا ہے یہ میرا خون ہے۔ میرے جگر کا ٹکڑا ہے اسکی جدائیگی پر اتنا رنج و غم ہو تاکہ آنکھوں سے آنسو نکل آئیں یہ اس بچے کا حق ہے یہ کوئی غلط بات نہیں ہے۔ لیکن یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں پر دو حقوق جمع کر دیئے ہیں ایک حق اس بچہ کا ہے جو جدا ہو رہا ہے۔ اور یہ حق آنسو بہا کر میں نے ادا کر دیا اور دوسرا حق خدا کا ہے۔ وہ یہ کہ میں اپنی زبان سے کوئی ایسی بات نہ نکالوں جو خدا کی مشیت کے خلاف ہو۔

میرے دوستو! میں جو بات کہنا چاہ رہا ہوں وہ یہی ہے کہ ایک طرف آپ کے

سامنے رسول اللہ ﷺ کا عمل ہے کہ بیٹے کی جدائی پر رو رہے ہیں۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور دوسری طرف ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ بیٹا مرا ہوا ہے لیکن آنکھوں سے آنسو نکلنے کے بجائے ہنس رہے ہیں۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ | مثلاً حضرت فضیل بن عیاض۔ سلسلہ چشتیہ کے بہت بڑے بزرگ ہیں۔ ان کی ابتدائی زندگی بڑی خراب گندی ہے۔ یہ چوری کرتے اور ڈاکہ ڈالتے تھے۔ ایک دن ایک نوجوان لڑکی کو دیکھا تو اعلان کر دیا کہ آج رات اس لڑکی کے گھر پر ڈاکہ ڈال کر اس کو قابو کیا جائے گا۔ چنانچہ رات کو اپنے اعلان کے مطابق اس لڑکی کے گھر پر ڈاکہ ڈالنے کیلئے گھروں کی چھتوں کے اوپر سے جا رہے ہیں کہ ایک مکان سے بات کرنے کی آواز آئی۔ حضرت فضیل بن عیاض اپنا کان اس آواز کی طرف لگا دیتے۔ ایک شخص قرآن کریم کی تلاوت کر رہا تھا اور اس آیت کی آواز ان کے کانوں میں آئی۔ فرمایا کہ۔

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ

ترجمہ یہ ہے کہ کیا ایمان والوں کیلئے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کی نصیحت کے اور جو دینِ حق نازل ہوا ہے اس کے سامنے جھک جاویں۔ (سورۃ الحدید)

حضرت فضیل بن عیاض کی توبہ | حضرت فضیل بن عیاض فرماتے ہیں کہ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ابھی ابھی یہ آیت میرے لئے ہی نازل فرمائی ہے اور ساختہ منہ سے یہ نکلا "بلیٰ یا ربی قد ان" ہاں، میرے پروردگار! وہ وقت آ گیا، میرا دل اب توبہ کی طرف جھک گیا اور لکھا ہے کہ حضرت فضیل بن عیاض چھت سے اتر کر اتنا روئے کہ فرشِ زمین آنسوؤں سے تر ہو گیا۔ حضرت فضیل بن عیاض رو رہے تھے کہ پاس سے آواز آئی۔ کوئی آدمی کسی سے یہ کہہ رہا تھا کہ چلو جلد

فضیل بن عیاض آ گیا ہے، اگر تمہیں دیکھ لیا تو جان سے مار ڈالے گا! حضرت فضیل بن عیاض ان کے پاس پہنچے اور ان کے قدموں میں سر رکھ کر کہنے لگے کہ خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے اللہ سے توبہ کر لی ہے، اب تمہاری جان کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ لکھا ہے کہ اس کے بعد حضرت فضیل بن عیاض تقریباً تیس سال تک زندہ رہے، اور انہیں اپنی گذشتہ زندگی کا اتنا غم تھا کہ ان تیس سالوں میں کبھی کسی نے ان کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا، کبھی کسی نے ان کو مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔ قصور تو سب سے ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ کیفیت بہت پسند ہے کہ اس کے دربار میں ایک گنہگار انسان گڑگڑاتا ہوا نظر آئے۔

کسی کو حقارت کی نظر سے مت دیکھو! تقسیم سے پہلے، پارٹیشن (PARTITION) سے پہلے میں نئی دہلی میں تھا۔ وہاں سوڈی خاندان کا ایک شخص تھا جو آنریبل ممبر (HONOURABLE MEMBER) ہوا کرتا تھا اور ایک زمانے میں وہ وزیر بھی تھا، شیخ عنایت اللہ صاحب ان کے پرائیوٹ سکریٹری (PRIVATE SECRETARY) ہوا کرتے تھے، وہ کبھی کبھی میرے پاس بھی آتے تھے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ ارے صاحب! یہ بڑا دنیا دار آدمی ہے، اس نے کتے پال رکھے ہیں اور اس کی بیوی میم صاحب انگریز ہے۔ میں نے کہا بھائی! یہ سب باتیں ٹھیک ہیں لیکن جو آدمی میرے پاس آتا ہے میں اسے دھکے دے کر کیسے نکال دوں! اتفاق کی بات ہے کہ جب پاکستان بنا اور اس کے دو سال بعد میں حج کو گیا اور حضور اکرم ﷺ کے روضہ اقدس پر حاضری دی تو میں نے وہاں پر دیکھا کہ ایک آدمی زمین پر رو رہا ہے، تڑپ رہا ہے اور اسکا بہت برا حال ہے، جب قریب جا کر دیکھا تو وہی شیخ عنایت اللہ صاحب تھے۔

یاد رکھئے! کبھی کسی کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھئے، کبھی کبھی انسان ایک ہی جست (JUMP) میں کہیں کا کہیں پہنچ جاتا ہے، تبدیلی کیلئے زیادہ وقت درکار نہیں

ہوں، جب میں نے ان کو تڑپتے ہوئے دیکھا تو میں نے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ ! جو تڑپ ان کے اندر ہے وہ مجھے بھی عطا فرما۔

حضرت فضیل بن عیاض ؒ کے بیٹے کا انتقال تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضرت فضیل بن عیاضؒ تیس سال تک نہیں مسکرائے، ان کا ایک نوجوان اکلوتا لڑکا تھا، اس کے متعلق کسی نے آکر حضرت فضیل بن عیاضؒ کو خبر دی کہ آپ کے بیٹے کا انتقال ہو گیا ہے، حضرت فضیل بن عیاضؒ نے خبر سنکر فرمایا کہ "الحمد للہ" اب آپ اندازہ لگائیے کہ رسول اللہ ﷺ کا عمل اس سلسلہ میں یہ تھا کہ بچہ کو گود میں لیکر بیٹھے ہوئے رو رہے ہیں اور فرما رہے ہیں۔

انا بفراقک یا ابراهیم لمحزونون

اور حضرت فضیل بن عیاضؒ جو ولی درویش ہیں، مرد باخدا ہیں مسکراتے ہوئے کہتے ہیں "الحمد للہ" اس کے بعد حضرت فضیل بن عیاضؒ نے اس خبر دینے کو کہا کہ بڑھاپے اور ضعف کی وجہ سے میں اس لائق نہیں ہوں کہ وہاں جا سکوں لہٰذا جب تجہیز و تکفین سے فارغ ہو جاؤ تو یہاں لاکر مجھے اسکی شکل دکھا کر قبرستان لے جانا، چنانچہ اس نوجوان بچے کی میت کو غسل دیا گیا، کفن پہنایا گیا پھر لوگ اس کو حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے لیکر آئے، حضرت فضیل اپنے جوان لڑکے کی میت کی پیشانی کو چوم رہے ہیں، بوسہ دے رہے ہیں اور ہنستے ہوئے کہہ رہے ہیں، اللہ کی امانت اللہ کے حوالے، اللہ کی امانت اللہ کے حوالے - اور ہنسی خوشی رخصت کر دیا

نبی اور ولی میں فرق اب مجھے آپ سے یہ عرض کرنا ہے کہ آپ کے سامنے عمل کے یہ دو نمونے ہیں، ایک نمونہ نبی کے عمل کا ہے اور دوسرا نمونہ ولی کے عمل کا ہے، ممکن ہے کہ کسی کو بظاہر یہ احساس ہو کہ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا عمل

بہت اونچا اور اعلیٰ درجہ کا عمل ہے کیونکہ انہوں نے نوجوان اور اکلوتے لڑکے کی وفات کی خبر سن کر " الحمد اللّٰہ " کہا اور اسے رخصت کرتے وقت رنج و غم کے اظہار کے بجائے تبسم اور مسکراہٹ کا اظہار کیا۔

بس! میں اسی مسئلہ کو حل کرنا چاہتا ہوں اور میرے عرض کرنے کا منشاء یہی ہے کہ چاہے سائنس (SCIENCE) کی یہ دنیا کتنی ہی ترقی کرلے، اعلیٰ سے اعلیٰ ایڈوکیٹ (ADVOCATE) اور سائنٹسٹ (SCIENTIST) پیدا ہو جائیں، اعلیٰ سے اعلیٰ ولی اللہ اور درویش پیدا ہو جائیں لیکن یاد رکھئے! جو کمال اللہ تعالیٰ نے سرکار دوعالم ﷺ کے عمل کو عطا فرمایا ہے وہ کسی کے عمل کو نصیب نہیں ہے۔ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ آج کے اس تہذیب و تمدن کے زمانے میں ہم سرکار دوعالم ﷺ کی زندگی سے بہتر زندگی پیش کرسکتے ہیں، ان سے اچھا ماڈل (MODEL) اور نمونہ عمل پیش کرسکتے ہیں تو میرے دوستو، آج تو کیا قیامت تک نہیں پیش کرسکتے۔

ایک جلد ساز کی کہانی | ایک واقعہ یاد آگیا، ایک جلد ساز تھا۔ وہ جلد سازی تو بڑی اچھی کرتا تھا لیکن اس کے اندر بیماری یہ تھی کہ جو کتاب بھی اس کے پاس جلد سازی کیلئے آتی تھی اس کو پڑھ کر اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ اس میں حذف و اضافہ کردیتا تھا۔ ایک صاحب نے اسکو قرآن کریم دیا اور کہا، میاں دیکھو! اس کی جلد باندھ دو، مگر خدا کیلئے اس میں وہ حرکت نہ کرنا جو دوسری عربی وفارسی کتابوں میں تم کرتے ہو۔ اس لئے کہ ان کتابوں میں تو تمہاری تبدیلی اور اصلاح چل جاتی ہے مگر یہ قرآن کریم ہے اس میں تمہاری اصلاح نہیں چلے گی۔ اس نے کہا، نہیں صاحب! توبہ کیجئے، میں تو کبھی یہ حرکت نہیں کرتا۔ خواہ مخواہ لوگوں نے مجھے بدنام کردیا ہے۔ آپ بے فکر جائیے اور ایک ہفتہ کے بعد آکر قرآن کریم لے جائیے۔

جلد ساز کا عقلی اجتہاد | ایک ہفتہ کے بعد جب وہ قرآن کریم لینے کیلئے آیا تو قرآن

کریم کو دیکھ کر کہا کہ بھائی جلد تو بڑی اچھی باندھی ہے تم نے لیکن یہ تو بتاؤ کہ کہیں کوئی تبدیلی بھی کی ہے ؟ اس نے کہا: نہیں حضور، بھلا بتایئے خدا کے کلام میں میں کیا تبدیلی کر سکتا ہوں ؟ لیکن دو تین جگہیں ایسی تھیں کہ کسی لکھنے والے دشمن نے غلط لکھ دیا تھا، میں نے اسے ٹھیک کر دیا ہے۔ وہ جو عادت تھی اصلاح کرنے کی۔

اسی طرح آج کا روشن خیال طبقہ سائنس اور ٹکنالوجی (SCIENCE AND TECHNOLOGY) کے نام سے اسلام کی شکل بدلنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس کا کہنا یہ ہے کہ یہ ماڈل پرانا ہو گیا ہے ہم اس کے جگہ پر نیا ماڈل لا رہے ہیں۔

تو اس جلد ساز نے کہا کہ لکھنے والے نے بعض جگہ غلط لکھ دیا تھا، میں نے اس کی تصحیح کر دی ہے۔ انہوں نے کہا: ارے ظالم! تو نے میرے قرآن کو ناس کر دیا۔ دکھا! کہاں کیا تبدیلی کی ہے ؟ اس نے بڑے فخر کے ساتھ قرآن کریم کو کھولا اور کہا دیکھئے: اس جگہ لکھنے والے نے "وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ" لکھ دیا تھا، میں نے لفظ آدم کو کاٹ کر موسیٰ بنا دیا ہے۔ اس لئے کہ عصا حضرت آدم علیہ السلام کے پاس نہیں تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس تھی۔ اس علم کے دشمن کو یہ نہیں معلوم تھا کہ عصیٰ دو طرح سے لکھا جاتا ہے اور دونوں الگ الگ معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک طریقہ ہے "عین" "صاد" اور "ی" اور ی کے اوپر چھوٹا سا الف (کھڑا زبر) جسکے معنی ہیں نافرمانی اور لغزش کے۔ اور دوسرا طریقہ لکھنے کا ہے عین، صاد اور الف، اس کے معنی لاٹھی کے ہیں۔ اس ظالم کو یہ معلوم تھا کہ وہ عصا جو لاٹھی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ الف کے ساتھ آتا ہے اور یہاں ی کے ساتھ آیا ہے۔ مگر ماشاء اللہ لیاقت اور قابلیت کسی باہر ملک سے امپورٹ (IMPORT) کر کے لائے ہوں گے اس لئے تصحیح کر دی۔

وہ صاحب نے کہا، کہیں دوسری جگہ بھی تبدیلی کی ہے ؟ اس نے کہا: ہاں! قرآن کریم میں ایک جگہ کاتب نے غلطی سے وَخُرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا لکھ دیا تھا، میں نے

لفظ موسیٰ کاٹ کر عیسیٰ بنا دیا۔ اس لئے کہ خر کے معنی گدھے کے آتے ہیں اور گدھا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس نہیں تھا۔ اسی کے بارے میں کہا گیا ہے۔ خرِ عیسیٰ ۔

خرِ عیسیٰ گر بمکہ برود

چوں بیاید ہنوز خر باشد

اس کی قابلیت اور لیاقت کا اندازہ لگائیے۔ خر کے معنی جو گدھے کے آتے ہیں وہ فارسی میں آتے ہیں عربی میں نہیں آتے۔ اور یہ لفظ فارسی نہیں ہے بلکہ "خر" ہے جو خرّ ورّ سے مشتق ہے جس کے معنی گر پڑنے کے آتے ہیں۔ انہوں نے کہا تو نے میرا قرآن ستیاناس کر دیا۔ اور بھی کہیں کوئی تبدیلی کی ہے؟ اس نے کہا ایک اور جگہ ہے۔ وہ یہ قرآن خدا کا کلام ہے لیکن میں نے دیکھا کہ اس میں کہیں قارون کا نام ہے۔ کہیں فرعون کا نام ہے۔ کہیں ہامان کا نام ہے اور کہیں ابلیس و شیطان کا نام ہے۔ بھلا خدا کے بابرکت کلام میں ان بدمعاشوں کا ذکر کیسے ہو سکتا ہے؟ میں سمجھ گیا کہ ہمارے قرآن کو خراب کرنے کیلئے کسی دشمنِ خدا نے ایسا کیا ہے۔ انہوں نے کہا پھر تم نے کیا کیا؟ اس نے کہا حضور میں نے جہاں جہاں ان بدمعاشوں کا نام تھا اس کو کاٹ کر آپ کا مبارک نام لکھ دیا ہے۔ انہوں نے کہا ارے ظالم! ایک تو تو نے میرا قرآن خراب کر دیا اور دوسری میری عزت خاک میں ملا دی کہ ابلیس و شیطان، فرعون و ہامان کی جگہ مجھے بٹھا دیا۔

سنتِ نبوی ﷺ قابلِ اصلاح نہیں ہے | میرے دوستو! ایمانداری سے بتائیے کہ اگر قیامت کے دن کوئی اس قسم کا قرآن پیش کرے گا تو کیا اس کی بے وقوفی اور حماقت پر اسی قسم کا قہقہہ نہیں لگے گا جیسا قہقہہ آپ لوگ لگا رہے ہیں؟ یاد رکھئے کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق میں، آپ کے احسن زندگی میں تبدیلی کر کے اس کو

رواج دینا چاہتے ہیں اور اصلاح کا دعویٰ کرتے ہیں ان کی اصلاح ایسی ہی ہے جیسی جلد ساز نے قرآن کریم کے اندر اصلاح کی۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ عمل کے دو نمونے آپ کے سامنے ہیں ایک نبی کے عمل کا، دوسرا ولی کے عمل کا، بیان میں آپ کو یہ بھی بتادوں کہ آیا نبی کا درجہ بڑا ہے یا ولی کا درجہ بڑا ہے؟ ہمارے بزرگوں نے کوئی بات نہیں چھوڑی ہے سب کچھ پکا کر ہمارے سامنے رکھ دیا ہے سوال صرف کھانے کا ہے۔

حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کا علمی مقام

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ جو کتابی علم کے بڑے زبردست عالم ہیں۔ علمِ کتابی کے عالم ہونے کا مطلب یہ ہے جو وقت شو(SHOW) نمائش اور دکھاوا کا دھن سوار رہے ہمیشہ اس فکر میں رہے کہ میرا علم کس طرح ظاہر ہو۔ اس میں شک نہیں کہ اس وقت روئے زمین پر ان سے بڑا عالم کوئی نہیں تھا۔ لیکن علم کی خاصیت یہ ہے کہ جب تک کوئی علم حاصل کر کے بزرگوں کی جوتیاں سیدھی نہ کرے اس کے علم میں نور پیدا نہیں ہوتا ہے۔ وہ اسی فکر میں رہتا کہ کس طرح میں اپنے علم کو لوگوں کے سامنے ظاہر کروں۔ اور جب وہ بزرگوں کی صحبت اختیار کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے علم میں نور پیدا کر دیتا ہے پھر وہ اپنے علم کو چھپاتا ہے کسی کے سامنے ظاہر نہیں کرتا۔

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ علمِ کتابی کے بڑے زبردست عالم تھے، گھوڑے پر سوار ہو کر انکا جلوس نکلتا تھا۔ آگے آگے یہ خود ہوتے اور پیچھے پیچھے بڑے بڑے علماء [جو ان کے شاگرد تھے] ہوتے، کتابوں کا کتب خانہ بھی ساتھ ہوتا۔ جہاں کوئی سوال کرتا فوراً اسکا جواب دیتے۔ ایک مرتبہ اسی قسم کا جلوس نکلا۔ حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ ایک دوکان پر بیٹھے ہوئے تھے، یہ علم کتابی کے عالم نہیں تھے، ایک درویش اور فقیر تھے۔ دودھ والے کی دوکان پر بیٹھے ہوئے تھے کہ شور کی آواز آئی، دودھ

والے سے پوچھا کہ یہ شور کی آواز کہاں سے آرہی ہے؟ اس نے کہا کہ شیخ جلال الدین کا جلوس آرہا ہے۔ انہوں نے کہا، آج ہم بھی جلوس دیکھیں گے۔ دوکان سے نیچے اترے اور راستہ پر کھڑے ہوگئے دیکھا کہ آگے آگے لباسِ فاخرہ میں ملبوس مولانا جلال الدین رومیؒ ہیں اور پیچھے پیچھے ان کے شاگردوں کا ایک لشکر ہے۔

شمس تبریزؒ کا سوال اور مولانا رومیؒ کا جواب

حضرت شمس تبریزؒ آگے بڑھے اور مولانا جلال الدین رومیؒ کے گھوڑے کی لگام پکڑلی اور فرمایا کہ فقیر کا ایک سوال ہے اس کو جواب دیتے جاؤ۔ مولانا جلال الدین رومیؒ جو ہر وقت اس کیلئے تیار رہتے تھے نے فرمایا کہ ہاں ہاں! سوال کرو میں جواب دونگا! انہوں نے یہ سوال کیا کہ نبی کا درجہ بڑا ہے یا ولی درجہ بڑا ہے؟ انہوں نے کہا، ارے! میرا وقت ضائع کردیا، کوئی اعلیٰ سوال کیا ہوتا! اس سوال کا جواب تو بچے بچے کو معلوم ہے کہ نبی کا درجہ بڑا ہوتا ہے اور ولی درجہ چھوٹا ہوتا ہے اور فرمایا کہ نبی کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بہت بڑا عالیشان محل ہے اور ولی کی مثال ایسی ہے جیسے اس محل کا ایک کمرہ اور ردم ہے۔ ظاہر ہے کہ نبی کا درجہ بڑا ہے اور ولی کا درجہ چھوٹا ہے۔

حضرت شمس تبریزؒ فرمانے لگے کہ تمہارے جواب پر ایک اعتراض ہے اور وہ یہ کہ ابھی تم نے کہا کہ۔ نبی کا درجہ بڑا ہے اور ولی کا درجہ چھوٹا ہے۔ سرکار دوعالم ﷺ نبی اور رسول ہیں اور سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ علیہ ولی ہیں لیکن حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ۔

ما عرفناک حق معرفتک

اے اللہ! بے شک مجھے تیری معرفت کی بڑی مقدار ملی ہے لیکن ابھی تک حق معرفت ادا نہیں ہوا ہے۔ یہ تو نبی کا ارشاد ہے۔ دوسری طرف حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ علیہ کا ارشاد ہے۔ فرمایا کہ۔

اولیائی تحت قبائی لا یعرفہم سوائی

اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنی معرفت دی ہے کہ میرے سوا کسی کو نہیں دی ... اب میرا اعتراض یہ ہے کہ ایک طرف نبی فرماتے ہیں کہ حق معرفت ادا نہیں ہوا اور دوسری طرف ولی فرماتے ہیں کہ مجھے اتنی معرفت ملی کہ کسی کو اتنی معرفت نہیں ملی۔ اب بتائیے کہ کس کا درجہ بڑا ہے؟ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اب میرا جسم کانپنے لگا اور قریب تھا کہ غش کر جاتا، میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور جواب دیا۔ سبحان اللہ! کیسا اعلیٰ جواب دیا! فرمایا کہ جس طرح نبی کا درجہ اعلیٰ ہوتا ہے اسی طرح معرفت کا برتن ہوتا ہے ... برتن بھی بڑا ہوتا ہے اور جس طرح ولی کا درجہ چھوٹا ہوتا ہے اسی طرح اسکی معرفت کا برتن بھی چھوٹا ہوتا ہے۔ جیسا کہ ایک گلاس ہے۔ جب آپ اس کو لبالب بھر دیں گے تو وہ بھی کہے گا کہ میں تھک گیا، اب جگہ باقی نہیں رہی، اسی طرح جب ولی کو اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے اور اس کا ظرف اور برتن بھر جاتا ہے تو وہ کہنے لگتا ہے کہ چھلکنے لگا۔ لیکن نبی کا برتن چونکہ اتنا بڑا ہے کہ اگر وہ سمندر کے سمندر بھی چڑھا جائیں تو وہ یہی کہیں گے کہ حق معرفت ادا نہیں ہوا۔

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے اس جواب کو سن کر حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے، مولانا جلال الدین رومی نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ انہیں اٹھا کر مدرسہ پہنچا دو۔ انہیں مدرسہ پہنچا دیا گیا۔

مولانا شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت شام کے وقت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ حوض پر بیٹھے کتاب دیکھ رہے تھے کہ حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ اٹھ کر آئے اور پوچھا کہ یہ کونسی کتاب ہے؟ انہوں نے بتایا کہ یہ فلاں فن کی کتاب ہے! حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے اسے لیکر حوض میں ڈال دیا۔ پھر پوچھا یہ کونسی کتاب ہے؟ مولانا نے بتایا کہ یہ فلاں فن کی کتاب ہے، اسے بھی لیکر حوض میں ڈال دیا۔

اسی طرح اور دو تین کتابوں کو بھی حوض میں ڈال دیا۔ حضرت جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ بڑے ناراض ہوئے۔ فرمایا کہ تم نے میری زندگی کے علمی ذخیرہ کو برباد کر دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ ناراض نہ ہوں میں ابھی نکالے دیتا ہوں۔ پھر انہوں نے جب کتابیں نکالیں تو ان پر پانی کا کہیں نام ونشان بھی نہیں تھا۔ یہ حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت تھی۔

مولانا رومی ﷺ مولانا تبریزی ﷺ کے مرید ہوگئے مولانا جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ سمجھ گئے کہ یہ اللہ والے درویش ہیں۔ ان کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا اور مرید ہوگئے۔ فرمایا کہ -

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم

تا غلام شمس تبریزی نہ شد

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شمس تبریزیؒ کے مرید ہوگئے اور مناظرے اور علم کی ساری نمائش چھوڑ دی۔ کتب خانہ چھوڑ دیا۔ فرمایا کہ -

جملہ اوراق کتب در نار کن   سینہ را از نور حق گلزار کن

ارے غلام! کب تک کتابیں دیکھے گا؟ کتابیں چھوڑ اور کتاب والے کو دیکھ۔ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے کتابیں دیکھنی چھوڑ دیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو مثنوی جیسی کتاب لکھنے کی توفیق عطا فرمائی جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ -

ہست قرآں در زبان پہلوی

(یہ فارسی زبان کا قرآن ہے۔)

ماحصل کلام یہ بات میں نے اس لئے عرض کی کہ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے جواب سے یہ معلوم ہوگیا کہ نبی کا درجہ بڑا ہوتا ہے اور ولی درجہ چھوٹا ہوتا ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ کا عمل کامل درجہ کا عمل ہے اور حضرت فضیل بن عیاض کا

عمل اگرچہ ہمارے اور آپ کے مقابلے میں بہت اعلیٰ و ارفع ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کے عمل کے مقابلے میں کم درجہ کا اور ناقص ہے۔ اس لئے کامل درجہ کا عمل وہ ہے کہ جس میں خدا اور مخلوق دونوں کے تقاضے ایک ساتھ پورے ہوتے ہوں... ہمارے اور نبی کے عمل میں یہی فرق ہے۔ معاف کیجئے ہماری اور آپ کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی ایک آنکھ سے دیکھتا ہے۔ کیونکہ جب ہم بیوی بچوں کا حق ادا کرنے کیلئے کمانے لگتے ہیں تو پھر انہی کے ہو جاتے ہیں، نماز غائب، تلاوت غائب، روزہ غائب، رمضان غائب۔ اور جب ہم دین کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو پھر بیوی بچوں کے حقوق سے نظر پھیر لیتے ہیں۔ اسی لئے بعض عورتیں یہ شکایت کرتی ہیں کہ ان کے شوہر بڑے دیندار ہیں لیکن بغیر اطلاع کئے ہوئے ساری رات گھر سے غائب رہتے ہیں اور گھر والے انتظار میں دروازہ کھولے ہوئے پریشان بیٹھے رہتے ہیں۔

اسوۂ رسول اکرم ﷺ یاد رکھئے! یہ دینداری نہیں ہے۔ دینداری کس کا نام ہے کہ ایک مرتبہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سرکار دوعالم ﷺ کے مہمان تھے آپ نے ان سے یہ فرمادیا تھا کہ بھائی! میرے گھر میں کھانے پینے کا تو کوئی سامان نہیں ہے البتہ بکری ہے تم اس کا دودھ دوہ لیا کرو، اور میرے لئے بھی رکھ دیا کرو۔ ایک رات حضور اکرم ﷺ کو گھر آنے میں کچھ دیر ہو گئی، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ یہ سوچ کر کہ شاید آج حضور اکرم ﷺ کو کہیں دعوت ہے سارا دودھ پی گئے، تھوڑی دیر میں حضور تشریف لائے ڈر کے مارے حضرت قتادہ چپ چاپ لیٹ گئے جیسے سو رہے ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ حضور تشریف لائے۔

فتح الباب رویدا واغلق الباب رویدا

سبحان اللہ! یہ ہے تہذیب، آپ ﷺ نے نہایت آہستہ سے دروازہ کھولا نہایت آہستہ سے دروازہ بند کیا کہ مہمان کی آنکھ نہ کھل جائے اور نہایت آہستہ

سے سلام کیا کہ اگر جاگ رہے ہوں تو سن لیں اور اگر سو رہے ہوں تو سلام کی آواز سے آنکھ نہ کھلے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے چپکے سے سلام کا جواب دیا لیکن ڈر کے مارے یہ ظاہر نہیں کیا کہ میں جاگ رہا ہوں۔ حضور اکرم ﷺ کو بھوک لگی تھی، سیدھے برتن کی طرف تشریف لے گئے، دیکھا تو دودھ نہیں تھا۔ سبحان اللہ! کیا کریمانہ اخلاق تھے! حضورؐ ناراض نہیں ہوئے بلکہ آپ کی زبان سے یہ دعا نکلی، فرمایا کہ

اللھم اطعم من اطعمنی

اے اللہ! اس وقت مجھے بھوک لگی ہے، جو میرے پیٹ بھرنے کا ذریعہ بن جائے اسے تو خوشحالی عطا فرما۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا دعا مانگنا تھا کہ مجھے یقین ہو گیا نبی کی دعا خالی نہیں جا سکتی، میں اٹھا اور جا کر بکریوں کے تھنوں کو دیکھا جن میں سے ابھی ابھی میں دودھ دوہ چکا تھا، دیکھا کہ تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہیں۔ میں نے دودھ نکالا اور حضور اکرم ﷺ کو پیش کر دیا۔

دینداری کا معیار! یاد رکھئے دینداری اسی کو کہتے ہیں! ایک طرف مخلوق خدا کا حق ادا کرو اور دوسری طرف اپنے خالق اور خدا کا حق ادا کرو۔ جب تک یہ توازن اور یہ بیلنس (BALANCE) ہماری اور آپ کی زندگی میں پیدا نہیں ہو گا اس وقت تک ہماری زندگی کامل اور اعلیٰ درجہ کی زندگی نہیں ہو سکتی۔ حضور اکرم ﷺ کے عمل میں اعلیٰ درجہ کا کمال یہی تھا کہ ایک طرف آپ نے جدا ہونے والے بیٹے کا حق بھی ادا کیا اور دوسری طرف اپنے خالق حقیقی کا حق بھی ادا کیا لیکن ہمارے ولی حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے خدا کا حق ادا کیا اور اللہ کی مرضی میں اس قدر مستغرق ہو گئے کہ جدا ہونے والے بیٹے کا حق ادا نہیں کیا۔

معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کے عمل سے آپ کی عبادت سے اور آپ

کے اخلاق سے بہتر عمل اور بہتر طرز زندگی قیامت تک کوئی نہیں پیش کر سکتا ہے۔
اس زمانہ میں لوگوں نے نئے کپڑے پہننے کا نام تہذیب رکھ لیا ہے یا کسی پر زیادہ سے زیادہ چوٹ کر دیا جائے اسے تہذیب کہتے ہیں۔ یہ تہذیب نہیں ہے۔ تہذیب سیکھئے اللہ والوں سے۔

پردہ پوشی کی تابندہ مثال: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک بڑھیا تعویذ لینے ہوئے آئی، عمر کچھ زیادہ تھی اور جب عمر زیادہ ہو جاتی ہے تو انسان کو اپنا بدن قابو میں نہیں رہتا جب وہ بیچاری بیٹھنے لگی تو اس کا وضو ٹوٹ گیا اور اس کی آواز بھی آئی۔ اب وہ بیچاری بڑی شرمندہ ہوئی کہ یا اللہ میں حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئی لیکن بے اختیار مجھ سے ایسا ہو گیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ سمجھ گئے اور اس کی شرمندگی کو بھانپ لئے۔ فرمایا! کیسے آئیں بڑی بی؟ اس نے کہا تعویذ لینے آئی ہوں شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ذرا زور سے کہو! اس نے زور سے کہا۔ شاہ صاحبؒ آگے کو سرک آئے اور فرمایا اور زور سے کہو! اس نے اور زور سے کہا۔ دراصل شاہ صاحب اس کو یہ بتانا چاہتے تھے کہ میں اونچا سنتا ہوں اور اس وقت جو حرکت تم سے ہو گئی ہے اس کی آواز میرے کانوں میں نہیں پہنچی ہے لہٰذا شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

آخری گذارش: سبحان اللہ! یہ ہے تہذیب! اگر تہذیب سیکھنی ہو تو سرکار دو عالم ﷺ اور آپ کے غلاموں سے سیکھو، اور نمونہ عمل سرکار دو عالم ﷺ کے اسوہ کو بناؤ، آپ کی سنت اور آپ کے طریقہ کو بناؤ، اور یاد رکھو کہ اس سے بہتر نمونہ نہ کوئی بڑے سے بڑا ولی پیش کر سکتا ہے اور نہ کوئی بڑے سے بڑا سائنٹسٹ (SCIENTIST) پیش کر سکتا ہے۔
میں نے یہ باتیں اس لئے عرض کیں تاکہ ہم اپنے ذہنوں سے احساس کمتری کو دور

کریں اور زندگی کے تمام مراحل میں حضور اکرم ﷺ کی زندگی کو نمونہ بنائیں۔

دعا کیجئے اللہ ہمیں اور آپ کو سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ

وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ

اے اللہ! تمام مردوں اور عورتوں کو بچوں اور بوڑھوں کو سب کو حضور اکرم ﷺ کے اسوہ پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ اے اللہ! ہم سب کے دلوں کو حضور اکرم ﷺ کی محبت سے لبریز فرما۔ اے اللہ! ہمیں اپنے نبی کا عاشق اور دیوانہ بنا۔ اے اللہ! ہمیں سرکار دو عالم ﷺ کی سنتوں کو اپنانے کی توفیق عطا فرما۔ اے اللہ! ہمیں تیرے دین کو زندہ کرنے کی توفیق عطا فرما۔ اے اللہ! ہم کمزور ہیں۔ ہماری خطاؤں کو بخش دے اور معاف فرما دے۔ اے اللہ! ہماری مشکلات اور پریشانیوں کو دور فرما۔ اے اللہ! جتنے حاضرین ہیں ان سب کی جائز مرادوں کو پوری فرما۔ اے اللہ! جتنے بیمار ہیں ان تمام کو تندرستی اور شفاء کاملہ عطا فرما۔

آمین یا رب العالمین